فتاویٰ امن پوری

Part 601-625

مصنف

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حفظہ اللہ

فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۰۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: حدیث کے متواتر ہونے کے لیے کتنے صحابہ سے مروی ہونا ضروری ہے؟

جواب: متواتر حدیث کے لیے راویوں کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں، کئی دفعہ ایک حدیث ایک ہی صحابی سے مروی ہوتی ہے، مگر نیچے سند میں راویوں کی اتنی بڑی تعداد نے روایت کیا ہوتا ہے کہ ماہرین فن اسے متواتر کہہ دیتے ہیں۔

جیسے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' یہ صرف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کسی اور صحابی سے کوئی معتبر سند نہیں۔ اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے بھی منفرد ہیں، بلکہ ان سے نیچے والے راوی بھی منفرد ہیں۔ اس سب کے باوجود اس حدیث کو مشہور کہا گیا ہے، حالانکہ اس حدیث کے راویوں کی تعداد مشہور روایت کے راویوں کے برابر نہیں۔

اس لیے اگر محدثین کسی روایت کو متواتر کہہ دیں، تو اسے متواتر مانا جائے گا، اس کی سندوں کی تعداد یا صحابہ کی تعداد کو نہیں دیکھا جائے گا۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَدَدَ الْمُعَيَّنَ لَا يُشْتَرَطُ فِي الْمُتَوَاتِرِ، بَلْ مَا أَفَادَ الْعِلْمَ كَفٰى .

''متواتر میں عدد معین کی شرط نہیں لگائی جائے گی، بلکہ جتنی تعداد بھی علم یقینی کا فائدہ دے، (متواتر ہونے کے لیے) کافی ہے۔''

(النُّكَت على صحيح البخاري : 215/2)

سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ رحمہ اللہ کے شاگرد محدثین کی نظر میں کیسے تھے؟

جواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گروہ محدثین کے ہاں بالاتفاق ضعیف ہیں۔ اسی طرح محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ اور حسن بن زیاد لؤلؤی بھی بالاتفاق ضعیف ومتروک ہیں۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ جمہور محدثین کے ہاں مجروح وضعیف ہیں۔

اس بنا پر محدثین فقہائے احناف کی کتابوں کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو ان کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دین محدثین عظام کی کتابوں میں مدون ہے، الحمد للہ علی ذٰلک۔

کئی وجوہ کی بنا پر محدثین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے خفا تھے۔

✿ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا سَائِرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فَهُمْ كَالْأَعْدَاءِ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ.

''سبھی محدثین عظام رحمہم اللہ گویا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے دشمن تھے۔''

(الانتقاء، ص 173، مَغاني الأخبار للعيني الحنفي : 251/3)

✿ علامہ محمد انوار اللہ فاروقی خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب فرماتے ہیں:

''اب غور کیجئے کہ اُس زمانہ میں امام (ابوحنیفہ) صاحب کے مخالف محدثین کثرت سے تھے، جن کی مخالفت کا اثر اب تک جاری ہے اور محدثین کی عادت تھی کہ جو بات مخالف حدیث پاتے، اس پر مناظرے کرتے، یہاں تک

کہ جان دینے کو مستعد ہو جاتے تھے، جیسا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں آپ
نے دیکھ لیا۔''

(حقیقت الفقہ، حصہ اول، ص305)

سوال: میت کو جلانا کیسا ہے؟

جواب: ہر مسلمان میت کو دفن کرنا ضروری ہے۔ اسے جلانا بے حرمتی اور بے احترامی ہے، خلاف شرع اقدام ہے، نیز یہ کفار کی پیروی ہے، مجوسی اور ہندو اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ اَزل سے انسانوں کو دفنایا جاتا رہا ہے۔ یہ مسلمانوں کا متوارث عمل ہے۔

قبر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسان کی۔ پہلے انسان کو بھی دفنایا گیا۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، تو ایک کوا کے ذریعہ اسے دفن کا طریقہ بتلایا گیا۔ (المائدۃ:۳۱) اگر کسی کا کوئی کا فرشتہ دار فوت ہو جائے، تو اس پر ضروری ہے کہ اسے دفن کرے، جلا نہیں سکتا، تو ایک مسلمان کی میت کو کیسے جلایا جا سکتا ہے؟

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُحْرَقُ أَحَدٌ حَيًّا وَّلَا مَيِّتًا .

''کسی زندہ یا مردہ کو جلایا نہیں جا سکتا۔''

(مَعرِفة السّنن والآثار: 268/12)

سوال: نکاح کی رسومات بدعت ہیں؟

جواب: بدعت اس عمل یا طریقہ کو کہتے ہیں، جو دین میں جاری کیا جائے، جس کی اصل اصول اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) میں نہ پائی جائے۔

نکاح کی رسومات کا تعلق دین یا شریعت سے نہیں، یہ دنیاوی اُمور ہیں، جو اگرچہ لغو

اور فضول ہیں، بعض حرام اور ناجائز ہیں، مگر انہیں بدعی اُمور نہیں کہیں گے۔ کیونکہ بدعت اس کام کو کہتے ہیں، جو دین میں جاری کیا جائے۔

نکاح کو آسان بنانا چاہیے۔ نکاح کی رسومات نے نکاح کو بوجھل اور مشکل کر دیا ہے، انہی تکلفات کی وجہ سے بہت سی شادیاں تاخیر کا شکار ہیں۔ دراصل یہ رسومات علاقائی ہوتی ہیں، جو مسلمان ہندوؤں اور کافروں کے ساتھ اکٹھے رہے ہیں، اُن میں یہ رسومات دَر آئی ہیں اور اب یہ رسومات کچھ کمی بیشی کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہوتی آ رہی ہیں۔

ان رسومات کی حوصلہ شکنی چاہیے۔ ان میں بہت سے محرمات کا ارتکاب بھی ہوتا ہے۔

❀ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ الْبِدْعَةَ مَا لَا يَكُونُ أَصْلُهُ فِي الْأُصُولِ الْأَرْبَعَةِ وَيَزْعُمُ النَّاظِرُ فِيهِ أَنَّهُ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ، فَعُلِمَ أَنَّ رُسُومَ النِّكَاحِ لَيْسَتْ بِبِدْعَةٍ، وَإِنْ كَانَتْ لَغْوًا فَإِنَّ النَّاظِرَ لَا يَزْعُمُهَا مِنْ أُمُورِ الشَّرِيعَةِ، بِخِلَافِ رُسُومِ الْمَأْتَمِ فَإِنَّ النَّاظِرَ يَزْعُمُهَا مِنْ أُمُورِ الشَّرْعِ .

”خوب جان لیجئے کہ بدعت اس عمل کو کہتے ہیں، جن کی اصل اصول اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) میں نہ ہو اور دیکھنے والا اسے اُمور دینیہ میں شمار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شادی و بیاہ کی رسومات اگرچہ لغو اور فضولیات ہیں، مگر یہ بدعت نہیں ہیں، کیونکہ دیکھنے والا انہیں اُمور شرعیہ میں سے خیال نہیں کرتا، اس کے برعکس فوتگی کی رسومات بدعت ہیں، کیونکہ دیکھنے والا انہیں اُمور شرعیہ ہی سمجھتا ہے۔“

(العَرف الشّذي، ص 102)

(سوال): کیا امام ترمذی رحمہ اللہ شافعی تھے؟

(جواب): امام ترمذی رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے، جامع ترمذی کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے والا آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا اعتراف کر لے گا۔ لہٰذا امام ترمذی رحمہ اللہ کو امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد قرار دینا ظلم ہے، جس کی کوئی گنجائش نہیں۔

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں:

يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَيْسَ بِشَافِعِيٍّ .

”یہ دلیل ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ شافعی المذہب نہ تھے۔“

(الثّواب الحلي، ص 41)

ثقہ محدثین کرام ہمارے نزدیک اولیاء الرحمٰن ہیں، اولیاء اللہ کے دشمنوں کے خلاف اللہ رب العزت نے اعلانِ جنگ کر رکھا ہے، ایسے لوگ روزِ محشر ذلت ورسوائی سے نہیں بچ سکیں گے۔

تقلید ایک جہالت ہے، اس کی نسبت محدثین کی طرف کرنا محدثین سے دشمنی اور ان کی توہین ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ سمیت سبھی محدثین کسی خاص امام کے مقلد نہیں تھے کہ ان کی ہر ہر رائے پر قائم ہوں۔

❀ ابو طاہر برکہ بن حسان بن عیسیٰ حوزی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

نَاظَرْتُ أَبَا الْحَسَنِ الْمَغَازِلِيَّ فِي التَّفْضِيلِ بَيْنَ مَالِكٍ وَّالشَّافِعِيِّ فَفَضَّلْتُ الشَّافِعِيَّ لِأَنِّي أَنْتَحِلُ مَذْهَبَهٗ وَفَضَّلَ مَالِكًا لِأَنَّهٗ كَانَ يَنْتَحِلُ مَذْهَبَهٗ فَاحْتَكَمْنَا إِلٰى أَبِي مُسْلِمٍ اللَّيْثِيِّ الْبُخَارِيِّ فَفَضَّلَ الشَّافِعِيَّ فَغَضِبَ أَبُو الْحَسَنِ وَقَالَ لَعَلَّكَ عَلٰى

مَذْهَبِهٖ فَقَالَ : نَحْنُ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ، النَّاسُ عَلٰى مَذَاهِبِنَا، وَلَسْنَا عَلٰى مَذْهَبِ أَحَدٍ، وَلَوْ كُنَّا نَنْتَسِبُ إِلٰى مَذْهَبِ أَحَدٍ لَقِيلَ : أَنْتُمْ تَضَعُونَ لَهُ الْحَدِيثَ .

میرا ابوالحسن علی بن محمد بن محمد مغازلی رحمہ اللہ (۴۸۳ھ) سے مباحثہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی زیادہ فضیلت ہے یا امام شافعی رحمہ اللہ کی، میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو افضل کہا، کیونکہ میں شافعی المذہب تھا، جبکہ ابوالحسن رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کی فضیلت ثابت کی، کیونکہ وہ مالکی مذہب پر تھے۔ پھر ہم فیصلہ کرانے کے لیے امام ابومسلم عمر بن علی لیثی بخاری رحمہ اللہ (۴۶۶ھ) کے پاس گئے، تو آپ رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو نسبتاً افضل قرار دیا، تو ابو الحسن رحمہ اللہ غصہ ہو گئے اور کہا: شاید آپ بھی شافعی المذہب ہیں، تو امام ابومسلم لیثی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم محدثین کی جماعت ہیں، لوگ ہمارے مذاہب کو اختیار کرتے ہیں، ہم کسی ایک کے مذہب کی پیروی نہیں کرتے، اگر ہم کسی ایک کے مذہب کی طرف منسوب ہو جاتے، تو (ہمارے بارے میں) کہا جاتا: تم نے اپنے مذہب کے تائید میں حدیثیں وضع کر لی ہیں۔“

(سؤالات الحافظ السِّلَفي، ص 118، تاريخ الإسلام للذّهبي : 237/10، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الطَّبَقَةُ هِيَ الطِّرَازُ الْأَوَّلُ مِنْ طَبَقَاتِ الْمُحَدِّثِينَ، فَرَجَعَ الْمُحَقِّقُونَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِحْكَامِ فَنِّ الرِّوَايَةِ وَمَعْرِفَةِ مَرَاتِبِ الْأَحَادِيثِ إِلَى الْفِقْهِ، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ مِنَ الرَّأْيِ أَنْ يَجْمَعَ

عَلٰى تَقْلِيدِ رَجُلٍ مِمَّنْ مَضٰى مَعَ مَا يَرَوْنَ مِنَ الْأَحَادِيثِ وَالْآثَارِ الْمُنَاقِضَةِ فِي كُلِّ مَذْهَبٍ مِنْ تِلْكَ الْمَذَاهِبِ، فَأَخَذُوا يَتَتَبَّعُونَ أَحَادِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآثَارَ الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ وَالْمُجْتَهِدِينَ عَلٰى قَوَاعِدَ أَحْكَمُوهَا فِي نُفُوسِهِمْ، وَأَنَا أُبَيِّنُهَا لَكَ فِي كَلِمَاتٍ يَسِيرَةٍ ؛ كَانَ عِنْدَهُمْ أَنَّهُ إِذَا وُجِدَ فِي الْمَسْأَلَةِ قُرْآنٌ نَاطِقٌ، فَلَا يَجُوزُ التَّحَوُّلُ مِنْهُ إِلٰى غَيْرِهٖ، وَإِذا كَانَ الْقُرْآنُ مُحْتَمِلًا لِوُجُوهٍ فَالسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلَيْهِ، فَإِذا لَمْ يَجِدُوا فِي كِتَابَ اللّٰهِ أَخَذُوا سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوَآءً كَانَ مُسْتَفِيضًا دَائِرًا بَيْنَ الْفُقَهَاءِ، أَوْ يَكُونُ مُخْتَصًّا بِأَهْلِ بَلَدٍ أَوْ أَهْلِ بَيْتٍ أَوْ بِطَرِيقٍ خَاصَّةٍ، وَسَوَاءً عَمِلَ بِهِ الصَّحَابَةُ وَالْفُقَهَاءُ، أَوْ لَمْ يَعْمَلُوا بِهٖ، وَمَتٰى كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ حَدِيثٌ فَلَا يُتَّبَعُ فِيهِ خِلَافُ أَثَرٍ مِنَ الْآثَارِ، وَلَا اجْتِهَادُ أَحَدٍ مِنَ الْمُجْتَهِدِينَ، وَإِذا فَرَغُوا جُهْدَهُمْ فِي تَتَبُّعِ الْأَحَادِيثِ، وَلَمْ يَجِدُوا فِي الْمَسْأَلَةِ حَدِيثًا أَخَذُوا بِأَقْوَالِ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَلَا يَتَقَيَّدُونَ بِقَوْمٍ دُونَ قَوْمٍ، وَلَا بَلَدٍ دُونَ بَلَدٍ، كَمَا كَانَ يَفْعَلُ مَنْ قَبْلَهُمْ، فَإِنِ اتَّفَقَ جُمْهُورُ الْخُلَفَآءِ وَالْفُقَهَاءِ عَلٰى شَيْءٍ فَهُوَ الْمُقْنِعُ، وَإِنِ اخْتَلَفُوا أَخَذُوا

بِحَدِيثِ أَعْلَمِهِمْ عِلْمًا وَّأَوْرَعِهِمْ وَرَعًا أَوْ أَكْثَرِهِمْ ضَبْطًا أَوْ مَا اشْتُهِرَ عَنْهُمْ، فَإِنْ وَجَدُوا شَيْئًا يَسْتَوِي فِيهِ قَوْلَانِ فَهِيَ مَسْأَلَةٌ ذَاتُ قَوْلَيْنِ، فَإِنْ عَجَزُوا عَنْ ذٰلِكَ أَيْضًا تَأَمَّلُوا فِي عُمُومَاتِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِيمَائَآتِهِمَا وَاقْتِضَائَاتِهِمَا، وَحَمَلُوا نَظِيرَ الْمَسْأَلَةِ عَلَيْهَا فِي الْجَوَابِ إِذَا كَانَتَا مُتَقَارِبَتَيْنِ بَادِيَ الرَّأْيِ لَا يَعْتَمِدُونَ فِي ذٰلِكَ عَلٰى قَوَاعِدٍ مِنَ الْأُصُولِ، وَلٰكِنْ عَلٰى مَا يَخْلُصُ إِلَى الْفَهْمِ، وَيَثْلِجُ بِهِ الصَّدْرُ.

”طبقات محدثین میں سے یہ طبقہ وہ پہلا نمونہ ہیں، کہ جب محققین محدثین نے فن روایت اور احادیث کے مراتب پر حکم لگانے کی ذمہ داری ادا کر لی، تو انہوں نے اپنی توجہ فقہ پر مرکوز کر لی، اس لیے وہ پہلوں میں سے کسی خاص امام کی تقلید پر جمع نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے مدنظر ہر فقہی مسئلہ میں ایسی احادیث اور آثار تھے، جو ظاہری طور پر باہم متناقض تھے، چنانچہ انہوں نے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ، تابعین اور مجتہدین کے آثار تتبع کرنا شروع کر دیا اور اس کے لیے خاص قواعد مرتب کیے، جو خود انہوں نے (کتاب وسنت کے روشنی میں) وضع کیے، جنہیں میں چند الفاظ میں ذکر کر دیتا ہوں۔ جماعت محدثین کا یہ اصول تھا کہ جب کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی واضح نص آ جائے، تو اس سے انحراف کرنے جائز نہیں، جب قرآن کریم کی نص میں کئی معانی کا احتمال ہو، تو اس بارے میں حدیث فاصلہ کرتی ہے، جب

محدثین کو کسی مسئلہ کا واضح حل قرآن کریم میں نہ ملے، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، خواہ وہ حدیث فقہا کے مابین مستفیض (مشہور) ہو یا کسی شہر کے ساتھ خاص ہو یا اہل بیت کے ساتھ خاص ہو یا کسی خاص سند سے منقول ہو، خواہ اس پر صحابہ اور فقہا نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو، جب کسی مسئلہ میں واضح حدیث بھی موجود نہ ہو، تو اس بارے میں سلف کے کسی اثر یا کسی مجتہد کے اجتہاد کے خلاف عمل نہیں کیا جاتا۔ جب محدثین اپنی پوری جہد وجہد اور کوشش کے ساتھ احادیث کا تتبع کرتے ہیں اور انہیں اس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں ملتی، تو وہ جماعت صحابہ اور تابعین کے اقوال سے دلیل پکڑتے ہیں، اس حوالہ سے کسی قوم یا علاقے کو خاص نہیں کرتے، جیسا کہ جماعت محدثین سے پہلوں نے کیا ہے۔ (محدثین کے منہج کے مطابق) اگر کسی مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہا متفق ہو جائیں، تو اسی پر کفایت کی جاتی ہے، البتہ اگر ان صحابہ اور فقہا میں اختلاف ہو جائے، تو اس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جو ان میں سب سے زیادہ علم والا اور ورع وتقویٰ والا ہے یا زیادہ قوی ضبط والا ہے یا جو حدیث ان (صحابہ وفقہا) سے زیادہ مشہور ہے۔ جب کوئی ایسی صورت بن جائے کہ کسی مسئلہ میں دونوں قول برابر ہوں، تو اس مسئلہ میں دونوں اقوال جائز قرار پاتے ہیں۔ اگر محدثین (کسی مسئلہ میں) ان سب اُمور سے عاجز آ جائیں، تو وہ کتاب وسنت کے عمومی دلائل اور نصوص کے اشاروں وکنایوں اور اقتضاءات میں غور وخوض کرتے ہیں اور (قیاس کرتے ہوئے) دونوں قریب قریب مسئلوں کو اس جیسے مسئلہ (کے حکم) پر محمول کر لیتے

تھے،اس سلسلہ میں وہ خاص قواعد کی پابندی نہیں کرتے تھے، بلکہ جو بھی فہم کے قریب ہوتا تھا اور جس پر دل مطمئن ہوتا تھا، اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔''

(حُجّة اللّٰه البالِغة: 1/255-256)

سوال: احناف عقیدہ میں کس کے پیروکار ہیں؟

جواب: علمائے احناف عقائد میں اشعری اور ماتریدی ہیں۔ ائمہ اہل سنت والجماعت کے عقائد پر نہیں۔

❀ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

...... عَمَّا نَعْتَقِدُ مِنْ غَيْرِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ اعْتِقَادُهٗ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمُ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَاتُرِيدِيَّةِ .

''فروعی مسائل کے علاوہ اعتقادی مسائل، کہ جنہیں اختیار کرنا ہر مکلّف پر بغیر کسی کی تقلید کیے واجب ہے، کو مانتے ہیں، ان سے مراد وہ عقائد ہیں، جن پر اہل سنت والجماعت یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ کاربند ہیں۔''

(فتاویٰ شامی: 1/48)

معلوم ہوا کہ علمائے احناف عقائد میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے پیرو ہیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ عقائد کئی ابواب میں اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ یہ روافض کے مقابلہ میں سنی ہیں، جبکہ اہل سنت کے مقابلہ میں بدعتی ہیں۔ اس کے باوجود اپنے تئیں اہل سنت والجماعت کہتے نہیں تھکتے۔

❀ علامہ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب (۱۳۴۶ھ) کہتے ہیں:

”ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت اُصول واعتقادات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اورامام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے۔“

(المہند علی المفند، ص29)

اس کتاب میں دیوبند کے ان عقائد و مسائل کا ذکر ہے، جن پر علمائے دیوبند کا اتفاق واجماع ہے۔

❁ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَاتُرِيدِيَّةُ هُمُ الْمَنْسُوبُونَ إِلٰى أَبِي مَنْصُورٍ الْمَاتُرِيدِيِّ، وَتَوَابِعُهُ الْأَحْنَافُ.

”ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کی طرف منسوب جماعت کو ماتریدیہ کہتے ہیں، ان کے متبعین میں احناف ہیں۔“

(العرف الشّذي، ص 102)

❁ نیز فرماتے ہیں:

تَبِعَهٗ أَكْثَرُ الْحَنَفِيَّةِ.

”اکثر احناف ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کے پیرو ہیں۔“

(فيض الباري: 419/2)

اشاعرہ اور ماتریدیہ اللہ تعالیٰ کی سات صفات کو مانتے ہیں اور باقی تمام صفات کی تاویل وتحریف کرتے ہیں۔لہٰذا صفات باری تعالیٰ کے باب میں یہ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے منحرف ہیں۔احناف متکلمین ہیں، متکلمین محدثین کے مدمقابل گروہ کا نام ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّكَ بَعَثْتَ هٰذِهِ السَّرِيَّةَ وَإِنَّ زَوْجِي خَرَجَ فِيهَا، وَقَدْ كُنْتُ أَصُومُ بِصِيَامِهِ، وَأُصَلِّي بِصَلَاتِهِ، وَأَتَعَبَّدُ بِعِبَادَتِهِ، فَدُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ أَبْلُغُ بِهِ عَمَلَهُ، قَالَ : تُصَلِّينَ فَلَا تَقْعُدِينَ، وَتَصُومِينَ فَلَا تُفْطِرِينَ، وَتَذْكُرِينَ فَلَا تَفْتُرِينَ قَالَتْ : وَأُطِيقُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : وَلَوْ طِقْتِ ذٰلِكَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا بَلَغْتِ الْعَشِيرَ مِنْ عَمَلِهِ .

''رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر (جہاد) کے لیے بھیجا، تو ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ لشکر روانہ کیا ہے، اس میں میرے شوہر بھی گئے ہیں، جبکہ میں اپنے خاوند کی طرح روزہ رکھتی ہوں اور ان کی طرف نماز پڑھتی ہوں اور ان کی عبادت کی سی عبادت کرتی ہوں، آپ مجھے کوئی ایسی عمل بتا دیجئے کہ میں ان کے عمل (جہاد) کے برابر ہوں جاؤں۔ فرمایا: کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مسلسل (نفل) نماز پڑھتی رہیں، کبھی (تھک کر) نہ بیٹھیں اور مسلسل روزے رکھتی رہیں، روزہ کبھی نہ چھوڑیں اور بغیر وقفہ کیے ذکر الٰہی میں مشغول رہیں۔ خاتون نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بھلا میں اس کی طاقت رکھ سکتی ہوں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھ لیں، تب

بھی آپ اس (مجاہد) کے عمل کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچ سکیں گی۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 195/20، المُستدرك للحاكم : 73/2)

(جواب): اس کی سند حسن ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

(سوال): بعض نے لکھا ہے:

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اُم کلثوم کو میرے پاس بھیجو، تاکہ میں اسے دیکھ لوں، اس بات کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تیار نہ تھے، مگر بہت زیادہ اصرار کے بعد انہوں نے اُم کلثوم کو کچھ سامان دے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُم کلثوم کے ساتھ زیادتی تھی۔ اُم کلثوم نے کہا کہ اگر آپ خلیفہ نہ ہوتے تو میں آپ کی آنکھیں پھوڑ دیتی اور آپ کی ناک توڑ دیتی۔ اُم کلثوم اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی شکایت کی اور کہا: آپ نے مجھے نہایت برے بڈھے کے پاس بھیجا تھا۔''

اس روایت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

(جواب): بے بنیاد اور جھوٹی کہانی ہے، اس کا بعض حصہ الاستیعاب لابن عبدالبر (۴/ ۱۹۵۵) میں بے سند مذکور ہے۔

(سوال): درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے مروی ہے:

خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ

وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ قَدْ زَوَّجَهَا جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ فَخَلَعَهَا مِنْهُ، فَزَوَّجَهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ ابْنَةُ سِتِّ سِنِينَ، تَرَكَهَا ثَلَاثَ سِنِينَ، ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ.

''نبی کریم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح بھیجا، جبکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی شادی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے کر چکے تھے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جدائی کروائی اور رسول اللہ ﷺ سے شادی کرادی، اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس تھی، آپ ﷺ نے تین سال رخصتی نہ کی، پھر جب سیدہ کی عمر نو برس ہوئی، تو ان سے رخصتی کرلی۔''

(طَبقات ابن سعد : 59/8، المُعجَم الكبير للطّبراني : 26/23، واللّفظ لهٗ)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں، وہ اس واقعہ کے شاہد نہیں، لہٰذا روایت مرسل ہے۔ مرسل روایت حجت نہیں ہوتی۔

سوال: کیا رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی تمام ازواج مطہرات کو طلاق دی؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ازواج کے ساتھ ایلاء کیا، انہیں کبھی طلاق نہیں دی۔

ایلاء کا معنی یہ ہے کہ شوہر قسم اٹھائے کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں آ ؤں گا، اسے ایلاء کہتے ہیں۔ ایلاء زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک کے لیے کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد بیوی کے قریب جانا یا اس کو طلاق دینا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک ایلاء فرمایا تھا اور گھر کے بالائی خانہ میں چلے گئے

تھے۔ ایلاء طلاق نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهٖ، فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا، فَقَالَ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: طَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: لَا أَدْرِي، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ: لَا فَقُلْتُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ.

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی قبیلہ بنو امیہ بن زید میں رہتے تھے، جو عوالی مدینہ میں ہیں۔ ہم نے باری مقرر کی تھی کہ ایک دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جایا کروں گا اور ایک دن وہ۔ ہم ایسا ہی کرتے، جب میں جاتا تو اس دن کی جو بھی نئی وحی یا خبر وغیرہ ہوتی آکر اسے بھی بتاتا، میرا پڑوسی بھی اسی طرح کرتا۔ ایک بار میرے پڑوسی کی باری تھی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، پھر (واپس آکر) اس نے زور سے میرے گھر کے

دروازے پر دستک دی اور کہنے لگا: یہ عمر ادھر ہی ہیں؟ میں گھبرا کر باہر نکلا، تو میرا پڑوسی کہنے لگا: ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوا ہے، پھر میں حفصہ کے پاس گیا، وہ رو رہی تھی، میں نے کہا: کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دی ہے؟ کہنے لگی: مجھے نہیں معلوم۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دی ہے؟ رسول ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: اللہ اکبر!......"

(صحيح البخاري: 89، صحيح مسلم: 1479)

سوال: حاجی سر کا کتنا حصہ منڈوائے گا؟

جواب: حاجی کے لیے سارے سر کا حلق کرانا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف اُمت میں سے کوئی بھی نصف یا چوتھائی سر منڈوانے کا قائل وفاعل نہیں۔ جبکہ صاحب ہدایہ کے نزدیک چوتھائی سر منڈوالیا جائے، تو کافی ہے۔

❀ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی (۵۹۳ھ) نے لکھا ہے:

يَكْتَفِي فِي الْحَلْقِ بِرُبْعِ الرَّأْسِ اعْتِبَارًا بِالْمَسْحِ وَحَلْقُ الْكُلِّ أَوْلٰى اقْتِدَاءً بِرَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

"(حج یا عمرہ کے موقع پر) چوتھائی سر کو منڈوانا کافی ہے، (وضو میں چوتھائی سر پر) مسح کا اعتبار کرتے ہوئے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے مکمل سر کو منڈوانا بہتر ہے۔"

(الهداية: 145/1)

❀ علامہ انور شاہ کاشمیری دیوبندی صاحب (۱۳۵۳ھ) بھی فرماتے ہیں:

يَكْفِي لَهُ حَلْقُ الرُّبُعِ .

''حاجی کے لیے چوتھائی سر کو حلق کرانا کافی ہے۔''

(فيض الباري : 3/120)

حج اور عمرہ میں حلق کرانے کو وضو میں مسح کرنے پر قیاس کرنا باطل ہے، پھر وضو میں بھی سر کے ایک چوتھائی حصہ پر مسح کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر بالفرض وضو میں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح ثابت بھی ہو، تب بھی اس پر حلق کو قیاس نہیں کر سکتے۔ خاص طور پر جب حلق کے بارے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واضح عمل موجود ہو۔

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْاِكْتِفَاءَ بِمَسْحِ الرُّبُعِ مِنَ الرَّأْسِ فِيهِ لَيْسَ بِقَوِيٍّ، فَقِيَاسُ حَلْقِ الرُّبُعِ عَلَيْهِ لَا يَصِحُّ مَعَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ هُوَ الرُّبُعُ فَقِيَاسُ الْحَلْقِ عَلَيْهِ لَا يَقْوٰى إِذْ لَا جَامِعَ بَيْنَهُمَا .

''وضو میں سر کے چوتھائی حصہ کے مسح پر اکتفاء کرنا قوی نہیں، لہٰذا (حج یا عمرہ میں) سر کے بال منڈوانے کو سر کے مسح پر قیاس کرنا درست نہیں۔ باوجود اس کے کہ اگر سر کے مسح میں چوتھائی حصہ کی مقدار ثابت بھی ہوتی، تب بھی حلق کو اس پر قیاس کرنا قوی نہ تھا، کیونکہ ان دونوں میں کوئی مشترک علت نہیں ہے۔''

(التّنبيه على مُشكلات الهداية : 3/1046)

❀ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ هٰذَا مِنْهُمْ بِطَرِيقِ الْقِيَاسِ كَمَا تُفِيدُهُ عِبَارَةُ الْمُصَنِّفِ، لِأَنَّهُ يَكُونُ قِيَاسًا بِلَا جَامِعٍ يَظْهَرُ أَثَرُهُ .

”فقہائے احناف کے نزدیک چوتھائی سر کے حلق کا مؤقف قیاس کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا، جیسا کہ مصنف (صاحب ہدایہ) کی عبادت سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایسا قیاس ہے، جس میں کوئی مشترک علت نہیں، جس کا اثر ظاہر ہو۔“

(فتح القدير : 490/2)

حج وعمرہ میں سر کے بال منڈوانے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔اس کی مشروعیت واستحباب کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾(الفتح : ٢٧)

”اپنے سر کے بال منڈوانے والے اور کٹوانے والے۔“

حج وعمرہ میں سر کے بال منڈوانا افضل اور کٹوانا جائز ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ، قَالُوا : وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا : وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : وَالْمُقَصِّرِينَ .

”اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! سر کے بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمایئے۔فرمایا: اللہ! سر کے بال منڈوانے والوں پر رحم فرما۔صحابہ کرام نے پھر عرض کیا: اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں پر بھی!۔فرمایا: بال کٹوانے والوں پر بھی۔“

(صحيح البخاري : 1727، صحيح مسلم :3101)

قزع کی ممانعت:

احناف کے مطابق اگر چوتھائی حصہ کو منڈوالیا جائے اور باقی کو چھوڑ دیا جائے، تو سر کے بالوں کی یہ ہیئت شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ اسے قزع کہتے ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ .

''میں نے نبی کریم ﷺ کو ''قزع'' سے منع فرماتے ہوئے سنا۔''

(صحيح البخاري : 5920، صحيح مسلم : 2120)

''قزع'' کا معنی یہ ہے کہ سر کے بعض حصے کے بال مونڈھ دینا اور بعض کو چھوڑ دینا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ شَعْرِهٖ وَتُرِكَ بَعْضُهٗ، فَنَهَاهُمْ عَنْ ذَالِكَ، وَقَالَ : احْلِقُوهُ كُلَّهٗ، أَوِ اتْرُكُوهُ كُلَّهٗ .

''نبی کریم ﷺ کی نظر ایک بچے پر پڑی، جس کے کچھ بال مونڈھ دیے گئے تھے اور بعض چھوڑ دیے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع کر دیا اور فرمایا: اس کے سر کے سارے کے سارے بال مونڈھیں یا سارے چھوڑ دیں۔''

(سنن أبي داوٗد : 4195، وسندهٗ صحيحٌ، وأصلهٗ في صحيح مسلم : 2120)

سوال: درج ذیل روایت کا کیا حکم ہے؟

❁ علمائے احناف نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے:

اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ

بِهَا مِنَ الْكُفْرِ .

''آلات موسیقی کو سننا گناہ ہے، اس مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس کے ساتھ لذت حاصل کرنا کفر ہے۔''

(المُحيط البُرهاني لابن مازه الحنفي : 369/5، النّهاية للسّغناقي : 56/23، نصاب الاحتساب للسّنامي الحنفي، ص 329، شرح الهداية للأتقاني الحنفي : 411/15)

جواب: اس کی سند پر آگاہی نہیں ہوسکی۔

سوال: سنن راتبہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: سنن راتبہ سے مراد وہ نوافل ہیں، جنہیں نبی کریم ﷺ دوام کے ساتھ ادا کرتے رہے، چھوڑا نہیں۔ جیسے نمازوں کی بارہ رکعات۔ اسی سے امام راتب بھی ہے، جسے مستقل طور پر امام مقرر کیا گیا ہو۔

سوال: سیف بن عمر تمیمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سیف بن عمر تمیمی ضعیف ومتروک ہے۔

✿ علامہ انور شاہ کاشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

هُوَ ضَعِيفٌ بِالِاتِّفَاقِ .

''سیف بن عمر بالاتفاق ضعیف ہے۔''

(فيض الباري : 136/2)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۰۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ حج تمتع اور حج قران میں حج کے ساتھ عمرہ کیا جاتا ہے۔ حج کے یہ دونوں طریقے مستحب ہیں۔

تنبیہ:

❀ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

الْحَجُّ فِي الْأَشْهُرِ وَالْعُمْرَةُ فِي غَيْرِهَا أَكْمَلُ لِحَجِّكُمْ وَعُمْرَتِكُمْ .

”حج کے مہینوں میں حج کرنا اور دیگر مہینوں میں عمرہ کرنا آپ کے حج اور عمرہ کو زیادہ کامل کرنے والا ہے۔“

(العِناية شرح الهِداية للبابرتي الحنفي : 137/3، غاية البيان للأتقاني الحنفي : 378/4، البِناية للعيني الحنفي : 460/4، فتح القدير لابن الهُمام الحنفي : 136/3)

اس کی سند پر آگاہی نہیں ہوسکی۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا بُدَّ فِي النِّكَاحِ مِنْ أَرْبَعَةٍ؛ الْوَلِيِّ وَالزَّوْجِ وَالشَّاهِدَيْنِ .

”نکاح میں چار چیزیں ضروری ہیں؛① ولی ② خاوند ③،④ دو گواہ۔“

(سنن الدّارقطني : 224/3)

جواب: سند باطل ہے۔

① نافع بن میسرہ ابوخصیب مجہول ہے۔

❀ اسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”مجہول“ کہا ہے۔

(سنن الدّارقطني : 224/3)

❀ علامہ قدوری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ لَا يُعْرَفُ .

”نافع مجہول وغیر معروف ہے۔“

(التّجريد : 4265/9)

② خالد بن وضاح کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❀ حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثِ مُنْكَرٌ جِدًّا، وَالْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ مَوْضُوعًا .

”یہ حدیث سخت منکر ہے، بلکہ اس کا من گھڑت ہونا زیادہ بہتر ہے۔“

(تنقيح التّحقيق : 290/4)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْخَبَرُ مُنْكَرٌ جِدًّا .

”یہ روایت سخت منکر ہے۔“

(تنقيح التّحقيق : 169/2)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”ضعیف“ کہا ہے۔

(البدر المنیر : 738/6)

فائدہ:

نکاح میں گواہوں سے متعلق ساری کی ساری روایات ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

سوال: اگر انجانے میں کسی محرم سے نکاح کر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محرم ہے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر انجانے میں کسی محرم سے نکاح کر لیا، تو معلوم ہونے پر دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی، وہ اسے طلاق نہیں دے گا۔ عورت استبرائے رحم کے لیے ایک حیض عدت گزار کر آگے نکاح کر سکتی ہے۔

❁ سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فَجَاءَ تِ امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا أَرْضَعَتْهُمَا قَالَ : فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ فَقُلْتُ : إِنَّهَا كَاذِبَةٌ قَالَ : فَأَعْرَضَ عَنِّي ثُمَّ تَحَوَّلْتُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا كَاذِبَةٌ قَالَ : فَكَيْفَ يُصْنَعُ بِقَوْلِ هٰذِهٖ، دَعْهَا عَنْكَ، قَالَ مَعْمَرٌ : وَسَمِعْتُ أَيُّوبَ يَقُولُ : إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : كَيْفَ بِكَ وَقَدْ قِيلَ؟ .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت سے شادی کی، کالے

رنگ کی ایک عورت آ کر کہنے لگی کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے، میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا اور عرض کی: وہ جھوٹی ہے، آپ ﷺ نے مجھ سے منہ موڑ لیا، میں نے دوسری طرف سے آ کر عرض کی: اللہ کے رسول! وہ جھوٹی ہے، فرمایا: اس (عورت) کی بات کا کیا کیا جائے؟ اسے خود سے جدا کر دیں۔

معمر کہتے ہیں: میں نے ایوب بن موسیٰ سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب یہ بات کہی جا چکی ہے، تو وہ آپ کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے؟''

(صحيح البخاري: 5104، المُنتقٰى لابن الجارود: 1011)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

''عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس سے جدائی کر لی، تو اس خاتون نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی۔''

(صحيح البخاري: 88)

سوال: نبی کریم ﷺ نے مرض وفات پر جب قلم دوات مانگی، تو اس بارے میں صحابہ کے مابین اختلاف کیوں ہوا؟

جواب: جب نبی کریم ﷺ نے قلم دوات مانگی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے کہا کہ قلم دوات دے دینی چاہیے، ایک گروہ اس حق میں تھا کہ دین مکمل ہو چکا ہے، اب آپ ﷺ شدید تکلیف میں ہیں، لہٰذا مزید تکلیف نہ دی جائے، یہ دونوں خیالات اپنے

اپنے اجتہادات اورفہم کی بنیاد پر تھے۔ دونوں میں کوئی بھی غلط نہ تھا۔ جب اجتہاد مختلف ہوئے، تو صحابہ میں ایک طرح کا اختلاف پیدا ہوا، بحث مباحثہ کی وجہ سے شور شرابا ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کو بحث ومباحثہ کرنے سے منع کر دیا، بعد میں ان صحابہ کی تائید میں لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا، جنہوں نے کہا تھا کہ ہمیں کتاب وسنت کے احکام کافی ہیں، دین مکمل ہو چکا ہے، اب رسول کریم ﷺ کو مزید تکلیف میں نہ ڈالا جائے کہ نبی کریم ﷺ پہلے ہی مرض کی شدت میں ہیں۔

❀ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

لَمَّا حُضِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، قَالَ : هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، قَالَ عُمَرُ : إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ القُرْآنُ فَحَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوا، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ : قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : قُومُوا عَنِّي .

”نبی اکرم ﷺ کی وفات کا وقت ہوا تو اس وقت گھر میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت کچھ لوگ موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: قلم کاغذ لائیں، میں تحریر کر دوں، جس کے بعد آپ کبھی اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہوں گے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کا غلبہ ہے اور قرآن موجود ہے، سو ہمیں قرآن و حدیث ہی کافی ہے۔ گھر میں موجود لوگوں نے اختلاف کیا اور بحث مباحثہ ہونے لگا، کچھ کہہ رہے تھے کہ (قلم کاغذ) دیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر فرما دیں، جس کے بعد آپ اختلاف و انتشار کا شکار نہ ہوں گے، کچھ کہہ رہے تھے، رہنے دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف میں ہیں۔ جب اختلاف نے شدت اختیار کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس سے اُٹھ جائیں۔''

(صحيح البخاري : 7366، صحيح مسلم : 1637)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ .

''یہاں سے چلے جائیں، میری موجودگی میں اختلاف مناسب نہیں۔''

(صحيح البخاري : 114)

❁ ایک روایت میں ہے:

دَعُونِي، فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونِي إِلَيْهِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، میں سمجھتا ہوں کہ جو کام (لکھنے) کا آپ مجھے کہہ رہے، اس سے زیادہ بہتر یہ ہے، جس حالت (نہ لکھنے) میں میں ابھی ہوں۔''

(صحيح البخاري : 4431، صحيح مسلم : 1637)

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اس گروہ کی تائید کر دی، جن کے خیال میں لکھنے کی

ضرورت نہیں۔ دونوں میں سے کسی گروہ کی سرزنش نہیں کی۔ سرزنش اس صورت میں کی تھی، جب شور بڑھ گیا کہ کسی نبی کے پاس آوازیں بلند نہیں کرنی چاہئیں۔

❁ علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا نَحْوُ مِمَّا جَرٰى لَهُمْ حَيْثُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ : لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ، فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلُّوا دُونَ بَنِي قُرَيْظَةَ، وَقَالَ آخَرُونَ : لَا نُصَلِّي إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ! قَالَ : فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِّنَ الْفَرِيقَيْنِ، وَسَبَبُ ذٰلِكَ أَنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ إِنَّمَا حَمَلَ عَلَيْهِ الْاِجْتِهَادُ الْمُسَوَّغُ وَالْقَصْدُ الصَّالِحُ، وَكُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ أَوْ أَحَدُهُمَا مُصِيبٌ وَالْآخَرُ غَيْرُ مَأْثُومٍ بَلْ مَأْجُورٌ .

”قلم دوات کے بارے میں صحابہ کا اختلاف اسی طرح کا اختلاف ہے، جو ایک مرتبہ صحابہ کے مابین پیدا ہو گیا، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا: (آپ میں سے) ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر ادا کرے۔ (جاتے جاتے راستے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا) تو کچھ صحابہ کو نماز عصر کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، تو انہوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی نماز ادا کر لی، دوسرے صحابہ نے کہا: ہم عصر کی نماز وہیں جا کر ادا کریں گے، جہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے، خواہ نماز کا وقت فوت بھی ہو جائے۔ راوی

بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی کی بھی سرزنش نہیں کی۔ (قلم دوات والے معاملہ میں اختلاف کی بھی یہی صورت ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف جائز اجتہاد اور اچھے ارادے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یاد رہے کہ ہر اجتہاد کرنے والا درست ہوتا ہے یا دونوں میں سے کوئی ایک درست ہوتا ہے اور دوسرا (خطا پر ہوتا ہے، مگر) گناہ گار نہیں ہوتا، بلکہ اسے بھی (ایک) اجر ملتا ہے۔''

(المُفهم : 559/4)

جس طرح بنو قریظہ میں نماز ادا کرنے کے معاملہ میں صحابہ میں اختلاف ہوا، دونوں کا ارادہ اور نیت درست تھی، نبی کریم ﷺ نے دونوں کو اجتہاد کرنے پر مطعون نہیں کیا، اسی طرح جب نبی کریم ﷺ نے قلم دوات لانے کا حکم دیا، تو صحابہ کے اجتہاد مختلف ہو گئے، جس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے کسی گروہ کی سرزنش نہیں کی، بلکہ بعد میں اس گروہ کی تائید کر دی، جنہوں نے نہ لکھنے کا کہا تھا۔

سوال: ایک عالم دین نے اللہ سے ڈر کر حدیث کی تحقیق کی، ایک عرصہ بعد اس کی تحقیق بدل گئی، کیا پہلی غلط تحقیق کرنے پر وہ گناہ گار ہوگا؟

جواب: ایک صحیح العقیدہ اور راسخ العلم عالم دین، جو کسی حدیث کی تحقیق کرتا ہے، تحقیق میں پوری کوشش کرتا ہے اور اللہ سے ڈر کر تحقیق پیش کرتا ہے، مگر اس سے غلطی ہو جاتی ہے، تو وہ گناہ گار نہ ہوگا، کیونکہ اجتہاد کرنے میں غلطی ہو جائے، تب بھی آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، بلکہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

کسی عالم کے حق پرست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب اس پر غلطی واضح ہو جاتی ہے یا

واضح کر دی جاتی ہے، تو حق اور درستی کی طرف رجوع کر لیتا ہے، اپنی سابقہ تحقیق کا سقم واضح ہونے پر جمتا نہیں ہے، بلکہ سچ اور درست کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہی علمائے ربانیین کی نشانی ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُخْطِئُ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ مَأْثُومٍ بِالْإِجْمَاعِ .

''(اجتہاد میں) غلطی کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا، اس پر اجماع ہے۔''

(فتح الباري : 201/1، النُّكت على صحيح البخاري : 208/2)

سوال: رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، البتہ جو رشتے سسرال کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، رضاعت کی وجہ سے وہ رشتے حرام نہیں ہوتے۔ لہٰذا رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔ اسے مثال سے سمجھیے:

عبداللہ نے زید کی بیوی کا دودھ پیا، اب زید کی بیوی عبداللہ کی رضاعی ماں بن گئی اور زید اس کا رضاعی باپ بن گیا، عبداللہ سے کسی عورت سے شادی کی، پھر عبداللہ فوت ہو گیا یا اس سے طلاق دے دی، اب زید کہ جو عبداللہ کا رضاعی باپ ہے کا عبداللہ کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنا بالکل صحیح ہے۔

سوال: ایک شخص نے بیوی کو طلاق رجعی دی، بیوی اس کے گھر میں ہی رہتی ہے، کیا وہ رجوع کرنے سے پہلے پہلے اس سے مجامعت کر سکتا ہے؟

جواب: طلاق رجعی کی عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ وہ رجوع کر کے اس سے ازدواج قائم کر سکتا ہے، اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا یا رجوع کا ارادہ نہیں

رکھتا، تو عدت کے دوران بھی اس سے مجامعت کرنا حرام ہے، نیز اسے چھونا یا اس سے بغل گیر ہونا یا اسے شہوت کی نظر سے دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ایسا شخص اگر مطلقہ سے جماع کر لے، تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ اسے شرعاً زنا نہیں کہیں گے، اس لیے کہ وہ ابھی بدستور اس کی بیوی ہے، البتہ اس پر تعزیر ہے، کہ اس نے ایک شرعی حکم کی مخالفت کی ہے۔

البتہ اگر شوہر رجوع کا ارادہ ہے، تو جماع کرنے سے یا زبانی کلامی رجوع کا اظہار کرنے سے رجوع ہو جائے گا۔

سوال: کیا طلاق کے بعد رجوع کرنے پر گواہ بنانا ضروری ہے؟

جواب: رجوع پر گواہ بنانا شرط نہیں، گواہ بنانا مستحب ہے، تاکہ کل کلاں نزاع پیدا نہ ہو۔ اس طرح رجوع پر مفتی سے تحریری فتویٰ لینا بھی مستحب ہے، تاکہ سند رہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُشْتَرَطُ الْإِشْهَادُ عَلَى الرَّجْعَةِ عَلَى الْأَظْهَرِ .

''راجح قول کے مطابق رجوع پر گواہ بنانا شرط نہیں ہے۔''

(رَوضة الطّالبين : 8/216)

سوال: ایک شخص نے تیمّم کر کے نماز شروع کی، دوران اسے پانی دستیاب ہونے کی خبر مل گئی، اب وہ کیا کرے؟

جواب: جس نے پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم کر لیا اور نماز شروع کر دی اور دوران نماز ہی پانی دستیاب ہو گیا، تو وہ نماز جاری رکھتے ہوئے مکمل کرے گا۔

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا تَيَمَّمَ فَدَخَلَ فِي الْمَكْتُوبَةِ ثُمَّ رَأَى الْمَاءَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ

يَقْطَعَ الصَّلَاةَ وَكَانَ لَهُ أَنْ يُتِمَّهَا فَإِذَا أَتَمَّهَا تَوَضَّأَ لِصَلَاةٍ غَيْرِهَا .

''اگر کسی شخص نے تیمّم کیا اور فرض نماز میں داخل ہو گیا، پھر اس نے پانی دیکھ لیا، وہ نماز نہ توڑے، بلکہ اسے چاہیے کہ نماز مکمل کرے، البتہ جب نماز مکمل کر لے، تو مزید نماز کے لیے وضو کرے۔''

(الأمّ: 64/1)

سوال: ایک شخص نے بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دیں، عدت گزر گئی، عورت نے آگے نکاح کر لیا، دوسرا خاوند فوت ہو گیا، اس نے عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر لیا، اب شوہر کو کتنی طلاقوں کا حق حاصل ہے؟

جواب: اگر کسی نے ایک یا دو طلاقیں دیں اور عدت گزر گئی، عورت نے آگے نکاح کر لیا، دوسرا خاوند فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی، تو عورت عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اس صورت میں شوہر کو ان سابقہ طلاقوں کا حق حاصل ہے، جو پہلے نکاح کے وقت باقی رہ گئی تھیں۔ یعنی اگر اس نے ایک طلاق دی تھی، تو اب اس کے پاس دو طلاقوں کا حق ہے اور اگر اس نے دو طلاقیں دی ہیں، تو اس کے پاس ایک طلاق کا حق باقی ہے۔ البتہ اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، تو مذکورہ صورت میں شوہر کو تین مکمل طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ٢٣٠)

”اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے، تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں، تا آنکہ وہ عورت اس کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے، تو ان دونوں (عورت اور سابقہ شوہر) کو دوبارہ (نکاح جدید کے ساتھ) میل جول کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، جنہیں کو جاننے والوں کے لیے واضح کر رہا ہے۔“

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَاحِدَةً أَوْ اثْنَتَيْنِ فَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ ثُمَّ أَصَابَهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَنَكَحَتْ الزَّوْجَ الْأَوَّلَ فَهِيَ عِنْدَهُ عَلٰى مَا بَقِيَ مِنَ الطَّلَاقِ يَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي الثَّلَاثَ وَلَا يَهْدِمُ الْوَاحِدَةَ وَلَا الثِّنْتَيْنِ .

”اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو (رجعی) طلاق دے، عدت ختم ہو جائے اور عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے، وہ اس سے تعلق قائم کر لے، پھر اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے، عورت کی (طلاق یا وفات شوہر والی) عدت ختم ہو جائے، پھر وہ پہلے شوہر سے نکاح کر لے، تو وہ اس کے پاس باقی ماندہ (ایک یا دو) طلاقوں پر رہے گی۔ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا (اسے پہلے خاوند سے دی گئیں) تین طلاقوں کو تو ختم کر دیتا ہے، لیکن (پہلے خاوند کی دی گئیں) ایک یا دو طلاقوں کو ختم نہیں کرتا۔“

(الأمّ : 171/7)

سوال: زمزم پیتے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟

جواب: زمزم پیتے وقت کوئی بھی دعا کی جا سکتی ہے۔ اس موقع پر کوئی خاص دعا ثابت نہیں۔

تنبیہ:

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ زمزم پیتے، تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ .

''اللہ! میں تجھ سے نافع علم، وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفایابی کا سوالی ہوں۔''

(سنن الدّارقطني : 2738)

سند سخت ضعیف ہے۔ حفص بن عمر عدنی ضعیف و متروک ہے۔

❁ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(المُستدرك للحاكم : 1739)

سند ضعیف ہے۔

① سفیان بن عیینہ کا عنعنہ ہے۔

② عبد اللہ بن ابی نجیح مدلس ہے۔

❁ اس کی تیسری سند بھی ہے۔

(مصنّف عبد الرزّاق : 9112)

سند ضعیف ہے۔

① عبدالرزاق بن ہمام کا عنعنہ ہے۔

② مبہم راوی ہے۔

سوال: کیا غالی رافضی اہل قبلہ میں شامل ہیں؟

جواب: غالی روافض کہ جو قرآن کریم کو محرف مانتے ہیں، احادیث کا انکار کرتے ہیں، صحابہ کرام کو کافر سمجھتے ہیں، ان پر تبرا کرنا دین سمجھتے ہیں، اہل سنت والجماعت کی تکفیر کرتے ہیں، رجعت کا عقیدہ رکھتے ہیں، ائمہ کو معصوم اور انبیا سے افضل گردانتے ہیں، ایسے روافض کافر و مرتد ہیں، یہ اہل قبلہ میں داخل نہیں۔

❀ علامہ غزنوی حنفی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْغُلَاةَ مِنَ الرَّوَافِضِ وَإِنْ صَلَّوْا إِلَى الْقِبْلَةِ، لَيْسُوا بِدَاخِلِينَ فِي هٰذَا.

''اس میں اشارہ ہے کہ غالی روافض اگرچہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھیں، تب بھی وہ اہل قبلہ میں داخل نہیں۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 215)

سوال: جس شخص کو سلسلۃ البول کی مرض لاحق ہو، کیا وہ موزوں پر مسح کر سکتا ہے؟

جواب: بالکل کر سکتا ہے۔ اس کا حکم بھی دیگر افراد کی طرح ہے۔

سوال: موزیں بڑے ہیں، پاؤں میں صحیح فٹ نہیں ہوتے، کیا ان کھلے موزوں پر بھی مسح ہو سکتا ہے؟

جواب: اگر موزیں پاؤں کو ڈھانپتے ہیں، تو ان پر مسح ہو سکتا ہے، خواہ وہ کھلے ہوں یا پاؤں پر پورے آئیں۔

البتہ اگر اتنے کھلے ہیں کہ پاؤں سے اتر جاتے ہیں اور پاؤں ننگا ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں موزے اترنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے، اب اس کے لیے دوبارہ پاؤں دھونا واجب ہے۔

سوال: موزوں پر تصاویر بنی ہوئی ہیں، مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب: موزوں پر جانداروں کی تصاویر بنانا جائز نہیں، البتہ ایسے موزے پر مسح کرنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

سوال: موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا موزے اتار کر پاؤں دھونا؟

جواب: نبی کریم ﷺ سے پاؤں دھونا اور مسح کرنا دونوں عمل ثابت ہیں، دونوں عمل مسنون ہیں۔ البتہ موزوں پر مسح کرنا افضل ہوگا، کیونکہ:

① موزوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور رخصت کو اپنانا مستحب ہے۔

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِرُخْصَةِ اللّٰهِ الَّذِي رَخَّصَ لَكُمْ .

''اللہ تعالیٰ کی ان رخصتوں کو اختیار کریں، جو اس نے آپ کے لیے دی ہیں۔''

(صحيح مسلم : 1115)

② اس سے سنت کا احیاء ہوتا ہے۔

③ اہل بدعت کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ بہت سے ناہنجار قسم کے لوگ اس سنت کے منکر ہیں۔

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ طَعَنَ فِيهَا طَوَائِفُ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ، فَكَانَ إِحْيَاءُ مَا طَعَنَ

فِيهِ الْمُخَالِفُونَ مِنَ السُّنَنِ أَفْضَلُ مِنْ إِمَاتَتِهِ .

''موزوں پر مسح کرنے پر اہل بدعت کے کئی گروہوں (مثلاً روافض) نے طعن کیا ہے، لہٰذا جن سنتوں پر مخالفین طعن کرتے ہوں، انہیں (قولاً وعملاً) زندہ کرنا افضل عمل ہے۔''

(الأوسط :1/440)

امام ابن منذر رحمہ اللہ نے یہاں ایک سنت موزوں پر مسح کا ذکر کیا، اب چونکہ روافض وغیرہ نے اس سنت پر طعن کیا، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ روافض جیسے اہل بدعت کی مخالفت میں موزوں پر مسح کرنا افضل ہوگا، کیونکہ اس کے پیچھے نظریہ صرف سنت پر عمل کرنے کا نہیں، بلکہ سنت کو زندہ رکھنے کا ہے، جو اس کے اجر کو بڑھا دیتا ہے۔ یہی معاملہ تمام چھوٹی بڑی سنتوں پر عمل کرنے اور ان کا دفاع کرنے کا ہے۔

سوال: جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے، وہ گمراہ رافضی ہے۔ اُمت کے اجماع کا مخالف ہے۔ جبکہ امت کا اجماع بالاتفاق خطا سے معصوم ہے۔

❀ علامہ علی بن عثمان اوشی حنفی رحمہ اللہ (۵۷۵ھ) فرماتے ہیں:

وَلِلصِّدِّيقِ رُجْحَانٌ جَلِيٌّ

عَلَى الْأَصْحَابِ مِنْ غَيْرِ احْتِمَالٍ

''سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر واضح فوقیت حاصل ہے، اس میں کوئی دوسری رائے نہیں۔''

(بَدء الأمالي، ص 293)

❁ علامہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی حنفی رحمہ اللہ (۶۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ فَضَّلَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَلٰى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ، ثُمَّ بَعْدَهٗ أَفْضَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْجَحُهُمْ عَلٰى جَمِيعِ الصَّحَابَةِ وَالْآلِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَبَعْدَهٗ خَلِيفَتُهٗ حَقًّا، وَقَدْ ثَبَتَتْ خِلَافَتُهٗ أَوَّلًا تَقْدِيمًا لَهٗ، وَتَفْضِيلًا عَلَى الْأُمَّةِ، وَفَضْلُهٗ قَدْ صَحَّ بِالْكِتَابِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾(التّوبة: ٤٠) وَمَنْ قَالَ: إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ كَانَ مُعْتَزِلِيًّا وَرَافِضِيًّا، وَالرَّافِضَةُ يَلْعَنُونَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَيَتَبَرَّؤُونَ مِنْ جَمِيعِ الصَّحَابَةِ إِلَّا مِنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَضَلُّوا بِذٰلِكَ وَكَانُوا أَخْبَثَ النَّاسِ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَأَبْعَدَ مِنَ اللّٰهِ، وَلَا نَصِيبَ لَهٗ فِي الرَّحْمَةِ.

”خوب جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت کے سب سے افضل اور تمام صحابہ اور اہل بیت سے مقدم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پہلی بنیاد ہی یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سب پر مقدم ہیں اور پوری اُمت پر فضیلت رکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت قرآن کریم سے ثابت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

:﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾(التّوبة : ٤٠) ''دو میں سے دوسرے، جب وہ دونوں غار میں تھے، تو وہ (نبی ﷺ) اپنے ساتھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کیجئے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جس نے یہ کہا کہ (نبیوں کے علاوہ) کوئی شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہے، تو وہ معتزلی اور رافضی ہے۔ روافض سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ سے اعلان برأت کرتے ہیں، اس وجہ سے روافض گمراہ ہو گئے، وہ اللہ کی مخلوق میں خبیث ترین لوگ ہیں اور اللہ سے کوسوں دور ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔''

(شرح بَدء الأمالي، ص 293)

❁ علامہ ہبۃ اللہ بن احمد بن معلّٰی بن محمود طرازی ترکستانی حنفی رحمہ اللہ (۷۳۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ أَجْمَعُوا عَلٰى إِمَامَتِهِ وَبَايَعُوهُ، فَإِجْمَاعُهُمْ كَآيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ عَلٰى إِمَامَتِهِ، وَفِيهِمْ أَصْحَابُ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ، فَلَا يُتَصَوَّرُ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰى خِلَافَتِهِ وَتَقْدِيمِهِمْ إِيَّاهُ عَلٰى غَيْرِهِ إِلَّا لِكَوْنِهِ أَفْضَلَهُمْ.

”بلا شبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت پر اجماع کرلیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع، کتاب اللہ کی آیت کی طرح (معصوم دلیل) ہے۔ مہاجرین اور انصار صحابہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا، جن میں بیعت رضوان والے صحابہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اولیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع کرنے کا تصور اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔“

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 511)

❀ علامہ محمود بن احمد بن مسعود قونوی حنفی رحمہ اللہ (۷۷۱ھ) فرماتے ہیں:

نَقُولُ : أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِمَامًا حَقًّا وَخَلِيفَةً مُحِقًّا، لِأَنَّهٗ مُسْتَجْمِعٌ شَرَائِطَ صِحَّةِ الْخِلَافَةِ مِنَ الْعِلْمِ وَالدِّيَانَةِ، وَالصَّلَابَةِ وَالْعِلْمِ بِتَدَابِيرِ الْحُرُوفِ، وَمَعْرِفَةِ سِيَاسَةِ الْعَامَّةِ، وَتَسْوِيَةِ أُمُورِ الرَّعِيَّةِ، وَكَوْنِهٖ قُرَشِيًّا، وَلِهٰذَا اخْتَارَتْهُ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَإِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نَصَّ عَلٰى خِلَافَةِ أَحَدٍ بَعْدَهٗ، إِذْ لَوْ نَصَّ لَاشْتَهَرَ، وَلَمَّا لَمْ يُوْجَدْ فِي ذٰلِكَ نَصٌّ هٰذَا سَبِيلُهٗ، دَلَّ عَلٰى أَنَّهٗ لَا نَصَّ فِيهِ، لٰكِنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمُ اجْتَمَعَتْ عَلٰى خِلَافَةِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

’’ہم کہتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برحق امام اور خلیفہ تھے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں، جو خلافت کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہیں، مثلاً؛ علم، دیانت داری، دینی مضبوطی، اُمور حکومت چلانے کی مہارت، عوام اور رعایا کی معاملات کی درستی کی معرفت اور خلیفہ کا قریشی ہونا وغیرہ۔
اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے منتخب کیا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا، کیونکہ اگر خلافت پر نص ہوتی، تو وہ نص مشہور ہو چکی ہوتی، اب چونکہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی واضح نص نہیں تھی، تو اب خلیفہ منتخب کرنے کا یہی راستہ ہے (کہ مسلمانوں کی مشاورت سے کسی کو خلیفہ چن لیا جائے)۔ یہ دلیل ہے کہ خلافت کے بارے میں نص جلی نہیں تھی، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کر لیا۔‘‘

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 357)

❁ علامہ ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد ہندی غزنوی حنفی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِمَامُ الْحَقُّ بَعْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، وَخَالَفَ الشِّيعَةُ جُمْهُورَ الْمُسْلِمِينَ وَزَعَمُوا أَنَّ الْإِمَامَ الْحَقَّ بَعْدَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ نے مسئلہ خلافت جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد خلیفہ برحق سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 357)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ جَمَاعَةٍ : اَلْحَقُّ أَنَّ أَفْضَلَ الصَّحَابَةِ هُوَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ الْخَلِيفَةُ بَعْدَهُ بِالْحَقِّ .

''علامہ ابن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق بات یہ ہے کہ صحابہ میں افضل ترین شخصیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سچے خلیفہ ہیں۔''

(ضَوْء المَعالي، ص 260)

❁ علامہ عبدالغنی بن طالب غنیمی میدانی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۹۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ثَبَتَ خِلَافَتُهُ بِالْإِجْمَاعِ بَعْدَ تَوَقُّفٍ ...... فَصَارَتْ خِلَافَتُهُ مُجْمَعًا عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ مُدَافِعٍ .

''سوچ بچار کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع کے ساتھ ثابت ہو گئی۔...... یوں بغیر کسی مخالفت کے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 357)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۰۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا تقلید شخصی واجب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیا کو مبعوث فرمایا، انہیں وحی کا پابند بنایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب وسنت کی نصوص اور ان کے معانی ومفاہیم کو حاصل کیا اور اگلی نسل تک منتقل کیا۔ یہ نصوص اپنے معانی ومفاہیم کے ساتھ ائمہ ومحدثین نے سندوں کے ساتھ نقل کیں اور انہیں اپنی کتابوں میں محفوظ کیا۔ یہ لوگ اہل حق کہلائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث بنے۔

ان کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے خواہشات نفس کی پیروی شروع کر دی، اپنی عقل کی کمی پر دلیل قائم کر دی۔ تقلید جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ تقلید نے کئی برائیوں کو جنم دیا، تقلید کی وجہ سے شریعت کے احکام ومسائل کو الجھا دیا گیا۔

تقلید دو طرح کی ہوتی ہے؛ تقلید ممدوح اور تقلید مذموم۔

تقلید لغوی ممدوح ہے، علما جو عامی کے لئے تقلید جائز قرار دیتے ہیں، وہ یہی ہے۔ اور اصطلاحی تقلید مذموم ہے۔ یہ کسی کے لئے جائز نہیں، عقائد ہوں یا فروع ہر دو میں تقلید ممنوع اور ناجائز ہے۔ ائمہ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عقائد میں تقلید نہیں، فروع میں تقلید ہے، یہ محض دعویٰ ہے، حقیقت اس کے برخلاف ہے۔

❀ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ إِذَا عَرَفَ الْحَقَّ لَا يَجُوزُ لَهٗ تَقْلِيدُ أَحَدٍ فِي خِلَافِهِ .

’’اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص حق کو جان لے، تو اس کے لیے کسی کی تقلید میں حق کی مخالفت جائز نہیں۔‘‘

(مجموع الفتاوی : 71/7)

تقلید کیا ہے؟:

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ التَّقْلِيدَ عَلَى الْحَقِيقَةِ إِنَّمَا هُوَ قُبُولُ مَا قَالَهٗ قَائِلٌ دُونَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِ بُرْهَانٍ فَهٰذَا هُوَ الَّذِي أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى تَسْمِيَتِهٖ تَقْلِيدًا .

’’حقیقت میں تقلید یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اُمتی کی بات کو بغیر دلیل کے دین بنالینا، تقلید کی اس تعریف پر اُمت کا اجماع ہے۔‘‘

(الإحكام في أصول الأحكام : 116/6)

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلتَّقْلِيدُ أَنْ تَقُولَ بِقَوْلِهٖ، وَأَنْتَ لَا تَعْرِفُ وَجْهَ الْقَوْلِ، وَلَا مَعْنَاهُ، وَتَأْبٰى مَنْ سِوَاهُ، أَوْ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ خَطَأُهٗ، فَتَتَّبِعَهٗ مَهَابَةَ خِلَافِهٖ، وَأَنْتَ قَدْ بَانَ لَكَ فَسَادُ قَوْلِهٖ، وَهٰذَا مُحَرَّمٌ الْقَوْلُ بِهٖ فِي دِينِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى .

”تقلید یہ ہے کہ آپ اس (معیَّن شخص) کی بات کو تسلیم کر لیں، حالانکہ آپ کو نہ اس کی دلیل معلوم ہو، نہ اس کا معنی اور اس کے علاوہ آپ ہر بات کا انکار کریں یا یوں سمجھیں کہ آپ پر اس (معیَّن شخص) کی غلطی واضح ہو جائے، تو پھر بھی اس کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے اسی کی پیروی کرتے رہیں۔ ایسا کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت میں حرام ہے۔“

(جامع بَیان العلم وفضله: 787/2)

✿ علامہ ابو عبداللہ، محمد بن احمد مصری مالکی رحمہ اللہ (۳۷۲ھ) فرماتے ہیں:

التَّقْلِيدُ مَعْنَاهُ فِي الشَّرْعِ الرُّجُوعُ إِلٰى قَوْلٍ لَّا حُجَّةَ لِقَائِلِهٖ عَلَيْهِ، وَهٰذَا مَمْنُوعٌ فِي الشَّرِيعَةِ .

”تقلید کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایسے قول کی طرف رجوع کیا جائے، جس کی قائل کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں یہ کام ممنوع ہے۔“

(جامع بَیان العلم وفضله لابن عبد البرّ: 992/2)

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِعْرَاضِ عَنْ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَآثَارِ الصَّحَابَةِ وَاتِّخَاذِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ مِعْيَارًا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَرْكِ النُّصُوصِ لِقَوْلِهٖ وَعَرْضِهَا عَلَيْهِ وَقَبُولِ كُلِّ مَا أَفْتٰى بِهٖ وَرَدِّ كُلِّ مَا خَالَفَهٗ .

”قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے اعراض اور کسی خاص شخصیت کو اس پر معیار بنا لینا، پھر اس کی وجہ سے نصوص کو چھوڑ دینا، نصوص کو اس کے قول پر پیش کرنا اور صرف وہ نصوص قبول کرنا، جن پر اس شخصیت خاص نے فتوی دیا ہو اور اس

کے مخالف تمام روایات کو رد کر دینا، (تقلید کہلاتا ہے)۔"

(إعلام المؤقعين : 177/2)

❀ نیز فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ النَّاسِ أَنَّ التَّقْلِيدَ لَيْسَ بِعِلْمٍ، وَأَنَّ الْمُقَلِّدَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ عَالِمٍ .

"لوگوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں، نیز مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا۔"

(إعلام المؤقعين : 86/2)

تقلید جہالت ہے:

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

الْمُقَلِّدُ لَا عِلْمَ لَهُ، وَلَمْ يَخْتَلِفُوا فِي ذٰلِكَ .

"اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مقلد جاہل مطلق ہوتا ہے۔"

(جامع بَيان العلم وفضله : 992/2)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

التَّقْلِيدُ لَيْسَ بِعِلْمٍ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

"اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید، علم نہیں (جہالت ہے)۔"

(إعلام الموقّعين : 169/2)

❀ نیز فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ لَيْسَ عِلْمًا بِاتِّفَاقِ النَّاسِ .

"سب کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں (بلکہ جہالت ہے)۔"

(إعلام الموقّعين : 215/2)

❁ علامہ ابن الوزیر رحمہ اللہ (۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ قَدِيمًا وَّحَدِيثًا أَنَّ التَّقْلِيدَ لَيْسَ بِعِلْمٍ، وَالْمُقَلِّدُ لَيْسَ بِعَالِمٍ.

''پہلے اور بعد والے تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ تقلید علم نہیں اور مقلد عالم نہیں۔''

(العواصم والقواصم : 123/3)

کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی اُمت کی بات کو دین بنانے کا نام تقلید ہے۔ یہ جہالت ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے منافی عمل ہے۔

جو شخص کسی شخصیت یا مذہب کا مقلد جامد بن جاتا ہے، اس کے سینے سے قرآن وسنت کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ وہ اپنے مذہب کو سہارا دینے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے، بطور مثال ملاحظہ ہو؛

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''یہاں سے تقلید بھی ثابت ہوتی ہے، اب معلوم کرنا چاہیے کہ تقلید واجب ہے یا نہیں اور بر تقدیر وجوب، وجوب بعینہٖ یا وجوب لغیر ہ۔ سو تقلید واجب لغیر ہ ہے اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول کو بے دلیل تسلیم کر لینا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص صہ ماہانہ پر کسی کا نوکر ہوا اور اس کے آقا نے دس روز کے بعد اس کو برخواست کر دیا، اب وہ کسی خواندہ شخص کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے بتلا دیجئے کہ صہ ماہانہ کے اعتبار سے دس روز کی کیا تنخواہ ہوئی۔ اس نے حساب لگا کر اس کو دس روز کی تنخواہ بتلا دی، سائل نے محض اس کے کہنے پر اس قول کو

تسلیم کرلیا اور کوئی دلیل نہیں طلب کی اور اسی طرح طبیب کے پاس مریض معالجہ کے لیے جاتا ہے اور طبیب جو نسخہ لکھ دیتا ہے، اس کو بلا دلیل مریض تسلیم کر لیتا ہے اور یہ تقلید جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی تھی۔ آپ جو ارشاد فرماتے تھے، لوگ بسر وچشم اس ارشاد کو بلا دلیل تسلیم کر لیتے تھے۔ آپ کے زمانہ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عوام کا یہی برتاؤ رہا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ دین واسلام کا ذوق لوگوں کے دلوں میں بھرا ہوا تھا۔ اگر لوگ اسی طریق پر رہتے، تو تقلید شخصی کی حاجت نہ ہوتی اور اس زمانہ میں یہ حال تھا کہ جس سے چاہا، مسئلہ دریافت کر لیا، مسئول عنہ نے اپنے مذہب کے موافق بتلا دیا کہ یوں عمل کرلو۔ اب جبکہ وہ زمانہ نہ رہا اور نفوس خراب ہو گئے، تو علما عقلا نے یہ صورت نکالی کہ جو شخص جس کی تقلید کرے، آخر حیات تک اسی پر قائم رہے اور اس کے مذہب کے سوا دوسرے کے قول وفعل ومذہب پر عمل نہ کرے۔ اور نفس تقلید زمانہ نبویہ سے ثابت ہے اور تقلید شخصی قرآن مجید سے ثابت ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ یہاں سے تقلید امام صاحب کی ثابت ہے اور حق تعالیٰ نے أَطِيعُوا لِأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ نہیں فرمایا، بلکہ بہمراہی خدا ورسول اولی الامر کو بھی ذکر کیا، تاکہ لوگوں کو اس باب میں شک نہ رہے کہ امام صاحب کی اطاعت وتقلید عین حق تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کی اطاعت وتقلید ہے اور تقلید شخصی کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی مریض ایسے طبیب سے علاج کرائے، جس سے اس کو عقیدت ہو اور جس کے علاج پر اس کو اطمینان ہو، تو ظاہر ہے کہ

شفا کی اُمید ہے اور جو وہ ایک روز کسی کا نسخہ استعمال کرے، دوسرے روز کسی کا، وہلم جرا۔تو ظاہر ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے معالجہ خراب ہو جائے گا اور اس مریض کے تندرست ہونے کی اُمید نہیں۔اگر کہا جائے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں مثلاً بعض احکام میں سہولتیں ہیں اور حضرت امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے مذہب میں بعض احکام میں شدت اور مزید احتیاط ہے اور سہولت پر عمل کرنا آسان ہے، پس جہاں سہولت ہو، وہاں دوسرا مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔تو جواب یہ ہے کہ اگر چند طبیب نسخہ لکھیں اور کم قیمت والا نسخہ مریض کے تیمار دار اس کو بلحاظ مذکور استعمال کرائیں،تو ظاہر ہے کہ یہ سخت غفلت اور تباہی مریض کے سامان ہیں، بلکہ عقل سلیم کا مقتضی یہ ہے کہ جس میں احتیاط زیادہ ہو،اس پر عمل کیا جائے،پس یہی تقلید کے باب میں سمجھ لو۔اسی طرح صوفیا کا یہ مسلک ہے کہ الصوفی لا مذہب لہ۔اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے یہاں احتیاط بہت ہے۔جس امر میں احتیاط دیکھتے ہیں،اسی کو اختیار کرتے ہیں،مثلاً عورت کو ہاتھ لگانے سے نقض وضو وغیرہ،تاکہ نفس پر جبر ہو، پس ثابت ہوا کہ تقلید واجب لغیرہ ہے اور کسی سے بیکار جھگڑا نہ کرنا چاہیے،اگر ذکر آئے،تو یہاں بیان کر دینا کافی ہے۔“

(تقریر ترمذی،ص349-351)

تھانوی صاحب کی عبارت پر غور کیا جائے،تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جی نے یکے بعد دیگرے کئی غیر محتاط اور غیر علمی باتیں کہی ہیں،مثلاً:

① تقلید واجب ہے۔

عرض: تقلید کو واجب کہنا بہت بڑی جسارت ہے، تقلید کا جہالت ہونا اہل علم کے ہاں متفق علیہ ہے۔ بھلا جہالت اختیار کرنا بھی واجب ہے؟

② تقلید کے معنی ہیں کہ کسی کی بات کو بے دلیل تسلیم کر لینا۔

عرض: تھانوی صاحب نے تقلید کی عمومی تعریف کر کے تقلید شخصی اور تقلید مذموم کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقلدین سے ہمارا اختلاف یہ نہیں کہ وہ علما سے مسائل پوچھ کر دلیل کیوں نہیں مانگتے، ہم کہتے ہیں کہ کسی مسئلہ کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد اس پر قائم رہنا یہ تقلید ہے۔ کسی شخصیت یا مذہب کو حرف آخر سمجھ لینا یہ تقلید ہے۔ عامی کا عالم سے مسئلہ پوچھنا یہ تقلید کی بحث سے ہی خارج ہے۔ لہٰذا تقلید کی تعریف وہی ہے، جو اوپری سطور میں ہم نے پیش کی ہے، جس کے حرام اور جہالت ہونے پر اہل علم متفق ہیں۔

لہٰذا تھانوی صاحب کی پیش کردہ مثال اور ہے اور تقلید کا معنی و مفہوم کچھ اور ہے۔ اس مثال سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان پڑھ آدمی کسی سے حساب کروا سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی حساب غلط کر دے، تو کیا غلطی واضح ہونے کے بعد بھی اس پر ڈٹا رہے یا درستی کی طرف مائل ہو جائے؟ جو لوگ تقلید کرتے ہیں، وہ اپنے پیشوا کی بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں، ان کی غلطی واضح ہونے کے باوجود حدیث کی غلط ملط تاویلات کرتے ہیں، اپنے پیشوا کی بات کی مخالفت پسند نہیں کرتے۔

طبیب والی مثال پر بھی یہی تبصرہ ہے۔

③ تقلید جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی تھی۔

عرض: تقلید ناسدید کا وجود اُمت میں بہت بعد میں آیا۔ اس سے پہلے تقلید شخصی اور تقلید مذموم کا وجود اُمت محمدیہ میں نہ تھا، البتہ پہلی اُمتوں میں ضرور ہوگا۔ تھانوی صاحب

اپنی تقلید مذموم کو ثابت کرنے کے لیے عہد نبوی کے مسلمانوں کو جہالت کی طرف منسوب کر گئے، کیونکہ تقلید شخصی بالاتفاق جہالت ہے۔

④ نبی ﷺ سے دلیل کا مطالبہ کیے بغیر آپ ﷺ کی بات تسلیم کرنا تقلید ہے۔

عرض: اسے جسارت ہی کہا جا سکتا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد بھی کوئی دلیل چاہیے۔ کیا نبی کریم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر دلیل نہیں؟ مگر تھانوی صاحب نہ جانے تقلید مذموم کو ثابت کرنے کے لیے کس حد تک جانا چاہتے ہیں۔ الامان والحفیظ!

⑤ علما عقلا نے یہ صورت نکالی کہ ایک شخص تا دم زیست ایک ہی شخص کی تقلید پر قائم رہے۔

عرض: اسے تقلید شخصی کہتے ہیں۔ کیا اس کی ضرورت ائمہ اہل سنت اور گروہ محدثین کو پیش نہ آئی؟ کیا انہوں نے یہ ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ علما عقلا کون ہیں، جو اصحاب رسول اور گروہ محدثین سے زیادہ سمجھدار ہیں، جنہیں فتنوں اور فسادات کا زیادہ درک ہے۔

تھانوی صاحب نے یہاں بھی اہل کلام کی سی گفتگو کی ہے، ایک مذموم شے کو ثابت کرنے کے لیے مثالوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسا کرنا ان کے لائق نہیں تھا۔

⑥ تقلید شخصی کا ثبوت قرآن سے پیش کیا۔

عرض: اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید علم نہیں، جہالت ہے۔ جب تقلید علم ہی نہیں، تو قرآن کریم سے اس کا ثبوت کیسے؟ پھر اگر اس آیت سے تقلید شخصی ثابت ہوتی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیوں نہ کی، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور محدثین اُمت نے اس آیت سے تقلید کا وجود ثابت کیوں نہ کیا، کیا انہیں یہ آیت سمجھ نہ آئی یا اس آیت میں تقلید کا ثبوت نہیں؟ اس کا فیصلہ ہر صاحب ایمان پر ہے۔ یقیناً اس آیت میں تقلید کا ثبوت نہیں، تبھی

تو خیر القرون میں کسی نے تقلید شخصی کے وجوب یا استحباب کی بات نہیں کی، بلکہ تقلید کی مذمت کی ہے اور تقلید سے منع کیا ہے۔

⑦ پھر طبیب کے نسخہ کی مثال۔

عرض: مقلدین کے نزدیک تقلید واجب ہے۔ جو کہ شرعی مسئلہ ہے۔ شرعی مسئلہ میں مثال سے ثبوت اس وقت کارگر ہے، جب اس مسئلہ پر شرعی دلیل موجود ہو۔ جس مسئلہ کے ثبوت یا وجوب یا استحباب پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل ہی نہیں، نہ صحابہ اور سلف اُمت کی زندگیوں میں اس کا ثبوت ہے، تو پھر اس تقلید کو مثالوں سے سمجھانا طفل تسلی ہی ہے، کوئی علمی کاوش نہیں۔

تقلید شخصی کی مذمت کتاب وسنت کی کئی نصوص اور اسلاف اُمت اور اہل علم کے فہم سے ثابت ہوتی ہے، اس ناجائز عمل کو مثالوں سے ثابت کرنا مناسب عمل نہیں۔

⑧ صوفیا کے مذہب میں شدید احتیاط۔

عرض: احتیاط وہ ہے، جسے شرعی نقطہ نظر میں احتیاط کہا جائے۔ کسی جائز اور ثابت مسئلہ میں احتیاط کی ضرورت نہیں، کیونکہ شریعت کا ہر فیصلہ مبنی بر احتیاط ہے۔ اگر کوئی صوفی کہے کہ میں ایک نماز کو دو دو تین تین بار پڑھ لیتا ہوں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ میری پہلی نماز نہ ہوئی ہو یا دو تین بار وضو کرے اور کہے کہ پہلی بار وضو میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ یہ ''احتیاط'' نہیں، بلکہ شریعت پر اضافہ ہے۔

تقلید کا نقصان:

تقلید سرتا سر نقصان ہے۔ سب سے بڑا نقصان ہے کہ انسان کو وحی الٰہی سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ تقلید کی وجہ سے نفس پرستی در آتی ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں؛

❁ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى التَّعْلِيمِ .

”بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے والی حدیث تعلیم پر محمول ہے۔“

(الهداية: 50/1)

❁ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں:

لَوْ أَجَابَ بِمِثْلِهِ فِي التَّأْمِينِ لَاسْتَرَحْنَا .

”اگر صاحب ہدایہ اسی طرح کی بات (اونچی) آمین کے بارے میں بھی فرما دیتے، تو ہمیں سکون ملتا۔“

(فيض الباري: 363/2)

کشمیری صاحب نے صحیح احادیث اور آثار صحابہ سے بے رخی کیسا بہانہ تراش لیا کہ اونچی آمین کے متعلق احادیث کو تاویل کی بھینٹ چڑھا دیں کہ نبی کریم ﷺ کا اونچی آمین کہنا بطور سنت نہیں تھا، بلکہ محض تعلیم کی غرض سے تھا۔

بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین عظام کو اس بات کا علم کیوں نہ ہو سکا، وہ نماز میں اونچی آمین کہنے کے قائل و فاعل رہے۔ اس کی سنیت کے قائل تھے۔

دوسری مثال بھی ملاحظہ فرمالیں؛

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق وشوق کی حالت غالب ہوتی تھی، جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے، تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے؟“

(تقریر ترمذی،ص71)

نبی کریم ﷺ سری نمازوں میں کبھی کبھار ایک آدھ آیت جہری پڑھ دیتے تھے۔آج بھی اگر کوئی ایسا کر لے،تو جائز ہے۔

چونکہ تھانوی صاحب کے مَن کو یہ بات اچھی نہ لگی،تو انہوں نے اسے تاویل پہنا دی کہ ایسا نبی کریم ﷺ نے ذوق وشوق کے غلبہ کی وجہ سے کیا،کہ آپ ﷺ پر اس آدمی کی طرح غلبہ ہو جاتا تھا،جسے خبر ہی نہیں رہتی کہ وہ کیا کر رہا ہے؟

کیا یہ نبی کریم ﷺ کی شان میں نامناسب بات نہیں کہ آپ ﷺ نعوذ باللہ کبھی کبھار نماز جیسے عمل میں بے توجہ بھی ہو جاتے تھے،نعوذ اللہ!

سوال:کیا موزوں پر مسح بھی ایک مرتبہ،دو مرتبہ اور تین مرتبہ کیا جا سکتا ہے،جس طرح پاؤں کو ایک،دو اور تین مرتبہ دھویا جا سکتا ہے؟

جواب:موزوں پر مسح ایک ہی مرتبہ کیا جائے گا۔جس طرح سر پر ایک ہی مرتبہ مسح ہے۔وضو کے دیگر اعضا کو دھوتے وقت تین بار دھویا جا سکتا ہے،مسح ایک ہی بار ہے۔

سوال:مقیم ایک دن اور ایک رات کے لیے موزوں پر مسح کر سکتا ہے،کیا اس دوران کوئی مقدار بھی طے ہے کہ وہ اتنے اتنے وضو کرے،تو مسح کر سکتا ہے،اس کے بعد موزیں اتارنا ضروری ہیں؟

جواب:مقیم ایک دن اور ایک رات کے لیے موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔اس دوران وہ جتنے بھی وضو کرنا چاہے،اتنے وضوؤں میں موزوں پر مسح کر سکتا ہے،وضوؤں کی تعداد مقرر نہیں،البتہ وقت کی مقدار متعین ہے اور وہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات۔

یادرہے کہ مسح کی مدت کی آغاز اس وقت سے ہوگا، جب موزوں کی حالت میں وضو ٹوٹا ہے، نہ کہ جب موزے پہنے ہیں، اس وقت سے۔

سوال: کیا پٹھی پر مسح کی بھی کوئی مدت متعین ہے؟

جواب: پٹھی پر مسح عذر ہے، جب تک یہ عذر ہے، اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا تیمّم کے لیے بھی کوئی مدت مقرر ہے؟

جواب: تیمّم اس شخص کے لیے مشروع ہے، جسے وضو اور غسل کے لیے پانی دستیاب نہ ہو، یا وہ عذر کی وجہ سے پانی استعمال نہ کر سکتا ہو۔ ایسا شخص معذور ہے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، اس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں ہے، جب تک اس کا عذر باقی ہے، اسے تیمّم کی رخصت ہے، خواہ وہ ایک لمبے عرصے تک معذور رہے۔

البتہ جب جب اس کا عذر ختم ہوگا، تب تب اس کے لیے تیمّم کرنا جائز نہیں، بلکہ پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔

سوال: نبی کریم ﷺ کو عرش الٰہی کا نور قرار دینا کیسا ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کے لیے ایسے الفاظ نہیں بولنے چاہئیں، ان پر قرآن وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ اسلاف اُمت میں سے کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتا، لہٰذا ہمیں بھی خاموشی کرنی چاہیے۔ ایسی باتیں بعد والے اہل بدعت کی جاری کرتا ہیں۔

سوال: نبی کریم ﷺ کو ''یا صاحب الزمان'' کہنا کیسا ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کو ''یا صاحب الزمان'' کہنا شرک ہے۔

سوال: قرآن کریم کی قسم اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے صوت وحروف

سے تکلم کیا ہے۔ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ کے اسمائے حسنی اور صفات جلیلہ کی قسم اٹھائی جا سکتی ہے۔

سوال: مکہ افضل ہے یا مدینہ؟

جواب: مکہ افضل ہے۔ اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔ علمائے احناف کا بھی یہی مؤقف ہے، مگر امام بریلویت احمد رضا خان صاحب اس مسئلہ میں اپنے حنفی علما سے اختلاف رکھتے ہیں۔

❁ علامہ حصکفی حنفی رحمہ اللہ (۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں:

مَكَّةُ أَفْضَلُ مِنْهَا عَلَى الرَّاجِحِ .

”راجح قول کے مطابق مکہ مدینہ سے افضل ہے۔“

(الدّر المختار، ص 175)

❁ علامہ طحطاوی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں:

مَكَّةُ أَفْضَلُ مِنْهَا عَلَى الرَّاجِحِ .

”راجح قول کے مطابق مکہ مدینہ سے افضل ہے۔“

(حاشية الطّحطاوي على مَراقي الفلاح، ص 741)

سوال: میرے اور میرے ایک دوست کے درمیان جھگڑا ہوا، میں نے چار بار قسم اٹھائی کہ میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گا، اب مجھے اپنے الفاظ پر ندامت ہو رہی ہے، میرے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دوست سے صلح کریں اور اس سے بات چیت کریں، کہ بغیر عذر تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے ترک تعلق جائز نہیں۔

❁ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ، فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

''تین دن سے زائد کسی مسلمان بھائی سے اس طرح تعلق توڑنا جائز نہیں کہ ملاقات ہو اور دونوں ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں، بہتر ان میں سے وہ ہے، جو سلام میں پہل کرتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 6077؛ صحيح مسلم : 2560)

اس لیے آپ اپنی قسم توڑ دیں۔

❁ سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ وَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ.

''جب آپ کوئی کام کرنے کی قسم کھائیں، پھر (کوئی) دوسرا کام اس سے بہتر دیکھیں، تو بہتر کام کر لیں اور قسم کا کفارہ دے دیں۔''

(صحيح البخاري : 6722، صحيح مسلم : 1652)

نیز آپ نے جو چار بار قسم اٹھائی تھی، اس کا کفارہ ادا کریں، آپ پر صرف ایک کفارہ ہے، چار کفارے نہیں، کیونکہ یہ چاروں قسمیں ایک ہی معاملے کے متعلق اٹھائی ہیں۔

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دس مساکین کو کھانا کھلانا یا دس مساکین کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر تینوں میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں، تو تین روزے رکھے۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ .

''اگر علی نہ ہوتے، تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

جواب: بے سند اور بے اصل ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ لَيْسَتْ مَعْرُوفَةً فِي هٰذَا الْحَدِيثِ .

''مذکورہ حدیث میں یہ زیادت (کتب حدیث میں) معروف نہیں۔''

(مِنهاج السّنة : 45/6)

سوال: درج ذیل قول کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے منسوب ہے:

اَلْحَدِيثُ مُضِلَّةٌ إِلَّا لِلْفُقَهَاءِ .

''فقہا کے علاوہ سب کے حدیث گمراہی کا باعث ہے۔''

جواب: بے سند قول ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے:

أَنَا أَمْلَحُ وَأَخِي يُوسُفُ أَصْبَحُ .

''میں نیلگوں رنگت رکھتا ہوں اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام سفیدی مائل ہیں۔''

جواب: یہ حدیث نہیں۔

سوال: یزید بن معاویہ پر لعنت کرنا کیسا ہے؟

جواب: درست نہیں۔ اسلاف اُمت ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہر خیر اسلاف اُمت سے جڑی ہوئی ہے۔ جو ائمہ سلف سے کٹ گیا، درحقیقت وہ خیر کثیر سے محروم ہو گیا۔ سلف صالحین میں توسط پایا جاتا تھا۔ وہ جب بھی کسی کے بارے میں بات کرتے تھے، وہ بات علم اور حقیقت پر مبنی ہوتی تھی۔ لہٰذا انسانوں کے متعلق رائے قائم کرتے وقت اسلاف اُمت کا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ جس شے پر سلف نے توقف کیا، ہمیں بھی اس پر توقف کرنا چاہیے۔

❁ علامہ غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إِنْ قِيلَ : هَلْ يَجُوزُ لَعْنُ يَزِيدَ لِأَنَّهٗ قَاتِلُ الْحُسَيْنِ أَوْ آمِرٌ بِهٖ قُلْنَا : هٰذَا لَمْ يَثْبُتْ أَصْلًا فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ : إِنَّهٗ قَتَلَهٗ أَوْ أَمَرَ بِهٖ مَا لَمْ يَثْبُتْ فَضْلًا عَنِ اللَّعْنَةِ لِأَنَّهٗ لَا تَجُوزُ نِسْبَةُ مُسْلِمٍ إِلٰى كَبِيرَةٍ مِنْ غَيْرِ تَحْقِيقٍ، نَعَمْ يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ : قَتَلَ ابْنُ مُلْجِمٍ عَلِيًّا وَقَتَلَ أَبُو لُؤْلُؤَةٍ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَإِنَّ ذٰلِكَ ثَبَتَ مُتَوَاتِرًا فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُرْمٰى مُسْلِمٌ بِفِسْقٍ أَوْ كُفْرٍ مِنْ غَيْرِ تَحْقِيقٍ .

''اگر کوئی پوچھے کہ کیا یزید بن معاویہ پر لعنت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا، یا شہید کرنے کا حکم دیا ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بات (کہ یزید سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے یا اس نے قتل کا حکم دیا ہے۔) سرے سے ثابت ہی نہیں ہے، لہٰذا جب تک یہ بات ثابت نہیں ہو جاتی، ہم نہیں کہیں کے یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا شہید کرنے کا حکم

دیا، چہ جائیکہ ہم اس پر لعنت کریں، کیونکہ کسی مسلمان کی طرف بغیر تحقیق اور دلیل کے کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ابولؤلؤہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، کیونکہ یہ بات متواتر روایات سے ثابت ہے۔ اس لیے کسی مسلمان پر بغیر تحقیق کے فسق یا کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔''

(إحياء عُلوم الدّين : 125/3)

۞ علامہ علی بن عثمان اوشی حنفی صاحب فتاویٰ سراجیہ رحمہ اللہ (۵۷۵ھ) فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَلْعَنْ يَزِيدًا بَعْدَ الْمَوْتِ
سِوَى الْمِكْثَارِ فِي الْإِغْرَاءِ غَالِيٍّ

''یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اس پر کسی نے لعنت نہیں کی، سوائے ان غالیوں کے، جو الزام لگانے میں مبالغہ کرتے ہیں۔''

(بَدء الأمالي، ص 279)

۞ اس شعر کی شرح میں علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَعْنٰى : لَمْ يَلْعَنْ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ سِوَى اللَّذِينَ أَكْثَرُوا الْقَوْلَ فِي التَّعْرِيضِ عَلٰى لَعْنِهٖ، وَبَالَغُوا فِي أَمْرِهٖ، وَتَجَاوَزُوا عَنْ حَدِّهٖ، كَالرَّافِضَةِ وَالْخَوَارِجِ، وَبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ .

''اس شعر کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر سلف میں سے کسی نے

لعنت نہیں کی، سوائے ان لوگوں کے، جو بکثرت یزید کو لعنت کا نشانہ بناتے ہیں اور اس کے معاملہ میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں اور حد سے تجاوز کرتے ہیں، جیسے روافض، خوارج اور بعض معتزلہ ہیں۔''

(ضوء المَعالي، ص 279)

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عمومی طور پر تین باتیں سننے میں آتی ہیں۔

① یزید بن معاویہ قاتل حسین ہے۔ یہ بے بنیاد اور بے حقیقت دعویٰ ہے۔ یہ دعویٰ دراصل قاتلین حسین کا ہے۔ وہ یہ جرم کسی دوسرے کے نام کرنا چاہتے ہیں۔

② یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا۔ یہ دعویٰ بھی بے ثبوت ہے۔

③ یزید کے دور میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور یزید نے مجرموں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا۔ یہ بھی کمزور بات ہے۔ اس واقعہ کو صدیاں بیت گئی ہیں۔ اس وقت کے حالات کا صحیح جائزہ معلوم نہیں ہوسکتا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو کیفر دار تک پہنچانے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش ہوئے، ان کے مابین جنگیں ہوگئیں، لیکن اس وقت مجرموں کو قرار واقع سزا نہیں مل سکی۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض ان جنگوں میں مارے گئے اور بعض جنگ نہروان میں مارے گئے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض فرار ہوگئے ہوں۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آگئی۔ مگر یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو کیفر دار تک پہنچایا تھا۔

کبھی قاتلوں کو سزا مل جاتی ہے، کبھی نہیں ملتی۔ اس سے کسی پر طعن نہیں کی جاسکتی۔

یزید کا قتل حسین رضی اللہ عنہ پر راضی ہونا بھی ثابت نہیں، تو یزید پر طعن کیوں؟

یاد رہے کہ یزید کے دربار میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک پیش کیا جانا ثابت نہیں۔

متقدمین ائمہ مسلمین میں سے کسی نے یزید کو قاتل حسین رضی اللہ عنہ قرار نہیں دیا، نہ ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یزید پر طعن کیا۔

افسوس ہے کہ یزید کو مطعون کیا جاتا ہے، جبکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قاتل کے نام پر عید بابا شجاع الدین منائی جاتی ہے، دنیا میں ایسے ناانصاف بھی موجود ہیں۔

سوال: آنکھیں دکھنے کی وجہ سے پانی بہتا ہے، اس پانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: آنکھوں سے بہنے والا پانی پاک ہے۔

سوال: باوضو تھا، خون دیا، وضو کا کیا حکم ہے؟

جواب: وضو برقرار ہے۔ خون نکلنے یا بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

سوال: باوضو تھا، تھوک میں خون دیکھا، کیا حکم ہے؟

جواب: وضو برقرار ہے۔

سوال: حالت وضو میں ماں نے بچے کو اپنا دودھ پلایا، کیا وضو برقرار ہے؟

جواب: جی ہاں۔ وضو ٹوٹنے پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: لیڈی ڈاکٹر نے کسی مریضہ کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی، یا خود عورت نے ایسا کیا، تو کیا اس پر غسل ہے؟

جواب: اس پر غسل نہیں ہے۔

سوال: بے وضو تھا، مسجد میں داخل ہونے سے پہلے وضو کی بجائے تیمّم کرنا کیسا ہے؟

جواب: پانی کی موجودگی میں تیمّم نہیں۔ نیز مسجد میں داخل ہونے کے لیے وضو شرط نہیں۔ البتہ جنابت سے پاک ہونا شرط ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۰۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اسقاط یا رحم کی صفائی کے بعد بہنے والے خون کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسقاطِ حمل (Miscarriage) کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ حمل واضح ہے یا نہیں۔ اگر واضح ہے، تو خون نفاس کا ہی ہوگا۔ حمل نوے دن میں واضح ہو جاتا ہے۔ حمل واضح نہیں، تو خون نفاس کا نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَا دَامَ اسْمِي فِي ذٰلِكَ الْكِتَابِ .

”جس نے کسی کتاب میں (میرا نام لکھ کر) مجھ پر درود لکھا، تو جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے گا، فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔“

(المُعجم الأوسط : 1835)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔

① یزید بن عیاض لیثی متروک و کذاب ہے۔

② حازم بن بکر کے حالات زندگی نہیں ملے

③ بشر بن عبید دارسی منکر الحدیث ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”یہ حدیث گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ذمہ لگائی گئی ہے۔“

(المَوضوعات :228/1)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مَوْضُوعٌ .

”یہ من گھڑت روایت ہے۔“

(میزان الاعتدال :320/1)

❀ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔

(تخريج أحاديث الإحياء، ص 367)

❀ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الصَّلَاةُ جَارِيَةً لَهٗ مَا دَامَ اسْمِي فِي ذٰلِكَ الْكِتَابِ .

”جس نے مجھ پر کتاب میں درود لکھا، تو اس کے لیے (فرشتوں کی طرف سے) تب تک رحمت کی دعائیں جاری رہتی ہیں، جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے۔“

(جلاء الأفهام لابن القيم، ص 115، طَبَقات الشّافعية للسُّبكي :180/1)

سند جھوٹی ہے۔

① نہشل بن سعید متروک وکذاب ہے۔

② کادح بن رحمہ ضعیف ومتروک ہے۔

③ ضحاک بن مزاحم کا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔

❀ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(التّرغيب والتّرهيب لقوام السّنة : 330/2، التّدوين في أخبار قزوين للرّافعي : 107/4)

سند باطل ہے۔

① عبدالسلام بن محمد قرشی اُموی منکر الحدیث ہے۔

② محمد بن ابراہیم بن اُمیہ قرشی کا تعین نہیں ہوسکا۔

❀ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَتَبَ عَنِّي عِلْمًا فَكَتَبَ مَعَهٗ صَلَاةٌ عَلَيَّ لَمْ يَزَلْ فِي أَجْرٍ مَا قُرِئَ ذٰلِكَ الْكِتَابُ .

”جس نے مجھ سے نقل کر کے کوئی علم کی بات لکھی، میرے نام کے ساتھ مجھ پر درود بھی لکھا، تو اسے مسلسل اجر ملتا رہے گا، جب تک وہ کتاب پڑھی جاتی رہے گی۔“

(الكامل لابن عدي : 227/4، شَرَف أصحاب الحديث للخطيب، ص 35، المَوضوعات لابن الجوزي :228/1)

سند جھوٹی ہے۔

① سلیمان بن عمرو ابوداود نخعی بالاتفاق کذاب ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِجْتَمَعُوا عَلٰى أَنَّهٗ يَضَعُ الْحَدِيثَ .

”محدثین کا اجماع ہے کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔“

(الكامل في ضُعفاء الرجال : 228/4)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ وَضَّاعًا بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ .

”علما کا اجماع ہے کہ یہ راوی وضاع ہے۔“

(المَوضوعات :228/1)

❁ اس روایت کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ”موضوع“ کہا ہے۔

(الكامل في ضُعفاء الرجال : 227/4)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”یہ حدیث گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگائی گئی ہے۔“

(المَوضوعات :228/1)

② قاسم بن محمد کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

فائدہ:

اس روایت کے بعض راویوں کی متابعات بھی ہیں، مگر سبھی سندیں غیر ثابت ہیں، ان میں کوئی سند بھی قابل اعتماد نہیں۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ هٰذَا الْحَدِيثُ بِصَحِيحٍ مِنْ وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ

حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَلَا يَصِحُّ أَيْضًا، قَالَ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الذَّهَبِيُّ شيخُنا : أَحْسَبُهُ مَوْضُوعًا، وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُهُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَا يَصِحُّ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

”کئی سندوں سے روایت ہونے کے باوجود یہ حدیث ثابت نہیں، یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر وہ سند بھی ثابت نہیں، ہمارے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں یہ روایت من گھڑت ہے۔ اسی طرح کی روایت سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، مگر ان میں کچھ بھی ثابت نہیں، واللہ اعلم!“

(تفسیر ابن کثیر: 477/6)

سوال: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر کا دریا پار کرنے والا واقعہ کیسا ہے؟

جواب: یہ واقعہ دلائل النبوۃ لابی نعیم (۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴) میں مذکور ہے۔ یہ سند غیر ثابت ہے۔

① سیف بن عمر پر ہے، جو کہ ضعیف و متروک ہے۔

② شعیب بن ابراہیم مجہول ہے۔

سوال: دعائے جمیلہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: بے اصل اور بے ثبوت ہے۔ اسی طرح دعا دفع وباء بھی من گھڑت ہے۔

سوال: بعض لوگ وظائف پڑھنے کے لیے اجازت کی بات کرتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: بے حقیقت ہے، صوفیا کی پھیلائی کی باتیں ہیں۔

سوال: ہفتہ وار درود و دعا کی مجالس کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: درود اور دعا کا اس ہیئت کے ساتھ اہتمام کرنا بدعت ہے۔

❀ علامہ ابو شامہ رحمہ اللہ (٦٦٥ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي تَخْصِيصُ الْعِبَادَاتِ بِأَوْقَاتٍ لَّمْ يُخَصِّصْهَا بِهَا الشَّرْعُ بَلْ يَكُوْنُ جَمِيْعُ أَفْعَالِ الْبِرِّ مُرْسَلَةً فِي جَمِيْعِ الْأَزْمَانِ لَيْسَ لِبَعْضِهَا عَلٰى بَعْضٍ فَضْلٌ إِلَّا مَا فَضَّلَهُ الشَّرْعُ وَخَصَّهُ بِنَوْعٍ مِّنَ الْعِبَادَةِ ...... فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُكَلَّفَ لَيْسَ لَهُ مَنْصَبُ التَّخْصِيصِ، بَلْ ذٰلِكَ إِلَى الشَّارِعِ وَهٰذِهٖ كَانَتْ صِفَةُ عِبَادَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”عبادات کو ان اوقات کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں، جن کے ساتھ شریعت نے خاص نہیں کیا، بلکہ تمام نیک کام تمام زمانوں میں جائز ہیں۔ کسی کام کی تخصیص کرنے میں فضیلت نہیں ہے، سوائے اس کام کے جسے شریعت نے فضیلت دی ہے اور کسی عبادت کے ساتھ خاص کیا ہے۔...... حاصل کلام یہ ہے کہ مکلّف (اُمتی) کے لیے تخصیص کا منصب نہیں ہے، بلکہ تخصیص کا منصب شارع کے ساتھ خاص ہے، رسول اللہ ﷺ کا اندازِ عبادت یہی تھا۔“

(الباعث على إنكار البِدَع والحوادث، ص 165)

سوال: دوران غسل باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: حسب ضرورت بات کرنے میں کوئی حرج نہیں، احتراز بہتر ہے۔

سوال: رو بہ قبلہ ہو کر نہانا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔

سوال: باوضو تھا، ٹیکہ لگوایا، خون نکل آیا، کیا حکم ہے؟

جواب: وضو برقرار ہے، خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

سوال: نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق اس عبارت بارے کیا فرماتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''یہ اختلاف باعتبار اولیٰ اور غیر اولیٰ ہونے کے ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے، یعنی سینہ پر، جیسا کہ اور احادیث میں لفظ صدر مصرح واقعہ ہوا ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم زیر ناف ہاتھ باندھا کرتے تھے، سو جو طریق جس کے مشائخ کا ہو، وہ اس کو اختیار کرے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 70)

جواب: سینے پر ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح سینے سے ذرا نیچے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہے۔ مگر کسی صحیح یا حسن روایت سے زیر ناف ہاتھ باندھنا ثابت نہیں، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا عمل نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے۔

لہٰذا تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، بالکل بھی درست نہیں، کیونکہ دو مسئلوں میں اولیٰ اور غیر اولیٰ اس وقت ہوتا ہے، جب دونوں مسئلے ثابت ہوں، جب زیر ناف ہاتھ باندھنے ثابت ہی نہیں، تو اولیٰ یا غیر اولیٰ کا اختلاف کیسا؟

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے۔

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اب جاننا چاہیے کہ ہر شخص اپنے قلب سے شہادت نہیں طلب کر سکتا ہے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت مرحمت فرمایا تھا، جس کو اصطلاح صوفیا میں کشف اور حکما کی اصطلاح میں عقل قدسی سے تعبیر کرتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 19)

جواب: تھانوی صاحب صوفیا کی زبان میں گفتگو فرما رہے ہیں، صوفیا کی اصطلاحات اہل سنت والجماعت کے مسلک سے مختلف ہیں۔ جس کشف کا اثبات صوفیا کرتے ہیں، وہ شیطانی کشف ہے، اس میں ولایت کو کچھ عمل دخل نہیں، یہ استدراج ہے، کرامت نہیں۔ اس کشف سے وہ شرعی احکام کو ٹالنے یا پامال کرنے کا کام لیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بھی باندھ دیتے ہیں۔ حالانکہ صحیح العقیدہ ولی کے کشف و کرامت سے بھی کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی باطنی صوفیا کی اصطلاحات کو دین میں دخیل بنایا جائے۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے۔

✿ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''لفظ غفرانک کے اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے کہ جو چیز ظاہر میں ہوتی ہے، اس کی مثل ایک باطن میں بھی ہوتی ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 17)

جواب: اہل سنت والجماعت کے ہاں ایسا کچھ نہیں ہے، وہ شرعی احکام میں اس طرح کی حکمتیں بیان نہیں کرتے، نہ شرعی احکام میں ظاہر اور باطن کی تقسیم کرتے ہیں۔ اس لیے تھانوی صاحب کی مذکورہ بات علم پر مبنی نہیں۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے بہت سے اعتراض کیے ہیں کہ امام صاحب نے حدیث کو نہیں سمجھا، تو اصل یہ ہے کہ امام صاحب نے حقائق ومعانی احادیث کو خوب سمجھا ہے اور الفاظ ظاہری معنی پر دلالت کرتے ہیں، ان الفاظ کا مغز اور مقصود اصلی تو تامل وتدبر سے ہی معلوم ہوتا ہے، پس ظاہر پرست لوگوں نے ظاہری معنی خلاف مقصود کو دیکھ کر اعتراضات کرنا شروع کیے اور اگر بصیرت اور تامل سے ان کی رسائی اس درجہ تک ہو جاتی، جہاں تک کہ امام صاحب کی نظر دقیق پہنچی، تو وہ مقصود اور مطلوب بالکل واضح اور ظاہر حدیث کے مطابق نظر آتا۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 20)

جواب: تھانوی صاحب کی ''ظاہر پرست'' لوگوں سے مراد اگر محدثین عظام ہیں، تو یہ بڑی جسارت ہے، محدثین کرام اُمت کے محسن ہیں، انہوں نے کتاب وسنت کی نصوص کی بھی حفاظت کی ہے اور ان کے معانی ومفاہیم کو بھی محفوظ کیا ہے۔ گروہ محدثین علم وفقہ کے پیکر تھے، ان کی کتب اس پر شاہد عدل ہیں۔ محدثین سندوں والے تھے، وہ سند کی ظاہری ومخفی علتوں کو بھی جانتے تھے اور نصوص کے الفاظ ومعانی سے بخوبی آشنا تھے، کیونکہ انہوں نے نہ سند ومتن کے الفاظ اپنی طرف سے نقل کیے، نہ ان کا فہم ودرک اپنی عقل سے بیان کیا، محدثین نے تو نصوص ومعانی کے منقول تسلسل کو اپنی کتابوں میں مندرج کیا ہے۔

اس کے برعکس بصد احترام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی حدیث یا فقہ کی کتاب ثابت

نہیں،اس لیے امام صاحب کی شان میں غلو سے کام نہیں لینا چاہیے، یہ عدل نہیں۔

اور اگر تھانوی صاحب کا اشارہ آج کے اہل حدیث کی طرف ہے، تو یہ اعتراض معاصر اہل حدیث پر نہیں، بلکہ خیر القرون کے محدثین پر ہی ہے، کیونکہ اہل حدیث کا علم وفہم وہی ہے، جو محدثین کا ہے، اہل حدیث عقائد واعمال میں محدثین کے علم وفہم پر بھروسا کرتے ہیں اور محدثین کا علم وفہم صحابہ وتابعین سے منقول ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فقیہ وہی ہوتا ہے، جو محدث ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ محدثین ہی فقہا تھے۔ انہوں نے اسلامی فقہ کو مرتب کر دیا۔ ان کے مقابلہ میں اہل کلام ہیں، جنہوں نے دین کی نصوص کو عقل اور رائے کی بھینٹ چڑھا دیا، جنہیں بعد والے ''فقہ'' اور ''فہم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ نفس پرستی ہے۔ اس کی اللہ اور مؤمنوں کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ یا معانی حدیث کی بات ہے، تو وہ فقہ کہاں ہے؟ اہل حدیث (محدثین) کے ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اہل رائے میں شمار ہوتے ہیں۔ اہل الرائے وہ طبقہ تھا، جو محدثین کے علم کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَكَتُوا عَنْهُ وَعَنْ رَأْيِهِ وَعَنْ حَدِيثِهِ .

''محدثین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو، ان کی رائے اور حدیث کو متروک جانا۔''

(التّاریخ الکبیر: 81/8)

بہت سارے اڑتے اڑتے اقوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ انہیں فقہ حنفی قرار دینا امام صاحب کے ساتھ دشمنی ہے۔ اس پر سہاگہ یہ کہ امام صاحب کی کوئی

کتاب ثابت نہیں۔ شاگردوں کے روایت کردہ اقوال معتبر نہیں، کیونکہ شاگرد محدثین کی عدالت میں بلکہ خود امام صاحب کے نقل میں معتبر نہیں۔

محدثین کے علم کے مقابلہ میں جو ہے، وہ علم نہیں ہے، وہ محض رائے زنی ہے۔ جو محدثین کے ہاں شدید مذموم ہے۔

❁ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) بیان کرتے ہیں:

قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ أَيُّهُمَا أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ يَعْنِي أَبَا حِنِيفَةَ وَمَالِكَ بْنَ أَنَسٍ : قُلْتُ : عَلَى الْإِنْصَافِ؟ قَالَ : نَعَمْ، قُلْتُ : فَأَنْشُدُكَ اللّٰهَ مَنْ أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : صَاحِبُكُمْ، يَعْنِي مَالِكًا، قُلْتُ : فَمَنْ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : اَللّٰهُمَّ صَاحِبُكُمْ، قَالَ : فَأَنْشُدُكَ اللّٰهَ مَنْ أَعْلَمُ بِأَقَاوِيلِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُتَقَدِّمِينَ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : صَاحِبُكُمْ، قَالَ الشَّافِعِيُّ : فَقُلْتُ : لَمْ يَبْقَ إِلَّا الْقِيَاسُ، وَالْقِيَاسُ لَا يَكُونُ إِلَّا عَلٰى هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ، فَمَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْأُصُولَ فَعَلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَقِيسُ؟

”مجھے محمد بن حسن شیبانی نے کہا کہ ہمارے استاذ (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) اور تمہارے استاذ (امام مالک رحمہ اللہ) میں سے قرآن کا بڑا عالم کون تھا؟

میں (شافعی) نے کہا: انصاف سے بات کریں؟ محمد شیبانی نے کہا، جی ہاں!

میں نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے اور آپ امام میں سے قرآن کا بڑا عالم کون تھا؟ کہنے لگے، آپ کے امام صاحب، یعنی امام مالک رحمہ اللہ۔

میں نے پوچھا کہ سنت کا بڑا عالم کون تھا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ کے استاذ صاحب، میں نے پھر قسم دے کر پوچھا کہ بتائیے! ہمارے اور آپ کے استاذ میں سے صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کو زیادہ جاننے والا کون ہے؟ شیبانی صاحب نے جواب دیا کہ (یقیناً) تمہارے استاذ صاحب۔ میں نے کہا کہ اب باقی تو صرف قیاس ہی رہ گیا ہے، جبکہ (صحیح) قیاس بھی ان تینوں اصولوں (قرآن، حدیث اور اقوال سلف) کی روشنی میں ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جو ان اصولوں کو ہی نہیں جانتا، وہ قیاس کس چیز پر کرسکتا ہے؟''

(تقدمة الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم، ص 12-13، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: رشوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: رشوت دینا لینا حرام اور ناجائز ہے۔ یہ حرام طریقہ سے مال کھانا ہے۔ رشوت کا مطلب کسی کا حق ہتھیانے کے لیے کچھ دینا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ رشوت ستائی کسی بھی معاشرے کا امن اور توازن عنقا کر دیتی ہے۔

❀ مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ عَنِ السُّحْتِ؟ فَقَالَ: الرِّشَا، وَسَأَلْتُهٗ عَنِ الْجَوْرِ فِي الْحُكْمِ فَقَالَ: ذٰلِكَ الْكُفْرُ.

''میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''سحت'' (حرام) کے بارے میں

پوچھا؟ فرمایا: اس سے مراد رشوت ہے۔ نیز میں نے فیصلوں میں ظلم وجور کے متعلق پوچھا، تو فرمایا: یہ کفر (دون کفر) ہے۔“

(السّنن الکبریٰ للبیهقي : 234/10، وسندہٗ صحیحٌ)

❀ حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(التّرغیب والتّرھیب : 126/3)

سوال: تھانوی صاحب کی عبارت کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ یَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَیُوتِرَ الْإِقَامَةَ .

”سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا گیا۔“

(صحیح البخاري : 603، صحیح مسلم : 378)

❀ مذکورہ حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا، پس معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت ابو محذورہ کو یہی تعلیم فرمایا تھا اور اکثر صحابہ کا یہی عمل رہا اور امام (ابو حنیفہ) صاحب فرماتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں امام شافعی کے موافق مروی ہیں اور بہت سی ہمارے موافق۔ اور جو ہمارے موافق ہیں، وہ اکثر ہیں، سو اصل عمل تو حضرت بلال کا یہی تھا، جو ہمارے مذہب میں مروج ہے اور کبھی ایتار

(اکہری) اقامت بھی کر لیتے ہیں اوراسی طرح حی علی الصلاۃ کو کبھی ایک بار کہہ لیا جوازاً۔ پس مستحب تو وہی طریقہ ہے، جو ہمارا ہے اور جائز وہ بھی ہے، جو امام شافعی کا ہے۔"

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 43-44)

جواب: عبارت مذکورہ پر ہمارے چند سوالات ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پیش کردہ قول باسند صحیح کہاں پایا جاتا ہے؟

② سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کوئی ایک صحیح روایت درکار ہے، جس میں اکہری اذان اور دوہری اقامت کا ذکر ہو۔

③ کیا اذان و اقامت کا جو طریقہ احناف کے ہاں رائج ہے، وہ کسی ایک مؤذن صحابی سے ثابت ہے، جبکہ احناف نے اذان بلال رضی اللہ عنہ والی اختیار کی ہے اور اقامت سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی۔

④ کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ سیدنا بلال اور سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہما سے اذان و اقامت کے منقول دونوں طریقوں کو ہی سنت اور صحیح کہا جائے اور دونوں کو ہی قابل عمل قرار دیا ہے؟ اگر احناف دہری اذان اور دہری اقامت کو سنت مانتے ہیں، تو ان کے ہاں اس سنت پر عمل کیوں نہیں؟ کیا یہ سنت سے محرومی نہیں؟

مبارک ہو اہل حدیث کو کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہر سنت کو حرز جاں بناتے ہیں، ان کی مساجد میں دونوں طرح اذان اور دونوں طرح اقامت کہی جاتی ہے۔ جبکہ دیگر احباب کی مساجد دوہری اذان کی سنت سے محروم ہیں۔

اہل حدیث کے مطابق تمام دلائل کی تطبیق یہ ہے کہ اکہری اذان کے ساتھ اور دوہری

اذان کے ساتھ دوہری اقامت کہی جائے۔

بعض کہتے ہیں کہ اکہری اقامت منسوخ ہے، کیونکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ دوہری اقامت کہا کرتے تھے، یہ محض دعویٰ ہے، جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے دوہری اقامت ثابت نہیں۔

❀ اسود بن یزید رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّ بِلَالًا كَانَ يُثَنِّي الْأَذَانَ وَيُثَنِّي الْإِقَامَةَ .

''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات بھی دودو کہتے اور اقامت کے کلمات بھی۔''

(مصنّف عبد الرزاق :462/1، ح : 1790، سنن الدّارقطني :242/1، شرح مَعاني الآثار للطّحاوي :134/1)

سند ضعیف ہے۔

① ابراہیم نخعی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② حماد بن ابی سلیمان مختلط ہیں، معمر کا ان سے قبل از اختلاط روایت کرنا ثابت نہیں ہوسکا۔

حماد کی متابعت ابو معشر زیاد بن کلیب نے کی ہے، مگر وہ سند سفیان ثوری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

③ اسود بن یزید نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

❀ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْأَسْوَدَ بْنَ يَزِيدَ وَسُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ لَمْ يُدْرِكَا بِلَالَ بْنَ رَبَاحٍ .

''اسود بن یزید اور سوید بن غفلہ نے سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ (کے اذان والا)

دور نہیں پایا۔‘‘

(الخلافيات للبيهقي : 113/2)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَسْوَدُ بْنُ يَزِيدَ لَمْ يُدْرِكْ بِلَالًا .

’’اسود بن یزید نے بلال رضی اللہ عنہ کا (اذان والا) زمانہ نہیں پایا۔‘‘

(التّحقيق : 305/1، نصب الرّاية للزّيلعي : 269/1)

❁ سوید بن غفلہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کے الفاظ دودو کہتے سنا۔

(شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 134/1)

سند ضعیف ہے۔

① شریک بن عبداللہ قاضی سیء الحفظ اور مدلس ہے۔

② سوید بن غفلہ کا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْأَسْوَدَ بْنَ يَزِيدَ وَسُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ لَمْ يُدْرِكَا بِلَالَ بْنَ رَبَاحٍ .

’’اسود بن یزید اور سوید بن غفلہ نے سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا (اذان والا) دور نہیں پایا۔‘‘

(الخلافيات للبيهقي : 113/2)

❁ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذان اور اقامت کے الفاظ دودو کہتے تھے۔

(سنن الدّارقطني : 242/1، المُعجم الكبير للطّبراني : 101/22)

سند ضعیف ہے۔ زیاد بن عبد اللہ بکائی اگر محمد بن اسحاق کے علاوہ کسی سے بیان کرے، تو اس کی روایت میں کلام ہے۔ مذکورہ روایت بھی ادریس بن یزید اودی سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

❁ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّ بِلَالًا كَانَ يُثَنِّي الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ .

"بلال رضی اللہ عنہ اذان اور اقامت کے الفاظ دو دو کہتے تھے۔"

(مصنّف ابن أبي شيبة :1/206)

سند ضعیف ہے۔

① سعید بن ابی عروبہ کا عنعنہ ہے۔

② ابراہیم نخعی کا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

❁ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّهُ كَانَ إِذَا لَمْ يُدْرِكِ الصَّلَاةَ مَعَ الْقَوْمِ أَذَّنَ وَأَقَامَ وَيُثْنِي الْإِقَامَةَ .

"سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جب باجماعت نماز میں شامل نہ ہو پاتے، تو اذان کہتے اور دوہری اقامت کہتے۔"

(سنن الدّارقطني :1/242، ح :932)

سند ضعیف ہے۔ محمد بن سعدان کی معتبر توثیق نہیں، اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے "الثقات :۷/۴۳۲" میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ مجہول الحال ہے۔

اس کا ایک شاہد مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۰۶) میں موجود ہے، اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہے۔ نیز اس میں اکہری اذان کے ساتھ دوہری دوہری اقامت کا

ذکر نہیں، لہٰذا اس مبہم روایت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ:

❀ عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اذان کے کلمات کو بھی دوہرا کہہ رہے تھے اور اقامت کے کلمات کو بھی۔

(شرح مَعاني الآثار للطّحاوي: 136/1)

سند ضعیف ہے۔

① شریک بن عبداللہ قاضی سیء الحفظ اور مدلس ہے۔

② عبدالعزیز بن رفیع نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

❀ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يُدْرِكْ أَبَا مَحْذُورَةَ.

''عبدالعزیز بن رفیع نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔''

(نصب الرّاية للزّيلعي: 169/1)

سماع کی صراحت کسی راوی کا وہم ہے۔

ثابت ہوا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اکہری اذان کے ساتھ دوہری اقامت ثابت نہیں اور سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے ترجیع والی اذان کے ساتھ اکہری اقامت ثابت نہیں۔

سوال: درج ذیل عبارت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''امام صاحب کے نزدیک تین وقتوں کی نماز میں شریک ہونا جائز نہیں ہے: عصر، مغرب اور فجر۔ اور امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے، جس کا مضمون یہ

ہے کہ جو شخص صبح اور مغرب کی نماز تنہا پڑھے، پھر جماعت میسر ہو جاوے، تو وہ صبح اور مغرب کے وقت شریک نہ ہو، پس ان دو وقتوں میں شریک نہ ہونا اس حدیث سے معلوم ہو گیا اور عصر پر اجماع ہے۔‘‘

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 55)

جواب: اولاً مذکورہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ جس روایت کو امام صاحب کی دلیل بنایا گیا ہے، وہ علل الدارقطنی (۳۱۲/۱۲) میں موجود ہے۔ مگر اس روایت کا مرفوع ہونا وہم ہے، اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

رہا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر مؤطا امام مالک (۱/۱۳۳، وسندہ صحیح)، تو اس سے ان تین نمازوں کی جماعت میں شریک ہونا ناجائز ثابت نہیں ہوتا۔

مغرب کی نماز اکیلے میں پڑھ لی، بعد میں جماعت مل گئی، تو نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو سکتا ہے، عصر کی نماز کا بھی یہی حکم ہے، نیز اس بارے میں تھانوی صاحب کا دعویٔ اجماع بے بنیاد ہے۔

❀ سیدنا یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ بِمِنًى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ إِذَا رَجُلَانِ فِي مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَ النَّاسِ فَأُتِيَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟ قَالَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ،

صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَلَا تَفْعَلَا إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا الْإِمَامَ وَهُوَ يُصَلِّي فَصَلِّيَا مَعَهُ فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ أَوْ تَطَوُّعٌ .

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مسجد خیف منیٰ میں نماز فجر پڑھائی، جب نماز مکمل ہو چکی، تو دو بندے نظر آئے، جو مسجد کے آخری کنارے پر موجود تھے، انہوں نے باجماعت نماز نہیں پڑھی تھی، انہیں نبی کریم ﷺ کے حضور پیش کیا گیا، تو ان کے شانے کانپ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ دونوں نے ہمارے ساتھ باجماعت نماز کیوں نہیں پڑھی؟ دونوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! دراصل ہم گھر میں نماز پڑھ چکے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کریں، اگر آپ نے گھر میں نماز پڑھ لی ہو، پھر (مسجد میں) امام کے پاس آئیں اور وہ نماز پڑھا رہا ہو، تو آپ بھی باجماعت نماز پڑھ لیں، یہ آپ کی نفل نماز ہو جائے گی۔''

(مسند الإمام أحمد : 160/4، سنن أبي داود : 575، 576، سنن النّسائي ؛ 858، سنن التّرمذي : 219، مسند أبي داود الطّيالسي : 1343، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۲۷۹) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۵٦۵) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز فجر کسی وجہ سے اکیلے ادا کر لی ہو، بعد میں مسجد کی جماعت مل جائے، تو اس جماعت میں شریک ہوا جا سکتا ہے، دوسری نماز نفل ہو جائے گی۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۰۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے۔

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى رَجُلًا يُّصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : أَلَا رَجُلٌ يَّتَّجِرُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّي مَعَهٗ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو مسجد میں (تنہا) نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا: کوئی ہے، جو اس کے ساتھ تجارت کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 5/3-45-64-85، سنن أبي داوٗد : 574، سنن التّرمذي : 220، المنتقٰى لابن الجارود : 330، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، امام ابن الجارود، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۶۳۲) امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۳۹۷) اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۲۰۹) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ اس حدیث کو امام ابن منذر رحمہ اللہ نے ''ثابت'' کہا ہے۔

(الأوسط : 218/4)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

(فتح الباري : 142/2)

❁ مذکورہ حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جماعت ثانیہ جائز ہے اور امام (ابوحنیفہ) صاحب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اوران کی دلیل وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ جماعت کی نماز نہیں ملی تھی، تو آپ نے وہ نماز مکان میں جا کر پڑھی۔ اگر جماعت ثانیہ جائز ہوتی، تو آپ مسجد ہی میں دوبارہ نماز پڑھ لیتے اور مسجد شریف کی فضیلت کیوں چھوڑتے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 56)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَوْ لَمْ يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ لَمَا تَرَكَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهٖ بِفَضْلِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ .

''اگر مسجد میں جماعت کا تکرار مکروہ نہ ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ اسے ترک نہ کرتے، حالانکہ آپ ﷺ کو مسجد میں باجماعت نماز کی فضیلت کا بخوبی علم تھا۔''

(بدائع الصّنائع :153/1)

جواب: دو یا دو سے زائد افراد مسجد میں داخل ہوئے اور جماعت ہو چکی ہے، تو آنے والے لوگ جماعت کرا سکتے ہیں، ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعتیں کرائی جا سکتی ہیں، اکثر اہل علم کا یہی مؤقف ہے۔ اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

احناف کے نزدیک ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ ہے۔ تھانوی صاحب نے

احناف کی جس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ قابل احتجاج نہیں، ملاحظہ ہو؛

❀ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ مِنْ نَوَاحِي الْمَدِينَةِ يُرِيدُ الصَّلَاةَ، فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا، فَمَالَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَجَمَعَ أَهْلَهُ، فَصَلَّى بِهِمْ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک طرف سے واپس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن دیکھا کہ لوگوں نے نماز (باجماعت) پڑھ لی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور اہل خانہ کو جمع کیا اور نماز پڑھا دی۔''

(المُعجم الأوسط للطّبراني: 4601، 6820)

سند ضعیف ہے۔ ولید بن مسلم تدلیس تسویہ کرتے تھے، آخر سند تک سماع نہیں کیا۔

باقی علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ کا استدلال درست نہیں، کیونکہ جب روایت ہی ثابت نہیں، تو استدلال کیسے؟

اس پر سہا گہ یہ کہ صحیح اور صریح احادیث سے دوسری جماعت کا جواز ثابت ہے۔

سوال: ستونوں کے درمیان صف بندی کا کیا حکم ہے؟

جواب: ستونوں کے درمیان صف نہیں بنانی چاہیے۔ عذر ہو، تو بنائی جا سکتی ہے۔

❀ عبدالحمید بن محمود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي الصَّفِّ، فَرَمَوْا بِنَا حَتّٰى أُلْقِينَا بَيْنَ السَّوَارِي، فَتَأَخَّرَ، فَلَمَّا صَلّٰى؛ قَالَ: قَدْ كُنَّا نَتَّقِي هٰذَا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''ہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ صف میں تھے۔ لوگوں نے ہمیں دھکیلا، تو ہم ستونوں کے درمیان چلے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ستونوں سے پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بچتے تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 104/3؛ سنن أبي داوٗد : 673؛ سنن النّسائي : 820؛ سنن التّرمذي : 229؛ السنن الكبرٰى للبيهقي : 104/3، واللّفظ لهٗ؛ المستدرك للحاكم : 210/1، وسندهٗ حسنٌ)

اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، امام خزیمہ (۱۵۶۸)، امام ابن حبان (۲۲۱۸) اور امام حاکم (۲۱۸/۱) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (فتح الباري : 578/1)

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا تَصُفُّوا بَيْنَ السَّوَارِي .

''ستونوں کے درمیان صف نہ بناؤ۔''

(السّنن الكبرٰى للبيهقي : 104/3، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

❀ علامہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلِاصْطِفَافُ بَيْنَ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ غَيْرُ مَكْرُوهٍ لِأَنَّهٗ صَفٌّ فِي حَقِّ كُلِّ فَرِيقٍ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ طَوِيلًا .

''ستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ نہیں، کیونکہ وہ (ستونوں کے درمیان

کھڑے دو طرف کے افراد کے لیے) مستقل صف ہے، اگرچہ طویل نہ ہو۔''

(المَبسوط : 35/2)

علامہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح حدیث اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کے خلاف ہے۔ جگہ کی تنگی یا کوئی اور عذر نہ ہو، تو ستونوں کے درمیان صف بندی مکروہ ہے۔

سوال: شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟

جواب: شریعت دین ہے اور طریقت گمراہی ہے۔ شریعت احکام شرعیہ کا نام ہے، جبکہ طریقت ابلیسی کردار کا نام ہے۔ اہل سنت والجماعت شریعت اور طریقت کے فرق سے ناواقف ہیں۔ وہ صرف شریعت کو ہی جانتے تھے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی دے کر گئے اور اسی میں ہدایت اور نجات رکھی گئی ہے۔

ایک استدلال:

❀ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَّصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ .

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ رکوع میں تھے۔ انہوں نے صف کے ساتھ ملنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، پھر اس بات کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ آپ کی حرص کو بڑھائے، لیکن آئندہ ایسا مت کیجئے۔''

(صحيح البخاري : 783)

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب

(۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''یہ حکم اہل طریقت کے لیے آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ اگر نماز میں ایک بار خشوع وخضوع نہ ہو، تو اس کا اعادہ کرنا چاہیے، اگر پھر بھی نہ ہو، تو پھر اعادہ کرے۔ اسی طرح جب تک خشوع میسر نہ ہو، اعادہ کرتا رہے اور وہ حضرات اس اَمر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص ایسا کرے گا، اس کو ضرور خشوع وخضوع حاصل ہو جاوے گا اور اس مسئلہ کا سمجھنا ایک اَصل پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ شریعت کی بھی تعلیم فرماتے تھے اور طریقت کی بھی۔ پس باعتبار طریقت کے آپ (ﷺ) نے یہ ارشاد فرمایا، تاکہ بطریق مستحب وکامل نماز ادا ہو جاوے اور آپ (ﷺ) نے شریعت اور طریقت کو صاف صاف بیان فرما دیا۔ البتہ حقیقت کو پوشیدہ فرمایا ہے، مگر وہ بھی کلام اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہے، جن کو حق تعالیٰ نے سمجھ دی ہے، وہ سمجھتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 59)

اہل شریعت کے مقابل اہل طریقت نہیں ہو سکتے۔ جسے خیرون القرون کے مسلمان نہیں جانتے۔ طریقت صوفیا کی اصطلاح ہے، صوفیا ظاہری احکام کو شریعت اور باطنی کو طریقت کہتے ہیں۔ یہ باطنی اصل میں باطلی ہیں۔ شریعت کی ظاہر و باطن کے حوالہ سے یہ تقسیم اہل حق کا وطیرہ نہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ تقسیم پہلی قوموں کی بدخصلت ہو۔

نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا، وہ حق اور شریعت ہے۔ اہل باطل کے لیے شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا اہل طریقت کا یہ انداز اگر ایک بار خشوع وخضوع نہ ہو، تو نماز کا اعادہ کریں گے، دوسری بھی خشوع نہ ہو، تو تیسری بار نماز پڑھیں گے، حتیٰ کہ جب تک خشوع پیدا نہ ہو، اعادہ کرتے رہیں گے۔ یہ صریح گمراہی ہے، جس پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں، نہ کوئی مسلمان اس کا قائل رہا ہے۔

حضرت تھانوی صاحب نے مذکورہ بالا حدیث کو طریقت پر محمول کیا ہے، ہمارے مطابق اس پر کم سے کم تبصرہ یہ بنتا ہے کہ یہ حدیث کی معنوی تحریف ہے۔ ہمارا بنیادی سوال ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے شریعت اور طریقت دونوں کی تعلیم فرمائی ہے، تو اس تقسیم کا علم صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور محدثین کو کیوں نہ ہو۔ یہ ''علم طریقت'' صرف گمراہ صوفیا سے ہی منقول کیوں ہے۔ کسی امام ومحدث نے اپنی کتب میں ''طریقت'' کے اثبات کا باب کیوں نہ باندھا؟ انہیں طریقت کا علم نہ تھا یا علم وحی میں طریقت کا وجود نہیں ہے؟؟

یقیناً علم وحی میں طریقت کا کوئی وجود نہیں، یہ خالص صوفیا کی ایجاد ہے، جس کے غلط ہونے کو یہی کافی ہے۔

سوال: درج ذیل مؤقف پر نظر ثانی فرمائیے:

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک نماز سے خروج فقط السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور امام (ابوحنیفہ) صاحب کے نزدیک اگر کوئی شخص تشہدِ اخیر کے بعد قصداً حدث (جان بوجھ کر ہوا خارج) کر دے یا اور کوئی فعلِ منافی الصلوٰۃ کر دے، تو بھی نماز سے خارج ہو جائے گا۔''

(تقریر ترمذی، ص62)

جواب: نماز کی تکمیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص سلام پھیرے بغیر نماز سے خارج ہو،تو اس کی نماز نہیں، کیونکہ سلام پھیرنا نماز کا حصہ ہے اور واجب ہے۔ اگر کسی نے جان بوجھ کر ہوا خارج کر دی یا سہواً ایسا ہو گیا،تو اس پر اعادہ ہے، اس کی نماز ٹوٹ گئی ہے۔

اس کے برعکس بعض کہتے ہیں کہ اگر تشہد کے بعد سہواً ہوا خارج ہو جائے،تو وضو کرے گا، پھر اس پر بنیاد ڈال کر مکمل کرے گا،یعنی سلام کے ساتھ نماز سے خارج ہو گا،لیکن اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد ہوا خارج کر دی،تو سلام کی ضرورت باقی نہیں رہے گی،نماز مکمل ہے۔ جیسا کہ تھانوی صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ جبکہ یہ انتساب بھی محتاج دلیل ہے۔

ہم اتنا کہیں گے کہ نبی کریم ﷺ یا کسی صحابی سے سلام کے علاوہ نماز سے خارج ہونا قطعاً ثابت نہیں۔

سوال: نماز میں بسم اللہ کے جہر اور عدم جہر کے بارے میں درج ذیل عبارت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے استدلال مخالفین کا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ان کو بتلایا ہو کہ ہم ایسا کیا کرتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ حدیثیں دونوں جانب ہیں، بعض سے جہر اور بعض سے اخفا ثابت ہوتا ہے۔ علمائے حنفیہ نے اس طرح تجویز دی ہے کہ اصل مقصود تو حضور ﷺ کو اخفا تھا اور بعض اوقات جو جہر فرماتے تھے،تو وجہ اس کی یہ ہے

کہ نماز میں ہر قسم کے لوگ اعرابی ناواقف حاضر ہوتے تھے۔ان کی تعلیم کے لیے ایسا فرماتے تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس سمجھا ہے۔''

(تقریر ترمذی،ص66)

جواب: جہری نمازوں میں بسم اللہ اونچی پڑھنا بھی ثابت ہے اور آہستہ بھی۔دونوں پر دلائل موجود ہیں۔

مگر تھانوی صاحب نے بسم اللہ اونچی پڑھنے کو تعلیم پر محمول کر دیا ہے اور آہستہ پڑھنے کو اَصل قرار دیا ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ احناف جہر کے متعلق ہر وہ حدیث جو ان کے مذہب کے خلاف آئے، اسے تعلیم پر محمول کر دیتے ہیں۔حالانکہ انصاف کا تقاضا ہے کہ جب نماز میں بسم اللہ اونچی اور آہستہ پڑھنے پر دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، تو دونوں کو ہی سنت قرار دیا جائے، کہ جس بھی سنت پر عمل کرلیا جائے، درست ہے۔

البتہ دو مختلف سنتوں میں افضل اور مفضول کی بات ہوسکتی ہے۔یہ مزاج محدثین میں پایا جاتا ہے۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ، فَقِيلَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ : إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ : اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ .

''جس نے سورت فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی، وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، مکمل نہیں ہے۔تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے

پیچھے ہوتے ہیں؟ فرمایا: سورت فاتحہ آہستہ سے پڑھیں۔''

(موطأ الإمام مالك :1/84، صحيح مسلم : 395)

✿ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں یہ مضمون ہے کہ جس شخص نے اُم القرآن کو نماز میں نہ پڑھا، اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے اور اس میں لفظ خداج، خداج کا واقع ہے، جس کے معنی ناقص کے ہیں، نہ کہ باطل کے۔ پس معنی حدیث کے یہ ہوئے: لا صلاۃ کاملۃ لمن لم یقرا۔''

(تقریر ترمذی، ص67)

جواب: تھانوی صاحب نے فقہ حنفی کو سہارا دینے کے لیے اَخیر ہی کر دی۔ محدثین کے علم وفہم پر بد اعتمادی ظاہر کر دی۔ خداج کا معنی ناقص ہونا ہے، تو اس نقص کا نتیجہ کیا ہے؟ یہ تھانوی صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ نقص نقص میں فرق ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص سے نماز میں قیام رکوع وسجود رہ جائے، یہ بھی نماز میں نقص ہے، مگر اس نقص کا لازمہ یہ ہے کہ نماز باطل ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کا درمیانہ تشہد رہ جائے، تو یہ بھی نماز میں نقص ہے، مگر اس نقص کا لازمہ نماز کا باطل ہونا نہیں، بلکہ سجدہ سہو سے کمی پوری ہو جائے گی۔

نماز میں سورت فاتحہ بھول کر رہ جائے، تو یہ ایسا نقص کا ہے، جس کا لازمہ رکعت کا باطل ہونا ہے، وہ رکعت دوبارہ پڑھی جائے گی، پھر جو شخص جان بوجھ کر سورت فاتحہ ترک کرے، اس کی رکعت بالاولیٰ باطل ہوگی، اس کا اعادہ واجب ہے۔

لہٰذا تھانوی صاحب لفظی معنی کا سہارا لے کر محدثین کے فہم کو چیلنج کر رہے ہیں کہ انہیں اس حدیث کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ یاد رہے کہ محدثین اس حدیث کی سمجھ آئی اور بالیقین آئی، وہ

عربی لغت، عربی سیاق وسباق اور بلاغت میں مہارت رکھتے تھے۔ تھانوی صاحب نے حدیث کا معنی لَا صَلَاۃَ کَامِلَۃٌ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ...... حالانکہ محدثین یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کرتے تھے۔ جبکہ محدثین اپنے روایات کے احوال اور معانی بخوبی جانتے تھے۔ محدثین کے علم کے مقابلہ میں کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے فہم کے خلاف فہم پیش کرے۔

مگر برا ہو تقلید کا، کہ وہ انسان کو حق پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ حق ائمہ محدثین کا علم وفہم ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی حق نہیں۔ محدثین کے معنی پر اکتفا نہ کرنا دراصل گمراہی کی تشجیع اور حوصلہ افزائی ہے۔

ہو مقلد اور محدثین کے متفقہ فہم کو مان لے، تو وہ مقلد کا ہے کا۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

"اب رہا یہ امر کہ مقتدیوں کو جو قرأت خلف الامام سے منع کیا جاتا ہے، تو اس باب میں کوئی حدیث نہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ سے منع ثابت ہو، ہاں حضرت ابن مسعود اور حضرت عمر کا قول ثابت ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے، اس کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔"

(تقریر ترمذی، ص 68)

جواب: تھانوی صاحب نے کم سے کم یہ تسلیم کر لیا کہ نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی حدیث مروی نہیں، جس میں امام کے پیچھے قرأت (سورت فاتحہ) کی ممانعت ہو۔ البتہ جن دو آثار کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کی استنادی حیثیت بھی پیش خدمت ہے:

❀ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ مُلِيءَ فُوهُ تُرَابًا .

''کاش کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے، اس کے منہ میں مٹی دی جائے۔''

(شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 1310)

اس اثر کی سند ضعیف ہے۔

① ابو اسحاق سبیعی مدلس اور مختلط ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔

② حدیج بن معاویہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے، نیز اس کا ابو اسحاق سے قبل از اختلاط روایت کرنا ثابت نہیں۔

❀ اس اثر کی ایک اور سند بھی ہے۔

(شرح مَعاني الآثار للطّحاوي :1311)

یہ سند بھی ضعیف ہے۔ اس میں ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔

اگر اس اثر کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس میں مقتدی کو سورت فاتحہ سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ قرأت سے روکا گیا ہے۔ قرأت سے مراد جہری نمازوں میں فاتحہ کے مابعد قرأت ہے۔

❀ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا .

''کاش کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے، اس کے منہ میں پتھر دیا جائے۔''

(موطأ الإمام محمد، ص 98)

سند جھوٹی ہے۔

① صاحب کتاب محمد بن حسن شیبانی ''کذاب'' ہے۔

② محمد بن عجلان صغار تابعین میں سے ہیں، ان کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت

منقطع ہے۔

③ اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں۔قرأت کا ذکر ہے، اس سے جہری نمازوں میں فاتحہ کے مابعد قرأت مراد ہو سکتی ہے۔

④ یزید بن شریک تیمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنِ الْقِرَاءَ ةِ خَلْفَ الْإِمَامِ، فَقَالَ لِي : اقْرَأْ قَالَ : قُلْتُ : وَإِنْ كُنْتُ خَلْفَكَ؟ قَالَ : وَإِنْ كُنْتَ خَلْفِي قَالَ : وَإِنْ قَرَأْتُ .

''میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں سوال کیا،فرمایا: آپ قرأت کیجئے، میں نے عرض کیا: اگر چہ میں آپ کے پیچھے (مقتدی) ہوں؟ فرمایا: جی ہاں، اگر چہ آپ میری اقتدا میں ہوں اور میں قرأت کر رہا ہوں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 3748، شرح مَعاني الآثار :1/218، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کا جواز ثابت ہے، ممانعت ثابت نہیں۔

سوال: عبارت مذکورہ میں روایات کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''علمائے حنفیہ کے نزدیک فقط امام ہی پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں اور ان کی دلیل اوّل تو وہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدی کی قرأت حکمی ہے

اور دوسری وہ حدیث ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے ایک بار فرمایا، وہ سورت کون سی ہے، جس کو دو رکعت میں نہ پڑھا جاوے اور نماز ہو جاوے؟ اور یہ تو جب ہی ہو سکتا ہے، جب کہ امام کے پیچھے نماز پڑھے۔''

(تقریر ترمذی، ص 67-68)

جواب: تھانوی صاحب نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں؛

اول حدیث:

روایت: مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَ ةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ. (جو امام کی اقتدا میں ہو، تو امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے۔) کی بہت ساری سندیں ہیں، سب ضعیف ہیں۔

① امام بخاری رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ وَغَيْرِهِمْ لِإِرْسَالِهٖ وَانْقِطَاعِهٖ.

''یہ حدیث حجاز اور عراق وغیرہ کے اہل علم کے ہاں ثابت نہیں، کیونکہ یہ مرسل اور منقطع روایت ہے۔''

(جزء القراءۃ، ص 8)

② علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) نے اس روایت کو ''ساقط'' قرار دیا ہے۔

(المحلّٰی بالآثار: 273/2)

③ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ لَّا يَصِحُّ ...... وَلِهٰذَا الْحَدِيثِ طُرُقٌ ...... لَيْسَ فِيهَا مَا يَثْبُتُ.

''یہ حدیث ثابت نہیں۔ ...... اس کی کئی سندیں ہیں۔ ...... ان میں کوئی بھی

ثابت نہیں۔'' (العِلَل المُتناهية :431/1)

④ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام :377/1)

⑤ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٨٥٢ھ) فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْحُفَّاظِ .

''یہ حدیث محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔''

(فتح الباري : 242/2)

❀ نیز فرماتے ہیں:

لَهُ طُرُقٌ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَكُلُّهَا مَعْلُولَةٌ .

''اس حدیث کی کئی سندیں صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، ساری کی ساری معلول (ضعیف) ہیں۔''

(التّلخيص الحَبير :569/1)

⑥ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (٧٩٢ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ طُرُقٍ، كُلُّهَا ضِعَافٌ .

''اس حدیث کی کئی سندیں ہیں، سب ضعیف ہیں۔''

(التّنبيه على مُشكِلات الهِداية : 592/2)

⑦ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (٧٤٨ھ) فرماتے ہیں:

اَلْجَمِيعُ مِنَ الدَّارَقُطَنِيِّ وَاهِيَةٌ .

''امام دارقطنی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔''

(تَنقيح التّحقيق :155/1)

⑧ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) نے اس حدیث کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(إعلام المؤقعين : 235/2)

⑨ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ طُرُقٍ، وَلَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِّنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی ثابت نہیں۔''

(تفسير ابن كثير :109/1، ت سلامة)

⑩ علامہ مناوی رحمہ اللہ (۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ ضَعِيفٌ مِنْ سَائِرِ طُرُقِهٖ.

''یہ حدیث تمام سندوں سے ضعیف ہے۔''

(فيض القدير : 208/6)

⑪ علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ (۱۱۳۸ھ) نے اس حدیث کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(حاشية السّندهي على سنن ابن ماجه :278/1)

⑫ امیر صنعانی رحمہ اللہ (۱۱۸۲ھ) نے اس روایت کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(التنوير شرح الجامع الصّغير : 370/10)

دوسری حدیث:

تھانوی صاحب نے ایک دوسری حدیث بھی ذکر کی ہے، جس پر ہم اپنا تبصرہ محفوظ رکھتے ہیں۔

تھانوی صاحب کی اس کتاب کے محشی علامہ عبدالقادر دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ حدیث احقر کو نہیں ملی، نہ طرز استدلال سمجھ میں آیا۔''

(حاشیہ تقریر ترمذی، ص68)

سوال: اونچی اور آہستہ آمین کے متعلق درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''حدیثیں دونوں جانب ہیں، یعنی رفع وخفض دونوں وارد ہیں۔ کبھی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے جہر فرمایا اور کبھی اخفا۔ اور علمائے حنفیہ اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ آپ کو اصل میں تو اخفا مقصود تھا، مگر چونکہ آپ کی خدمت میں بدوی اور اعرابی بھی حاضر ہوا کرتے تھے، اس لیے تعلیماً کبھی آپ جہر بھی فرما دیتے تھے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سورت فاتحہ کے بعد کچھ اور بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور علمائے شافعیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مقصود تو تھا جہر، چنانچہ آپ کا عمل درآمد اسی پر تھا اور اخفا سے مراد یہ ہے کہ بہت زور سے آپ نہ فرماتے تھے، چونکہ دونوں جانب احادیث ہیں، پس وسعت ہے، جو جن کے مشائخ کا طریق ہو، اس پر عمل کرے، مگر فتنہ سے بچتا رہے، کبھی بوجہ فتنہ کے مرجوح دلیل پر شرعاً عمل راجح ہو جاتا ہے۔''

(تقریر ترمذی، ص69)

جواب: تھانوی صاحب کے بقول جہری اور سری آمین دونوں جانب احادیث موجود ہیں۔ جبکہ اُصول محدثین کے مطابق جہری آمین ثابت ہے اور سری آمین ثابت نہیں، اس بارے میں پیش کردہ روایات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، لہٰذا آہستہ آمین کو سنت قرار دینا

درست نہیں۔ یوں تطبیق کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اونچی آمین ثابت ہے اور آہستہ ثابت نہیں، تو اونچی آمین ہی سنت قرار پائے گی۔

تھانوی صاحب نے آمین بالجہر کو تسلیم کر کے تعلیم پر محمول کیا ہے، اس بارے میں ائمہ محدثین میں سے کوئی بھی تھانوی صاحب کی حمایت میں نہیں۔ یہ وہ علم ہے، جس سے پہلے مسلمان واقف نہ تھے۔

اگر نماز میں بدوی صحابہ کو تعلیم ہی مقصود تھی، تو نبی کریم ﷺ نے پوری نماز ہی میں جہر کیوں نہ کیا، کبھی رکوع، سجدہ وغیرہ کی تسبیحات کو جہر کیوں نہ کیا، حالانکہ اس کی تعلیم کی بھی ضرورت تھی۔ اس پر سہاگہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ اور ائمہ دین نماز میں بآواز بلند آمین کہتے تھے۔ تھانوی صاحب کی بات کو مانیں یہ ثابت ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد رسول ﷺ کو نہ پاسکے، جسے تھانوی صاحب نے پالیا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

كَانَ إِذَا كَانَ مَعَ الْإِمَامِ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَأَمَّنَ النَّاسُ أَمَّنَ ابْنُ عُمَرَ، وَرَآى تِلْكَ السُّنَّةَ.

”آپ امام کے ساتھ ہوتے، تو سورہ فاتحہ پڑھتے۔ لوگ آمین کہتے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی آمین کہتے، آپ رضی اللہ عنہ اسے سنت کہا کرتے تھے۔“

(صحيح ابن خزيمة : 572، وسندهٗ حسنٌ)

❀ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَتَمَ أُمَّ الْقُرْآنَ لَا يَدَعُ آمِينَ يُؤَمِّنُ إِذَا خَتَمَهَا وَيَحُضُّهُمْ عَلٰى قَوْلِهَا وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذٰلِكَ خَبَرًا .

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سورت فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر اُبھارتے تھے۔اس بارے میں نے ان سے حدیث سنی ہے۔''

(تغليق التّعليق : 319/2، فتح الباري لابن حجر : 263/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَلَهُمْ رَجَّةٌ فِي مَسَاجِدِهِمْ بِآمِينَ، إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحة : ٧).

''میں نے دیکھا کہ لوگ مسجد میں آمین کہتے ہیں۔آمین کہتے وقت ان کی آواز کی گونج سنی۔ یہ اس وقت ہوتا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہتا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 425/2، وسندهٗ حسنٌ)

اصل اختلاف ائمہ محدثین اور اہل رائے احناف کے درمیان تھا، جسے حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف باور کرایا جاتا ہے، تاکہ لوگوں کو اس وہم میں ڈالا جائے، ہمارے مدمقابل شافعی ہیں، ان کا رد کرنے سے کیا فرق پڑے گا، جبکہ ایسا نہیں، حنفی مقلدین کے مقابلہ میں ائمہ محدثین کا علم وفہم اور عمل ہے۔ جو بھی ائمہ محدثین کا مقابلہ کرے گا، اسے منہ کی کھانی پڑے گی، نیز اس پر مہر ثبت ہو جائے گی کہ وہ حق کا مخالف ہے، کیونکہ حق صرف اور صرف محدثین کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں، کیونکہ حق ایک ہے، دو نہیں۔حق نور ہے اور باطل اندھیرا ہے، جس میں انسان بھٹک جائے، تو اسے نور نظر نہیں آ سکتا۔

سوال: درج ذیل حکایت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بار چند لوگ حاضر ہوئے اور کہا: ہم آپ سے مباحثہ کریں گے قرأت خلف الامام کے باب میں۔ آپ نے فرمایا؛ میں سب لوگوں سے مباحثہ نہیں کرسکتا، تم لوگ اپنے لوگوں میں سے ایک شخص کو مباحثہ کے لیے تجویز کرلو اور اسی پر مدار ہار جیت کا رکھو۔ اگر وہ ہار جائے، تو تم سب گویا ہار گئے اور اگر وہ کامیاب ہو جائے، تو تم سب کامیاب سمجھے جاؤ گے۔ ان لوگوں نے یہ امر منظور کرلیا۔ پس امام صاحب نے فرمایا: جب تم لوگ دنیا کے کام میں یہ انتظام کرتے ہو، تو جماعت کی صورت میں فقط امام کی عرض وگزارش کے کافی ہونے میں کیا کلام ہے اور اسی سے ایاک نعبد وایاک نستعین فرمایا گیا، ورنہ ایاک اعبد وایاک استعین فرمایا جاتا۔“

(تقریر ترمذی، ص85)

جواب: اول: اس مناظرہ ومباحثہ کی سند اور ثبوت چاہیے۔

دوم: جس بات کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے اور انہوں نے جو استدلال پیش کیا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم وعمل کے خلاف ہے۔ یہ عقلی دلیل کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ محض ناخواندہ مقلدین کو طفل تسلی دینا ہے، جبکہ علمی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلک محدثین کو اس طرح کے مضحکہ خیز مناظروں سے شکست نہیں دی جاسکتی۔ یہ سب مفروضے ہیں، جنہیں امام صاحب ک برتری میں حقائق جانا گیا ہے، جبکہ ایسا کچھ نہیں۔

افسوس ہے ان لوگوں پر، جو امام صاحب کی طرف اس طرح کی بے سروپا باتیں منسوب کردیتے ہیں، ذرابرابر بھی جھجک محسوس نہیں کرتے، العیاذ باللہ!

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۰۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے۔

✿ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ طریقت کا ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سلام فرشتوں کو بھی کیا جاتا ہے اور فرشتے حسب کشف اہل سلوک کے داہنے اور بائیں اور سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اور وہ ہمارے احکام کے مکلّف نہیں ہیں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 80)

جواب: صوفیا کا کشف بے حقیقت اور ابلیسی ہے، اس کے ذریعہ شرعی احکام کی علتیں بیان کرنا جائز نہیں۔ کشف کے ذریعے فرشتوں کو دیکھنا سلف اُمت میں نہیں رہا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں اس کا کوئی وجود ہے۔

نماز میں سلام اس لیے پھیرا جاتا ہے، کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب طریقہ ہے، یہ اصل مقصد ہے۔ اس کے بغیر نماز سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اب اس کی حکمتیں تلاش کرنا اور اس کے لیے صوفیانہ اصطلاحات کا سہارا لینا علمی ذوق نہیں۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

✿ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دونوں طرف یعنی

داہنے اور بائیں سلام نہیں پھیرا کرتے تھے، بلکہ اپنے منہ کے مقابل سلام پھیرا کرتے تھے۔ اس باب میں لوگوں نے یوں تطبیق دی ہے اور اس طرح احادیث کو جمع کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر تو داہنی اور بائیں جانب سلام پھیرا کرتے تھے، مگر کبھی جواز کے اظہار کے لیے منہ کے سامنے بھی فرما دیتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یوں بھی جائز ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 80)

جواب: نماز میں سامنے کی طرف سلام پھیرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، اس ضمن میں کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں، البتہ بعض موقوف روایات سے سلام کا یہ طریقہ ثابت ہے۔

تھانوی صاحب جس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں، وہ ضعیف و منکر ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهِ .

''رسول اللہ ﷺ نماز میں سامنے کی طرف ایک سلام پھیرتے تھے۔''

(سنن التّرمذي : 296، سنن ابن ماجه : 919، صحيح ابن خزيمة : 729، صحيح ابن حبان : 1995، المستدرك للحاكم :603/1)

ضعیف و منکر روایت ہے۔ زہیر بن محمد مکی سے اہل شام کی روایت ضعیف و منکر ہوتی ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَهْلُ الشَّامِ يَرْوُونَ عَنْهُ مَنَاكِيرَ .

''اہل شام زہیر بن محمد سے منکر روایات بیان کرتے ہیں۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 296)

❁ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ، هُوَ عَنْ عَائِشَةَ مَوْقُوفٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔(درست یہی ہے کہ) یہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوف ہے۔''

(عِلل الحديث : 340/2)

❁ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ مَرْفُوعًا .

''اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔''

(التّمهيد : 207/11)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اس حدیث کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(خلاصة الأحكام : 445/1)

نوٹ:

نماز میں ایک طرف یا سامنے کو سلام پھیرنے کے بارے میں تمام مرفوع روایات ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

❁ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ فِي التَّسْلِيمَةِ شَيْءٌ .

”ایک سلام پھیرنے کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔“

(الضُّعفاء الکبیر :177/1)

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّهَا مَعْلُولَةٌ لَا يُصَحِّحُهَا أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

”(ایک سلام کے متعلق، جتنی روایات ہیں،) وہ ضعیف ہیں، محدثین انہیں ثابت نہیں سمجھتے۔“

(الاستذکار :489/1، التّمهيد : 188/16)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الِاقْتِصَارِ عَلٰى تَسْلِيمَةٍ وَّاحِدَةٍ شَيْءٌ ثَابِتٌ .

”ایک سلام پر اکتفا کرنے کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔“

(خلاصة الأحكام :346/1)

سوال: درج ذیل استدلالات کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں؛ واجب، جائز، منع۔ اور ہر شخص اپنی دلیل اسی حدیث کو بتلاتا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ واجب ہے، ان کی دلیل تو صریح ہے یہی حدیث، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لاتفعلوا...... یعنی کچھ مت پڑھا کرو، مگر اُم القرآن کو۔ اور پھر اس کی علت بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کو نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی، پس اس طریق پر وجوب صریح ثابت ہوا۔ اور

جو لوگ جواز کے قائل ہیں، وہ یوں فرماتے ہیں کہ نہی کے بعد جو استثناء ہوتا ہے، اس کے لیے حکم اباحت کا ثابت ہوا کرتا ہے اور فانہ لا صلاۃ الخ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کا وصف بیان فرمایا ہے کہ یہ ایسی صورت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو نہ پڑھے، تو اس کی نماز نہ ہوگی اور دوسری سورتوں میں یہ وصف نہیں ہے اور جو لوگ منع کے قائل ہیں، وہ اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ علت منع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مقتدیوں کے پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ پر قرأت ثقیل ہو جاتی تھی۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حضرات جو حضور ﷺ کے پیچھے قرأت فرماتے تھے، تو آہستہ پڑھا کرتے تھے یا جہر سے۔ سو یہ ثابت ہوگیا کہ یہ حضرات آہستہ پڑھا کرتے تھے، پس اس حالت میں آپ ﷺ پر ثقیل ہونے کے کیا معنی؟ تو وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قلب پر بطریق کشف اور ذوق ان کا پڑھنا وارد ہوتا تھا، پس اس وجہ سے آپ نے منع فرمایا۔ اب چونکہ وجہ منع فاتحہ پڑھنے میں بھی پائی جاتی ہے، تو نہی مقتضی ہے نہ پڑھنے کو اور لا صلاۃ لمن لم یقرا سے ثابت ہوتا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک جب مبیح اور محرم میں تعارض ہوتا ہے، تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا ایسا ہی یہاں بھی ہے۔ پس اس اعتبار سے حنفیہ اس حدیث کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور تینوں فریق کے پاس احادیث ہیں۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 84-85)

جواب: تھانوی صاحب جس حدیث کے متعلق گفتگو فرما رہے ہیں، وہ یہ ہے:

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَ ةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُ ونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ، قَالَ : قُلْنَا : أَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَذًّا قَالَ : فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا .

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، تو آپ پر قرأت گراں ہوگئی، جب سلام پھیر، تو فرمایا: مجھے لگتا ہے کہ آپ اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! اللہ کے رسول!، ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں، فرمایا: ام القرآن (سورت فاتحہ) کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کریں، کیوں کہ جو اسے نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

(مسند أحمد : 322/5، سنن أبي داوٗد : 823، سنن التّرمذي :311، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۳۲۱)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۵۸۱) امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۸۴۸) اور امام بیہقی رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ: ۱۶۶/۲) نے ''صحیح'' کہا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، امام دارقطنی رحمہ اللہ (سنن: ۱/ ۳۱۹) نے سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ لَّا مَطْعَنَ فِيهِ .

''یہ سند جید ہے، اس میں کوئی کلام نہیں۔''

(مَعالم السّنن :205/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

(البدر المنیر : 547/3)

اس حدیث میں مقتدی کے لیے سورت فاتحہ پڑھنے کی صراحت ہے، بلکہ خود نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کے وجوب کے قائلین کی صریح دلیل ہے، جیسا کہ تھانوی صاحب نے فرمایا ہے۔

اس حدیث سے تھانوی صاحب نے فاتحہ خلف الامام کے جواز اور منع کا بھی استدلال کیا ہے، مگر یہ استدلال کمزور ہے؛

① ''نہی کے بعد جو استثناء ہوتا ہے، اس کے لیے حکم اباحت کا ثابت ہوا کرتا ہے۔''

عرض: اولا یہ قاعدہ درست نہیں ہے، کیونکہ محدثین عظام سب سے بڑھ کر فقہ اور اصول فقہ کو جاننے والے تھے، بلکہ اس علم کے موجد تھے، وہ اس قاعدہ کے قائل نہ تھے۔

بالفرض اس قاعدہ کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی یہ قاعدہ ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اس قاعدہ کو ہر جگہ صحیح مانیں، تو لا الہ الا اللہ میں اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننا ضروری نہ ہوگا، بلکہ کوئی مان لے، تب بھی درست ہے، کوئی نہ مانے تب بھی درست ہے (والعیاذ باللہ) کیونکہ بقول تھانوی صاحب نفی کے بعد استثنا ہو، تو حکم اباحت کا ہوتا ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ میں ایسا ہی تو ہے۔ اب جو جواب کلمہ لا الہ الا اللہ کے استثناء کا ہو، وہی حکم فلا تفعلوا الا بام القرآن کا سمجھ لیجئے، فافہم وتدبر!

② ''فانہ لا صلاۃ الخ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کا وصف بیان فرمایا ہے کہ یہ ایسی صورت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو نہ پڑھے، تو اس کی نماز نہ ہوگی اور دوسری سورتوں میں یہ وصف نہیں ہے۔''

عرض: یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواہ وہ امام ہے، مقتدی ہے یا منفرد اگر وہ نماز

میں سورت فاتحہ نہ پڑھے، تو نماز نہیں، البتہ اگر سورت فاتحہ کے بعد والی قرأت نہ کرے، تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ مگر اباحت کے قائلین مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کو واجب نہیں سمجھتے اور امام کی قرأت مقتدی کو کافی سمجھتے ہیں، یہ بات محتاج دلیل ہے، جبکہ حدیث مذکور میں صراحت ہے کہ مقتدی بھی سورت فاتحہ پڑھے گا، البتہ جہری نماز میں زائد قرأت نہیں کرے گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ خطاب مقتدیوں کو ہے، نہ کہ امام اور منفرد کو۔

③ نبی کریم ﷺ کو بطریق کشف وذوق معلوم ہوا کہ صحابہ آہستہ قرأت کر رہے تھے۔

عرض: تھانوی صاحب کی یہ بات بالکل بھی درست نہیں، کیونکہ جب صحابہ فاتحہ کے بعد بھی قرأت کر لیتے تھے، تو نبی کریم ﷺ پر پڑھنا بھاری گزرتا تھا، تب آپ ﷺ نے پوچھا: کیا آپ میرے پیچھے کچھ پڑھتے ہیں، صحابہ عرض گزار ہوئے: جی ہاں۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا اور فاتحہ کے بعد والی قرأت سے منع کر دیا۔ یہاں کشف اور ذوق کہاں؟

نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کو کشف وذوق پر محمول کرنا نری گمراہی ہے اور اہل سنت والجماعت سے انحراف ہے۔ یہ کسی گمراہ صوفی کی کارستانی ہے، جسے تھانوی صاحب نے اپنا دین بنالیا ہے۔

④ ”حنفیہ کے نزدیک جب مبیح اور محرم میں تعارض ہوتا ہے، تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔“

عرض: پہلی بات کہ یہاں مبیح اور محرم کی بات ہی نہیں ہے، نیز اس حدیث سے اباحت اور ممانعت کا استدلال ہی درست نہیں، بلکہ وجوب کا استدلال صریح ہے، جس میں

کسی دوسری معنی کا احتمال نہیں، تو اس ''قاعدہ'' کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

⑤ ''تینوں فریق کے پاس احادیث ہیں۔''

عرض: مقتدی، امام اور منفرد کے لیے سورت فاتحہ پڑھنے پر کئی صحیح اور صریح احادیث ہیں، بھلا جو لوگ مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کے محض جواز یا حرام ہونے کے قائل ہیں، ان کی احادیث کہاں ہیں؟ کیا وہ احادیث اس مسئلہ میں صریح ہیں اور کیا وہ اُصول محدثین کی روشنی میں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں؟

لہٰذا تھانوی صاحب یہ کہنا کہ تینوں فریق کے پاس احادیث ہیں، درست نہیں۔ یہ حقیقت کے خلاف بات ہے۔

ان سب کے ہوتے ہوئے ایک ہی جواب ہے کہ اسلاف اُمت ان احادیث کا یہ مطلب ومعنی یا تاویل نہیں کرتے تھے، جو حضرت تھانوی صاحب ذکر فرما رہے ہیں۔ محدثین عظام سب سے بڑھ کر نصوص کو سمجھنے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے تھے۔ ان کے علم وعمل کے مقابل جو ہے، وہ جہالت وگمراہی ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ محدثین کے علم پر اکتفا نہ کرنا بہت بڑی ناکامی ہے۔ علم یہ نہیں کہ محدثین کے مخالف قواعد وضع کیے جائیں اور اپنی مرضی سے جہاں جی چاہیں انہیں اپنا لیں اور جہاں چاہیں ان کا خون کر دیں، بلکہ علم یہ ہے کہ محدثین کے علم پر اعتماد کیا جائے۔

فائدہ:

یاد رہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کے حوالہ سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”یہ حدیث مانعین کی دلیل صریح ہے اور مجوزین اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ حدیث محمول ہے غیر فاتحہ پر اور جاننا چاہیے کہ ایک مسئلہ طریقت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال باعتبار مورد تجلی اللہ حق سبحانہ کے مختلف تھے اور سورت فاتحہ دعا ہے اور امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ سب کی طرف سے حق تعالیٰ کے سامنے عرض و معروض کردے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 85)

جواب: تھانوی صاحب جس حدیث سے استدلال کررہے ہیں، وہ یہ ہے:

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

هَلْ قَرَأَ مَعِي مِنْكُمْ أَحَدٌ؟، فَقَالَ رَجُلٌ : نَعَمْ أَنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنِّي أَقُولُ : مَا بَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ؟

”کیا کسی نے میرے ساتھ قرأت کی؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں، میں نے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں بھی کہوں کہ مجھ پر قرآن پڑھنا مشکل کیوں ہو رہا ہے؟“

(مسند الحميدي : 983، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:

فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَ ةِ، فِيمَا جَهَرَ بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”جہری نماز میں لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے۔“

یہ امام زہری رحمہ اللہ کا مدرج قول ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے بعد صحابہ کرام جہری نمازوں میں فاتحہ کے بعد والی قرأت کرنے سے رک گئے۔ اس سے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا استدلال کرنا درست نہیں۔ اسے سورت فاتحہ سے منع کرنے والے دلیل صریح قرار دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ ائمہ ومحدثین میں سے کسی نے اسے فاتحہ کی قرأت کی ممانعت پر دلیل نہیں بنایا۔

تنبیہ:

قَالَ الزُّهْرِيُّ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَانْتَهَى النَّاسُ.

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ (جہری نمازوں میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنے سے) رک گئے۔''

(سنن أبي داود، تحت الحديث: 827)

یہ قول منقطع ہے، امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

تھانوی صاحب اپنے مزاج کے مطابق ہر حدیث کو طریقت اور تصوف کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کا طرز استدلال ائمہ ومحدثین کا سا نہیں ہے، وہ صوفیانہ فکر کے حامل ہیں اور اس فکری جوش میں وہ ان صوفیانہ احوال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں، جو کہ کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔

دوسری بات کہ نماز میں سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے، یہ محض دعا نہیں کہ جس میں ایک شخص قرأت کر لے اور دوسرا آمین کہہ دے اور بس۔ سورت فاتحہ پڑھنا امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک کے لیے لازم ہے۔

تھانوی صاحب سورت فاتحہ پڑھنے کے حوالہ سے صریح احادیث کو مجمل اور غیر منطقی دلائل سے رد کرنے کے درپے ہیں، جو ان کے لائق نہیں ہے۔

سوال: درج ذیل ''منطقی دلیل'' پر تبصرہ درکار ہے؟

علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اب یہ سمجھنا چاہیے کہ بادشاہوں کی مختلف حالت ہوتی ہے، کبھی تو ان کے ادب وجلال کا یہ مقتضی ہوتا ہے کہ ایک آدمی عرض کرے اور باقی سب خاموش دست بستہ کھڑے رہیں اور کبھی انبساط کی شان ہوتی ہے، جس میں بادشاہ چاہتا ہے کہ سب لوگ ہم سے طلب کریں، سو اگر حالت انبساط میں اگر کوئی شخص بے تکلف رہے اور ادب نہ کرے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر حالت جلال میں ادب نہ کیا، تو غضب آ جائے گا، اسی طرح حق تعالیٰ کے جو اسما مقدسہ ہیں، ان میں ہر نام کی ایک وقت میں تجلی ہوتی ہے، بعض اوقات باسط کی، سو اگر اس وقت کچھ ادب نہ کریں، تو کچھ حرج نہیں ہے اور کبھی قابض کی تجلی ہوتی ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ ضرور ادب کیا جاوے، پس جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جب دیکھتے تھے کہ اس وقت تجلی باسط کی ہے، تو اس وقت سب پڑھتے تھے اور جس وقت دیکھا کہ اس وقت تجلی قابض کی ہے، اس وقت مقتدی لوگ خاموش رہتے تھے اور امام سب کی طرف سے عرض معروض کرتا تھا۔ یہ نکتہ ہے سورت فاتحہ خلف الامام کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے باب میں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 86)

جواب: سچ ہے کہ جو شخص تقلید کے بھنور میں پھنس جاتا ہے، وہ اپنے مذہب کے

خلاف حق قبول کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، بلکہ اسے رد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ یہی معاملہ عبارت مذکورہ میں حضرت تھانوی صاحب کے ساتھ پیش آیا ہے۔

جب سورت فاتحہ خلف الامام پر صریح اور واضح نصوص وارد ہوئیں، تو تھانوی صاحب ان کا جواب دینے سے قاصر رہے، انہیں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ صحابہ کرام امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔ پھر ان دلائل کو بھی صوفی لبادہ پہنا دیا کہ صحابہ ایسا حالت انبساط میں کر لیتے تھے۔

ہم تھانوی صاحب کی عبارت پر یوں عرض کریں؛

① ''بادشاہوں کی مختلف حالت ہوتی ہے۔''

عرض: سورت فاتحہ خلف الامام کے صریح حکم کو جھٹلانے کے لیے پہلی غلطی جو تھانوی صاحب نے کی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال بادشاہوں کے ساتھ دی۔ یہ نص کی واضح مخالفت ہے۔ کیا دین مثالوں سے ثابت ہوتا ہے، پھر مثال بھی وہ جو صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہو......۔ وہ حدیث جس کا تعلق نماز جیسی عبادت سے ہو۔

② مقتدی کا فاتحہ نہ پڑھنا ادب اور پڑھنا بے ادبی۔

عرض: کیا سورت فاتحہ پڑھنے کو بے ادب اور بے تکلفی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جبکہ مقتدی کے لیے سورت فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی دلیل نہیں؟ سلف اُمت اس طرح کی بے تکی باتوں سے ناواقف تھے۔ یہ سچ ہے کہ زندقت اور الحاد کی جڑ تقلید ہے، جو انسان کو شریعت مطہرہ کے مقابل دین گھڑنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ شریعت کے مقابل وضعی دین کو طریقت کا نام دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

③ اللہ تعالیٰ کی صفت باسط اور صفت قابض کی تجلی ہوتی ہے۔

عرض: ائمہ اہل سنت والجماعت اور سلف اُمت اسمائے حسنیٰ کی تجلی کی باتیں نہیں کرتے تھے، یہ خالص اہل کلام اور صوفیا کا طرز کلام ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ومحدثین اس طرح کی گفتگو سے احتراز برتتے تھے۔ معلوم نہیں تھانوی صاحب کو صحابہ کرام کے متعلق ایسی باتوں کا علم کیسے ہو جاتا ہے، انہیں کیسے پتا چلا کہ صحابہ ادب کرتے ہوئے فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور بے ادبی اور بے تکلفی کی صورت میں سورت فاتحہ پڑھ لیتے تھے، نیز صحابہ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ باسط کی تجلی فرما رہا ہے اور فلاں وقت قابض کی تجلی فرما رہا ہے؟ حالانکہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، تھانوی صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز عام مسلمانوں کے لیے پیچیدہ بنا دی ہے۔

تھانوی صاحب کی اس منطقی دلیل پر شدید افسوس ہے کہ انسان کس حد تک علمی فکر سے محروم ہو سکتا ہے؟!!

شرعی مسائل کو صوفی فکر سے سمجھنا اور ائمہ، محدثین اور فقہائے اُمت کی کاوشوں کو پس پشت ڈال دینا کہاں کا انصاف ہے؟

سچ ہے کہ گمراہی سے بچنے کا واحد راستہ محدثین عظام کا مسلک ہے، جو دین میں کمال تفقہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سراپائے خیر بنایا تھا۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے:

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''پس جہاں دو علتیں (تزیین اور تشہیر) نہ ہوں، وہاں چراغ جلانا قبور پر مضائقہ نہیں، مثلاً؛ کسی قبر پر زائرین شب کو بھی آتے ہیں اور وہاں اندھیرا رہتا ہے، تو چونکہ زائرین کو بوجہ ظلمت شب تکلیف ہوتی ہے، پس اس وجہ سے اگر

چراغ جلا دیا جائے، تو مضائقہ نہیں، کیونکہ وہاں دونوں علتیں نہی کی موجود نہیں۔ مگر اس زمانہ میں ایسے اعمال میں بے شمار مفاسد ہو گئے ہیں، اس لیے علی الاطلاق لوگوں کو منع کرنا واجب ہے۔

حضرت شاہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں قبور کا پختہ بنانا اور ان پر چراغ جلانا کچھ مضائقہ نہیں ہے، البتہ پہلے زمانے میں منع تھا، کیونکہ وہ حضرات اہل بصیرت تھے اور ان کی نظروں میں اولیاء اللہ کی قدر ومنزلت تھی اور اس زمانہ میں ایسے حضرات بہت کم ہیں اور عوام الناس زیادہ ہیں اور یہ لوگ بغیر ایسی چیزوں کے بزرگوں کی وقعت نہیں کرتے اور ان کے فیوض وبرکات سے محروم رہتے ہیں۔ دوسری یہ بات ہے کہ کفار کے معابد خوب آراستہ ہیں، تو اگر بزرگوں کے مزار آراستہ نہ ہوں، تو ایک گونہ اسلام کی ہتک ہے۔ پس تزیین مزارات اولیا میں شوکت اسلام ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 88)

جواب: قبروں اور آستانوں پر چراغ جلانا اور قندیلیں روشن کرنا انتہائی قبیح فعل ہے۔ یہ لغو وعبث کام ہے، جو دین میں اضافہ ہے۔

قبروں پر چراغ جلانا خواہ کسی بھی مقصد کے لیے ہو، قبروں کی غیر شرعی تعظیم ہے۔ اگر کفار کے معبد خانوں پر چراغ جلائے جاتے ہیں، تو کیا اولیائے کرام کی قبروں پر بھی ایسا کیا جائے؟ یہ کہاں کی منطق ہے؟ اصول تو یہ ہے کہ اگر کوئی کام کفار کرتے ہیں، ہمیں اس کام سے مجتنب رہنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ کام ہماری شریعت میں مشروع ہی نہ ہو، تا کہ غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

پھر تھانوی صاحب نے عبارت مذکورہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قبور سے بھی فیوض و برکات ملتی ہیں۔ یہ بڑی گمراہی ہے۔ وہ کون سا فیض اور برکت ہے، جس کے لیے قبروں پر چراغ روشن کرنے پڑتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سب سے عظیم ہستی کی قبر مبارک تھی، مگر انہوں نے کبھی بھی قبر سے فیض حاصل کرنی کی کوشش نہ کی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر چراغ روشن کیے، نہ وہاں میلہ لگایا، نہ وہاں رَش بنایا، نہ وہاں دعائیں اور التجائیں کیں۔ قبروں سے فیوض و برکات حاصل ہونے کا نظریہ قبوریوں والا ہے۔

دراصل بدعت ایک مجرمانہ ذوق رکھتی ہے، ایک بدعت سے کئی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اسی لیے اہل علم نے قبروں پر چراغ جلانے کو بدعت کہا ہے، کہ اس سے اہل قبر کی غیر شرعی تعظیم لازم آتی ہے، علمائے احناف نے بھی اس عمل کو بدعت قرار دیا ہے۔

❀ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

إِيقَادُ النَّارِ عَلَى الْقُبُورِ، فَمِنْ رُسُومِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْبَاطِلِ وَالْغُرُورِ.

”قبر پر آگ جلانا جاہلیت کی ایک رسم، باطل اور دھوکہ ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری: 1/167)

سوال: درج ذیل بات کیسی ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”بیت اللہ ساتوں آسمانوں تک ہے حکماً۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 104)

❀ علمائے احناف نے لکھا ہے:

أَمَّا الْقِبْلَةُ فَهِيَ إِلٰى عَنَانِ السَّمَاءِ.

”قبلہ کی حد آسمان کی بلندیوں تک ہے۔“

(الهِداية :1/94، تبيين الحقائق للزيلعي الحنفي :1/100، مَجمع الأنهر لشيخي زاده :1/191، الدّرّ المختار للحصكفي، ص 89، رد المُحتار للشّامي :1/656)

جواب: یہ بات محتاج دلیل ہے۔اس طرح کی بات کرنا مناسب نہیں۔البتہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تمام اہل زمین کو ہے،خواہ وہ کہیں بھی ہوں،زمین کی پشت پر ہوں، یا پہاڑوں پر ہوں یا فضا میں ہوں۔مگر یہ کہنا ساتویں آسمان تک بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے، بے دلیل بات ہے، واللہ اعلم!

سوال: درج ذیل روایت کا کیا حکم ہے؟

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ، أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ .

”جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے قطات (کبوتر نما پرندہ) کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا۔“

(التاريخ الكبير للبخاري :1/332، سنن ابن ماجه : 738)

جواب: اس کی سند صحیح ہے۔اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۲۹۲) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❀ حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(التّرغيب والتّرهيب :1/120)

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''متقدمین نے فثم وجہ اللہ کے معنی حقیقی مراد لیے ہیں۔یعنی جہاں کہیں تم منہ پھیرو، تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا منہ ہے۔لیکن متقدمین نے یہ بھی کہا ہے کہ حق تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں ہے اور ہم ان ظاہری معنی کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن اصلی معنی نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے کیا غرض ہے۔

اور متاخرین بضرورت اس کے معنی مجازی متعین فرمائے ہیں اور وہ ضرورت یہ ہے کہ متقدمین کی توجیہ پر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوتا تھا، کیونکہ نصاریٰ بھی یہی کہتے ہیں کہ تین خدا ہیں، مگر ہم سمجھ نہیں سکتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 103)

جواب: جو شخص باطنی صوفیوں کے عقائد پر ہو، وہ مسلک ائمہ اہل سنت کو کیسے سمجھے گا؟ تھانوی صاحب نے دبے لفظوں میں متقدمین ائمہ کو غلط قرار دے دیا اور ان کے عقیدہ پر یہ کہہ کر حرف گیری کر دی کہ متقدمین کی توجیہ پر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ بے حقیقت بات ہے، متقدمین ائمہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی صفات کو ایسے مانتے تھے، جیسے باری تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کی ہیں یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی ہیں۔ ان کی کیفیت اللہ کے سپرد کرتے ہیں، ان کے معانی کو سمجھتے ہیں، تاویل، تعطیل، تشبیہ، تمثیل اور تفویض سے بچتے ہیں۔ حق متقدمین کے ساتھ ہے، نہ کہ متکلمین مطففین کے ساتھ۔

تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ ''لیکن متقدمین نے یہ بھی کہا ہے کہ حق تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔'' درست نہیں، کیونکہ متقدمین اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرتے

تھے، ان کے یہاں بالاتفاق یہی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر بلند ہے، کما یلیق بشانہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے لیے بلندی کی جہت ثابت کی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی اس بارے میں قولی اور تقریری احادیث ہیں۔ اس کا انکار محض گمراہی اور جہمیت ہے۔

سوال: اس عبارت پر تبصرہ درکار ہے۔

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

"امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک سجدہ سہو بعد سلام کے ہے۔"

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 111)

جواب: **اولاً**: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت بے دلیل ہے۔

ثانیاً: نبی کریم ﷺ سے سلام سے پہلے بھی سجدہ سہو کرنا ثابت ہے۔

(صحيح البخاري : 1230، صحيح مسلم : 580)

اور سلام کے بعد بھی۔

(صحيح البخاري :601)

مگر ایک سنت کو اختیار کرنا اور دوسری کو چھوڑ دینا درست نہیں۔ علم کا تقاضا یہی تھا کہ دونوں طریقوں کو ہی جائز کہا جائے، تاکہ دونوں سنتوں پر عمل ہو سکے۔

نوٹ:

مقلدین احناف کا سجدہ سہو کا طریقہ نبی کریم ﷺ، کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں۔

سوال: تھانوی صاحب کی اس عبارت پر کیا کہیں گے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”بعض اولیاء اللہ اور بعض صحابہ بھی ایسی نماز پڑھتے تھے کہ اس میں بالکل مستغرق ہو جاتے تھے اور دنیا اور وما فیہا کی کچھ خبر ان کو نہیں رہتی تھی، تو کیا جناب رسول اللہ ﷺ اس درجہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے، جس سے آپ بھی دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتے؟

جواب یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ مقامات بہت ہیں، چند مقام یہاں بیان کر دیے جاتے ہیں؛ اول ناسوت، دوسرا ہاہوت، تیسرا لاہوت چوتھا جبروت، پانچواں ملکوت...... سو جو شخص پہلے مقام میں ہوتا ہے، اس کو اس عالم کی کچھ خبر نہیں رہتی کہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر رسول اللہ ﷺ چونکہ منتہی تھے، پس مقام ناسوت میں بھی آپ پر سب کچھ منکشف ہو جاتا تھا اور ہر جگہ حق تعالیٰ ہی نظر آتا تھا، لہٰذا اس اعتبار سے آپ (ﷺ) ہر شے باعتبار اس کے مظہر حق ہونے کے منکشف ہو جاتی تھی۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 115-116)

جواب: تھانوی صاحب پر صوفیت اس قدر غالب ہے کہ وہ صوفیا کی گمراہ کن حالتوں کو کسی پر بھی تھونپ دیتے ہیں، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی ان حالتوں کو اجرا کر دیا۔ صوفیا جن پانچ مقامات کی بات کرتے ہیں، یہ بے حقیقت ہیں، یہ ابلیسی تسلط کا دوسرا نام ہے۔ جس پر جس قدر شیطان غلبہ پالے، اسے اس قدر قوی حالت مل جاتی ہے۔ ائمہ محدثین اور خیر القرون کے مسلمان ان حالتوں سے ناواقف تھے، کسی صحابی یا ولی کا نماز میں اس قدر مستغرق ہو جانا کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ ہو ثابت نہیں، یہ صحابہ کی طرف بے ثبوت بات منسوب کی گئی ہے۔

یہ کہنا کہ ''(نبی کریم ﷺ کو) ہر جگہ حق تعالیٰ ہی نظر آتا تھا۔'' عقیدہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود کا اظہار ہے، جس کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دیا گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے اور ائمہ اہل سنت کے عقیدہ سے انحراف ہے۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود کفریہ اور شرکیہ عقیدہ ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۰۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل توجیہ کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ .

”جب کوئی آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو، تو کنکریوں کو نہ چھیڑے، کیونکہ رحمت الٰہی اس کے سامنے ہوتی ہے۔“

(مسند أحمد : 5/150-163-179، مسند الحميدي : 128، سنن أبي داوٗد : 945، سنن النّسائي : 1191، سنن التّرمذي : 379، سنن ابن ماجه : 1027، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن“، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۲۱۹)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۹۱۳، ۹۱۴) امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۲۷۳، ۲۲۷۴) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (بلوغ المرام: ۱۸۹) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس حدیث کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت محیط ہے اور محیط کو جب تک مقید نہ سمجھے گا، تو خشوع وخضوع نہیں ہوسکتا ہے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 117)

جواب: اسلاف اُمت کے ہاں یہ معنی ہرگز نہیں، جو تھانوی صاحب فرما رہے ہیں۔ سلف اُمت کے معانی و مطالب پر اکتفا کرنا چاہیے، اسی میں عافیت ہے۔ رحمت الٰہی کو مقید کرنے کا معنی کرنا درست نہیں۔

سوال: تھانوی صاحب کے دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے کہ اس شخص کی نماز ہوئی یا نہیں، کیونکہ یہ شخص بول پڑا در میان نماز میں، سو علمائے شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس کی نماز ہوگئی، اس لیے کہ یہ شخص سہواً بولا اور سہواً بولنا معاف ہے، یعنی وہ شخص تھا تو نماز میں مگر اس کو یقین ہو گیا تھا میں نماز میں نہیں ہوں، اس وجہ سے بول پڑا جیسا کہ کسی کا روزہ ہو اور اس کو روزہ یاد نہ رہے اور کچھ کھا پی لے، تو روزہ نہیں جاتا اور علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں نماز جاتی رہے گی۔ اور اس کا قیاس روزہ پر کیسے ہوسکتا ہے، اس لیے کہ روزہ تو عبادت وجودی نہیں، یعنی اس کی کوئی ہیئت ایسی ظاہر نہیں، جو مذکر صوم ہو اور نماز عبادت وجودی ہے اور اس کی ہیئت مذکر صلوٰۃ ہے۔ پس ایسی صورت میں بولنا بڑی سخت غفلت ہے اور حنفیہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 121)

جواب: تھانوی صاحب کی زیر بحث حدیث درج ذیل ہے:

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَادَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ نَقَصَ، قَالَ مَنْصُورٌ : قَالَ إِبْرَاهِيمُ : النَّاسِيُّ ذٰلِكَ عَلْقَمَةُ أَوْ عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ قَالَ : وَمَا ذَاكَ؟ فَأَخْبَرْنَاهُ بِالَّذِي صَنَعَ فَثَنٰى رِجْلَهٗ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيْنَا فَقَالَ : إِنَّهٗ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ لَّنَبَّأْتُكُمْ وَلٰكِنِّي بَشَرٌ أَذْكَرُ كَمَا تَذْكُرُونَ وَأَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي وَأَيُّكُمْ مَا شَكَّ فِي صَلَاتِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحْرٰى ذٰلِكَ إِلَى الصَّوَابِ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ .

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، تو اس میں کمی یا بیشی کر دی، ابراہیم کہتے ہیں : یہ شبہ علقمہ کو ہوا یا علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود سے نقل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کرنے کے بعد ہماری طرف منہ کیا تو ہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آ گیا ہے؟، فرمایا: کیا ہوا؟، ہم نے بتایا، تو آپ نے پاؤں موڑا اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کیے، پھر ہماری طرف رخ انور کر کے فرمایا: اگر نماز کے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہوتا، تو میں آپ کو آگاہ کر دیتا، لیکن میں بھی انسان ہوں، آپ کی طرح یاد بھی رکھتا ہوں اور بھول بھی جاتا ہوں، جب میں بھول جاؤں، تو یاد کروا دیا کریں۔ جسے بھی نماز میں شک

ہو جائے تو وہ زیادہ صحیح کا تعین کرے، پھر اس کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کر لے۔''

(صحيح البخاري :401، صحيح مسلم :572، المُنتقٰى لابن الجارود :244)

بھول کر نماز مکمل سمجھ کر سلام پھیر دیا، بعد میں گفتگو بھی کر لے، اس کے بعد بقیہ نماز پڑھی اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس پر صحیح اور صریح احادیث دلالت کناں ہیں۔ مذکورہ حدیث بھی اس پر شاہد عدل ہے، مگر احناف اسے بغیر دلیل کے منسوخ سمجھتے ہیں۔ محدثین کی احادیث کو محدثین کے علاوہ کسی کو منسوخ قرار دینے کا حق نہیں۔ وہ اپنے احادیث کو دوسروں سے بہتر جانتے ہیں۔ اہل تقلید کا یہ مسئلہ ہے کہ جب وہ اپنے مذہب کے خلاف وارد کسی حدیث کی معقول توجیہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو اسے منسوخ قرار دیتے ہیں۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❀ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهٗ : أَتَكَلَّفُ هٰذَا؟ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَقَالَ : أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (لمبی لمبی) نماز پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سوجھ جاتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، جبکہ اللہ کے آپ کے گذشتہ اور آئندہ کے گناہ بھی معاف فرما دیے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

(صحیح مسلم : 2819)

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا تھا کہ آپ اس قدر عبادت کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ حق تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں۔ پس اس قدر مشقت اٹھانے کی کیا حاجت ہے؟ تو آپ نے جواب میں یہ فرمایا کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر اس قدر فضل فرمایا ہے، تو مجھ کو اور بھی زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ واصلین کی یہی حالت ہوتی ہے اور مرتبے دو ہیں؛ ایک واصلین کا مرتبہ اور ایسے حضرات کا محنت اور مشقت کرنا ہم لوگوں کی نظر میں گراں معلوم ہوتا ہے کہ بڑی مشقت میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت میں ان کو اس حالت میں بڑی راحت اور لذت ہوتی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کے پاس رات کے وقت جاوے اور وہاں جا کر زنجیر دروازے کی ہلاوے، پس وہ دوست باہر نکل آوے اور باتیں کرنے لگے، تو اس وقت اس شخص کو کیسی کچھ لذت وراحت معلوم ہوگی، اگر چہ کھڑے کھڑے تمام رات گذر جائے۔ اور اگر وہ دوست یوں کہہ دے کہ تم چلے جاؤ تو اس کے حق میں جو دوست کے گھر آیا ہے، غضب آ جائے اور یہی معنی ہیں؛ النوم اخو الموت کے۔ اور دوسرا مرتبہ ہے طالبین کا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی اپنے کسی دوست کے پاس شب کے وقت جائے اور جا کر کنڈی

ہلاوے اور ہاں سے کچھ آواز نہ آئے، تو وہاں کھڑا رہنا فضول ہے۔ پس اس لیے آپ نے طالبین کو زیادہ محنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 128)

جواب: تھانوی صاحب ہر حدیث کو صوفیانہ تصور سے دیکھتے ہیں، شریعت تو گویا ان کے ہاں ثانوی شے ہے۔ تھانوی صاحب خوامخواہ آسان سے دین کو پیچیدہ اور مشکل بنا دیتے ہیں۔ واصلین اور طالبین کی تقسیم خالص صوفیا کی تقسیم ہے، خیر القرون اور ائمہ محدثین کے زمانہ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

اس پر مزید تبصرہ کی شاید حاجت نہیں، بس اتنی عرض ہے کہ دین کتاب وسنت کی نصوص اور فہم سلف کا نام ہے، اسے محض مثالوں سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ .

''فرض نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نفل نماز نہیں ہوتی۔''

(مسند الإمام أحمد : 331/2؛ صحيح مسلم : 710)

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو جانے کے وقت سنت وغیرہ کچھ نہ پڑھنا چاہیے، مگر ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح کی جماعت ہوتی ہو، تو اگر کسی نے سنتیں فجر کی نہ پڑھی ہوں، وہ سنتیں ادا کرے۔

پس یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 129)

جواب: یہ حدیث عام ہے اور فجر کی سنتوں کو بھی شامل ہے، لہٰذا نماز فجر کی اقامت کہہ دی جائے، تو مسجد کے اندر یا صحن میں سنتیں ادا کرنا جائز نہیں، اسے چاہیے کہ جماعت میں شامل ہو جائے اور بعد میں سنتوں کی قضا دے دے۔

تھانوی صاحب نے اس حدیث سے فجر کی سنتوں کو خاص کیا ہے اور بطور دلیل ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ حدیث کہاں ہے، جس نے فجر کی سنتوں کو خاص کر دیا ہے۔ ایک صحیح حدیث کے عموم کو بغیر کسی دلیل کے خاص کرنا علمی رویہ نہیں۔

اس مسئلہ میں احناف نے بعض آثار سے بھی استدلال کیا ہے، مگر وہ آثار یا تو ضعیف و غیر ثابت ہیں، یا اپنے معنی میں واضح نہیں۔

جبکہ اس کے خلاف کئی صحیح احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے کہ فرض نماز کھڑی ہو جائے، تو کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے، خواہ فجر کی سنتیں ہوں یا کوئی اور نفل۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

رَدُّ السُّنَّةِ الصَّحِيْحَةِ الصَّرِيْحَةِ أَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ التَّنَفُّلُ إِذَا أُقِيْمَتْ صَلَاةُ الْفَرْضِ، كَمَا فِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ.

''صحیح اور صریح سنت ہے کہ فرض کی اقامت کے بعد نفل ناجائز ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ احناف نے اس سنت کو ردّ کیا ہے۔''

(إعلام الموقّعين : 375/2)

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے:

علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''پہلی حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چھ رکعتیں ہیں اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس ہیں۔ دونوں طرح ثابت ہیں، جس کو چاہے اختیار کرے اور بیس کا افضل ہونا محتاج بیان نہیں اور اس باب میں گفتگو ہے کہ یہ رکعتیں چھ اور بیس علاوہ مغرب کی سنتوں کے ہیں یا مع اس کے ہیں۔ میرے نزدیک ان سنتوں کے علاوہ ہیں۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 131)

جواب: بلاتعین مغرب اور عشاء کے درمیان نماز نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ مگر مغرب اور عشاء کے درمیان نماز کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں، ساری کی ساری ''ضعیف'' اور ناقابلِ حجت ہیں۔

اس سلسلہ میں تھانوی صاحب نے چھ اور بیس رکعات کے بارے میں دو احادیث سے استدلال کیا ہے، جن کی استنادی حیثیت ملاحظہ ہو؛

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، عِشْرِینَ رَکْعَةً بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِي الْجَنَّةِ.

''جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعات ادا کیں، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔''

(سنن ابن ماجہ: 1373)

من گھڑت روایت ہے۔ یعقوب بن ولید مدنی کذاب ووضاع ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِنَ الْكَذَّابِيْنَ الْكِبَارِ وَكَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ .

''بڑا جھوٹا تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 216/9)

الکامل لابن عدی (۱۴۹/۵) میں اس کا ایک ''ضعیف'' شاہد ہے، جس کی سند میں عمرو بن جریر کوفی کذاب ہے۔

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ يَكْذِبُ .

''جھوٹ بولتا تھا۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 224/6)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَّمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً .

''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعت ادا کیں اور ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کی، وہ اس کے لئے بارہ سال عبادت کے برابر کردی جائیں گی۔''

(سنن التّرمذي : 435، سنن ابن ماجه : 1374، صحيح ابن خزيمة : 1195)

سند سخت ضعیف ہے۔

① عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ انہوں نے اسے منکر الحدیث اور سخت ضعیف کہا ہے۔“

(سنن الترمذي : 435)

② یحییٰ بن ابی کثیر کا عنعنہ ہے۔

(سوال): ایک رکعت وتر کے متعلق اس عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے؛

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”بعضوں کے نزدیک وتر ایک ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور جن کے نزدیک وتر تین ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ کے یہ معنی ہیں کہ ایک رکعت کے ذریعہ سے جفت رکعتوں کو وتر کرلو یعنی مجموعہ کو وتر بنالو۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 132)

(جواب): ایک رکعت وتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں، گوکہ ایک سلام کے ساتھ تین وتر پڑھنا بھی صحابہ اور سلف اُمت سے ثابت ہے۔

تھانوی صاحب نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کے الفاظ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ کا جو معنی کیا ہے، وہ درست نہیں، ایک رکعت وتر مستقل نماز ہے۔ مگر تھانوی صاحب کی مجبوری محض تقلید جامد ہے۔ اپنے مذہب کی تقویت کے لیے ایک سنت سے پیچھا چھڑا لینا ”بڑے جگرے“ کا کام ہے، جو ہر ایک کے بس میں نہیں۔

وتر ایک، تین، پانچ، سات اور نو تک ثابت ہیں۔ اہل حدیث بحمداللہ ان سب سنتوں کے قائل و فاعل ہیں۔ مگر ایک وتر کی سنیت کا انکار کرنا سمجھ سے باہر ہے۔

ذرا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے مختلف الفاظ پر غور کریں، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا، اللہ کے رسول! قیام اللیل کیا ہے؟ فرمایا:

صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ، صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى.

''رات کی نماز دو دو رکعت ہے، صبح کا خدشہ ہو، تو ایک وتر پڑھ لیں، وہ رکعت ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔''

(صحيح البخاري : 990، صحيح مسلم : 749)

❁ صحیح مسلم (158/749) کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ مِّنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

''رات کے آخری حصے میں ایک وتر پڑھ لیں۔''

❁ صحیح مسلم (752، 753) میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

''رات کے آخری پہر ایک رکعت وتر ہے۔''

❁ صحیح مسلم (159/749) کی ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا رَأَيْتَ أَنَّ الصُّبْحَ يُدْرِكُكَ، فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ.

’’رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب آپ دیکھیں کہ صبح ہونے کو ہے، تو ایک وتر پڑھ لیں۔‘‘

ایک وتر ساری نماز کو طاق بنا دے گا، مراد یہ ہے کہ وتر حقیقت میں آخری رکعت ہے، باقی نماز اسی کی وجہ سے وتر (طاق) ہو جاتی ہے۔

❀ علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ صَحَّ عَنْ جَمْعٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُمْ أَوْتَرُوْا بِوَاحِدَةٍ دُوْنَ تَقَدُّمِ نَفْلٍ قَبْلَهَا .

’’صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ انہوں نے پہلے کوئی نفل پڑھے بغیر ایک وتر ادا کیا۔‘‘

(التّعليق المُمَجّد :119/1)

❀ علامہ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

’’وتر کی رکعت احادیثِ صحاح میں موجود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہما صحابہ کرام اس کے مقر اور مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ کا وہ مذہب، پھر اس پر طعن کرنا ان سب پر طعن ہے، کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانہ؟‘‘ (براہین قاطعہ، ص 7)

اس کتاب پر علامہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب کی تقریظ بھی ہے۔

سوال: ذیل کی عبارت پر تبصرہ درکار ہے:

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

’’چونکہ وتر کا ثبوت خبر واحد سے ہے، اس لیے اس کو فرض نہیں کہہ سکتے، واجب

کہیں گے۔"

(تقریر ترمذی،حصہ اول،صفحہ 134)

جواب: یہاں تھانوی صاحب نے دو باتیں کہی ہیں:

① وتر کا ثبوت خبر واحد سے ہے، اس لیے اس کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

② وتر واجب ہے۔

پہلی بات: احناف کے نزدیک جو چیز خبر واحد سے ثابت ہو، وہ فرض کا درجہ نہیں رکھتی، بلکہ واجب ہوتی ہے اور جو چیز قرآنی نص یا متواتر دلیل سے ثابت ہو، وہ فرض ہوتی ہے۔ تھانوی صاحب نے عبارت مذکورہ میں احناف کی نمائندگی کی ہے، کیا فرض اور واجب کا یہ فرق ائمہ ومحدثین سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

خبر واحد کی سند صحیح ہو، تو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، اس سے فرضیت ثابت ہو سکتی ہے۔ بعض متکلمین نے خبر واحد کے متعلق عجیب وغریب قسم کے اصول وضع کیے، تو محدثین نے ایسے اصولوں کا رد کیا اور نصوص سے ثابت کیا ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے اور فرضیت ووجوب اور سنیت بھی۔

دوسری بات: تھانوی صاحب نے وتر کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ احناف کا مؤقف ہے، مگر وتر کو واجب کہنا بے دلیل ہے، احناف کے علاوہ تمام علما کا اتفاق ہے کہ وتر واجب یا فرض نہیں۔

❀ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقَوْلُ بِأَنَّ الْوِتْرَ سُنَّةٌ لَيْسَ بِوَاجِبٍ يَكَادُ أَنْ يَكُونَ إِجْمَاعًا لِشُذُوذِ الْخِلَافِ فِيهِ.

”وتر سنت ہے، واجب نہیں، اس پر تقریباً اجماع ہے، کیونکہ اس بارے میں اختلاف شاذ ہے۔“

(الاستذکار : 114/2)

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ قَوْلُ عَوَامِّ أَهْلِ الْعِلْمِ غَيْرِ النُّعْمَانِ، فَإِنَّهُ خَالَفَهُمْ، وَزَعَمَ أَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ، وَهٰذَا الْقَوْلُ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلْأَخْبَارِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافُ مَا عَلَيْهِ عَوَامُّ أَهْلِ الْعِلْمِ عَالِمِهِمْ وَجَاهِلِهِمْ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا سَبَقَهُ إِلٰى مَا قَالَ، وَخَالَفَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوا كَقَوْلِ سَائِرِ النَّاسِ .

”اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے، صرف نعمان بن ثابت نے ان کی مخالفت کی ہے اور وتر کو واجب کہا ہے۔ نعمان کی یہ بات احادیث صحیحہ کے خلاف تو ہے ہی، تمام مسلمان علما حتی کہ جہلا کے بھی مخالف ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان سے پہلے کسی نے وتر کو واجب نہیں کہا، اس معاملے میں ان کے شاگردوں نے بھی ان کی مخالفت کی ہے اور عام اہل علم کی موافقت۔“

(الأوسط : 92/8، ح : 2544)

سوال : کیا خبر واحد ظنی الثبوت ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”جس حکم کو صحابی نے خبر واحد سے معلوم کیا، وہ ان کے حق میں بھی ظنی الثبوت ہے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 135)

(جواب): تھانوی صاحب کی یہ رائے درست نہیں۔خبر واحد علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، یہی درست اور صحیح مؤقف ہے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ خبر متواتر میں خبر واحد کے مقابلہ میں زیادہ قطعیت پائی جاتی ہے، مگر اس سے خبر واحد کے قطعی الثبوت ہونے کا انکار لازم نہیں آتا۔جیسے ایک مسئلہ قرآن کریم میں آئے اور ایک مسئلہ صحیح حدیث میں ہے۔حجت ہونے میں دونوں برابر ہیں، البتہ قرآن میں موجود مسئلہ کو زائد فوقیت حاصل ہوگی۔

ذرا اس حدیث پر نظر کیجئے:

❀ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ .

”اگر تمہیں کسی جگہ کوڑھ کے مرض کا علم ہو، تو وہاں مت جاؤ اور اگر تمہارے علاقے میں کوڑھ کا مرض نازل ہو، تو وہاں سے بھاگ کر مت جاؤ۔“

(صحيح البخاري : 5729، صحيح مسلم : 2219)

یہ حدیث صرف سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کی، تمام صحابہ نے اس حدیث کو تسلیم کیا اور قطعی الثبوت جانا۔کیا اس کے بعد بھی خبر واحد کو صحابی کے حق میں ظنی الثبوت کہا جائے گا؟؟

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ قُبُولُ خَبَرِ الْوَاحِدِ ...... قِيلَ : وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى صِحَّةِ قَوْلِ ابْنِ الطَّيِّبِ : أَنَّ الصَّحَابَةَ أَجْمَعُوا عَلٰى تَقْدِمَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ عَلٰى قِيَاسِ الْأُصُولِ، وَفَسَادِ قَوْلِ مَنْ قَدَّمَ قِيَاسَ الْأُصُولِ

عَلَى الْخَبَرِ؛ لِرُجُوعِ جَمِيعِهِمْ إِلٰى خَبَرِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ .

''یہ حدیث دلیل ہے کہ خبر واحد قبول ہے۔...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں علامہ ابو بکر محمد بن طیب باقلانی رحمہ اللہ (۴۰۳ھ) کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے: ''صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ خبر واحد کو قیاس پر مقدم کیا جائے گا۔'' نیز ان لوگوں کا رد ہے، جو قیاس کو خبر واحد پر مقدم کرتے ہیں، کیونکہ تمام صحابہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف رجوع کیا ہے۔''

(التّوضیح : 91/32)

سوال: تھانوی صاحب کی توجیہ کیسی ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''جو لوگ سنیت وتر کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بوجہ سنت ہونے کے آپ نے وتر راحلہ پر پڑھے، کیونکہ فرائض اور واجبات تو راحلہ پر جائز نہیں اور ایک حدیث ابن ماجہ میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر راحلہ سے اتر کر زمین پر پڑھے، پھر راحلہ پر سوار ہو گئے، لیکن یہ حدیث ابن ماجہ کی مخالف کے جواب میں کافی نہیں، اس لیے کہ ترمذی کی حدیث بھی ثابت ہے۔ پس دونوں طرح ثابت ہے، لہٰذا خصم کے مقابل یہ جواب ہے کہ اس وقت تک وتر واجب نہ ہوئے تھے۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 139)

جواب: تھانوی صاحب کے مدنظر یہ حدیث ہے؛

❁ سعید بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ :

فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : أَيْنَ كُنْتَ؟، فَقُلْتُ : خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ : بَلٰى، وَاللّٰهِ! قَالَ : فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ .

''میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ صبح صادق طلوع ہونے والی ہے، میں سواری سے اترا اور وتر ادا کر لئے، پھر میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں رَہ گئے تھے؟ عرض کیا: صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہوا، تو میں نے سواری سے اُتر کر وِتر ادا کر لئے، فرمایا: کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسوہ حسنہ نہیں؟ عرض کیا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وِتر ادا کر لیتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 999، صحيح مسلم : 36/700)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر وتر پڑھے جا سکتے ہیں اور جو نماز سواری پر پڑھی جا سکے، وہ فرض یا واجب نہیں ہوتی۔ ثابت ہوا کہ وتر نفل یا سنت ہیں، فرض یا واجب نہیں۔ مگر تھانوی صاحب نے یہاں بھی علمی تقاضے پورے نہ کیے اور اس حدیث کے متعلق یہ کہہ دیا کہ اس وقت تک ابھی وتر واجب نہ ہوئے تھے۔

سوال ہے کہ تھانوی صاحب کو اس بات کا تو علم ہو گیا، مگر صحابی رسول اور راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو علم نہ ہو سکا، آپ رضی اللہ عنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی سواری پر وتر پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور بطور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کرتے تھے،

بلکہ اسے اسوہ حسنہ قرار دیتے تھے۔ کیا صحابی کو نعوذ باللہ یہ بھی پتا نہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے سواری پر وتر اس لیے پڑھ لیے تھے کہ ابھی وتر واجب نہ ہوئے تھے؟؟ یاللعجب!

افسوس تھانوی صاحب پر کہ جانے انجانے میں صحابی کے متعلق بدظنی اور بدگمانی پیدا کر گئے، جو کہ مناسب نہیں۔

تھانوی صاحب کو لائق تو یہ تھا کہ کشادہ ظرفی کے ساتھ تسلیم کرتے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق وتر سنت ہیں، فرض یا واجب نہیں، مگر پھر وہی بات کہ تقلید حدیث رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، نیز آثار صحابہ سے انحراف برتنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ سچ ہے کہ عافیت مسلک محدثین میں ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ فرمائیے:

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”حق تعالیٰ نے دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کو اتار کر خلعت خلافت مرحمت فرمایا، اگر جنت میں ہی قیام رہتا، تو خلافت کس طرح میسر ہوتی اور اس خلافت پر جو کچھ آثار کثیرہ محمودہ مطلوبہ مترتب ہوئے، وہ سب انعامات نفیسہ ہیں۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 141)

جواب: یہ کہنا سیدنا آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت مرحمت فرمایا گیا، بے دلیل بات ہے۔ آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا مطلب ایک دوسرے کا نائب بنانا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا اس کی جگہ لے لے گا۔ شاید تھانوی صاحب خلافت کے معنی کو کسی دوسری طرف لے گئے۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے:

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے اور خطبہ پڑھنا فرض ہے اور جلوس بین الخطبتین کی یہ حکمت ہے کہ چونکہ جمعہ قائم مقام ظہر کے کیا گیا ہے اور ظہر کی چار رکعتیں ہیں، دو تو جمعہ میں داخل ہو گئیں اور دو خطبے بطریق معروف قائم مقام دو رکعت کے ہو گئے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 147)

جواب: ہمارے مطابق خطبہ جمعہ فرض نہیں، مشروع و مستحب ہے، جان بوجھ کر خطبہ جمعہ ترک کرنا گناہ ہے، نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی خطبہ جمعہ ترک نہیں کیا۔ صحابہ کرام اسی پر عامل رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، جو اس سنت کو اپنائے گا، اسے اجر ملے گا، سنت کا نور اور سلامتی نصیب ہو گی، اس میں حکمت کیا تھی؟ اللہ بہتر جانتے ہیں۔ دو خطبوں کو ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام قرار دینا بھی محتاج دلیل ہے۔

جو بات اور کام اسلاف اُمت نے نہیں کیا، ہمیں بھی اس سے بچے رہنا چاہیے۔ اگر ائمہ محدثین کہہ دیں یا کر دیں، تو سر آنکھوں پر، کیونکہ محدثین سب سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی مراد کو پانے والے تھے۔ بعد والوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ شرعی احکام کی نت نئی حکمتیں بیان کرتے رہ جائیں۔ ہمارے کرنے کے اور بہت سارے کام ہیں۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ، فَجَلَسَ، فَقَالَ لَهُ : يَا سُلَيْكُ، قُمْ فَارْكَعْ

رَكْعَتَيْنِ، وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا، ثُمَّ قَالَ : «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»

”رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سلیک! کھڑے ہو کر دو مختصر رکعت ادا کیجیے۔ پھر فرمایا: جمعہ کے دن خطبہ کے دوران آنے والا دو مختصر رکعت پڑھ کر بیٹھے۔“

(صحيح البخاري : 1166؛ صحيح مسلم : 875، واللّفظ لهٗ)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس امر میں اختلاف ہوا کہ جب امام خطبہ پڑھتا ہو، تو اس وقت نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا تو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے، کچھ حرج نہیں اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ اور امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو اجازت معلوم ہوتی ہے اور ایک دوسری حدیث سے ممانعت ثابت ہے اور وہ حدیث یہ ہے: اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام۔ پس ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اور تعارض کے وقت امام صاحب کے نزدیک محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث پر عمل نہ کیا جائے گا۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 148)

جواب: دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ جس حدیث میں نماز پڑھنے اور کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ روایت غیر ثابت اور ناقابل حجت ہے۔ لہٰذا ایسی روایت کو صحیح حدیث کے معارض پیش نہیں کیا جا سکتا۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ، حَتّٰى يَفْرُغَ الْإِمَامُ.

''جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر چڑھ چکا ہو، تو امام کے (خطبہ سے) فارغ ہونے تک کوئی نماز اور کلام نہیں۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 13708)

سند سخت ضعیف ہے۔

① ایوب بن نہیک ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

② یحیٰی بن عبداللہ بابلتی ضعیف ہے۔

البتہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امام کے آنے سے پہلے ہی نفل پڑھ رہا ہے یا پڑھ چکا ہے، تو جب امام منبر پر بیٹھ جائے، تو وہ مزید نوافل نہ پڑھے، بلکہ نماز ترک کر کے خطبہ سنے، اسی طرح امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اپنی گفتگو ختم کر دے۔

مذکورہ صحیح حدیث اس شخص کے متعلق ہے، جو دوران خطبہ آیا ہے، وہ دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے، یوں حدیث اور آثار پر عمل ہو جاتا ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۰۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ فرما دیں؛

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

"امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک تو لڑکی اور لڑکے کے پیشاب میں کچھ فرق نہیں، دونوں کو دھونا چاہیے اور نضح کا معنی غسل خفیف کے ہے۔ اور امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے، جس میں بول سے بچنے کی مطلقاً ممانعت آئی ہے۔"

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 176)

جواب: جب بچے کی غذا صرف اور صرف ماں کا دودھ ہو، تو کپڑے پر چھینٹے مارے جائیں گے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ یہ مسلک اہل حدیث ہے۔

❀ سیدہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ، إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجْرِهِ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ.

"میں اپنا چھوٹا بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی، جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا، اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوایا اور متاثرہ جگہ پر چھینٹے مار دیئے، دھویا نہیں۔"

(صحيح البخاري : 223، صحيح مسلم : 287)

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهٗ إِيَّاهُ.

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، تو اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا۔''

(صحيح البخاري : 222، صحيح مسلم : 286)

❁ سیدنا ابوالسمح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَ : وَلِّنِي قَفَاكَ، فَأُوَلِّيهِ قَفَايَ فَأَسْتُرُهٗ بِهٖ، فَأُتِيَ بِحَسَنٍ، أَوْ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَبَالَ عَلٰى صَدْرِهٖ فَجِئْتُ أَغْسِلُهٗ فَقَالَ : يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ، وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ.

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، جب آپ غسل کا ارادہ کرتے، تو مجھے فرماتے: اپنی پیٹھ میری طرف کر لیں، میں اپنی پیٹھ سے آپ ﷺ کو پردہ کر دیتا۔ ایک دفعہ سیدنا حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو لایا گیا، انہوں نے آپ کے سینہ اطہر پر پیشاب کر دیا، میں اس کو دھونے کے لئے آگے بڑھا، تو آپ نے فرمایا : بچی کے پیشاب سے (کپڑے کو) دھویا جاتا ہے، جبکہ بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جاتے ہیں۔''

(سنن أبي داود : 376، سنن النّسائي : 225، سنن ابن ماجه : 526، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام بخاری (التلخیص الحبیر لابن حجر:186/1) نے ''حسن''، امام ابن خزیمہ (283ھ)، امام حاکم (166/1)، حافظ ذہبی اور علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم:546/1) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَقُّ صِحَّتُهٗ.

''اس کا صحیح ہونا حق ہے۔''

(البدر المُنير :533/1)

❁ سیدنا ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى بَطْنِهٖ أَوْ عَلٰى صَدْرِهٖ حَسَنٌ أَوْ حُسَيْنٌ، فَبَالَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَأَيْتُ بَوْلَهٗ أَسَارِيعَ فَقُمْنَا إِلَيْهِ، فَقَالَ: دَعُوهُ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهٗ عَلَيْهِ.

''میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں بیٹھا تھا اور آپ کے پیٹ یا سینے پر سیدنا حسن یا حسین بیٹھے تھے، انہوں نے پیشاب کر دیا، میں نے ان کے پیشاب کی دھاریاں دیکھیں، ہم دھونے کے لیے آگے بڑھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: رہنے دیجئے، پھر پانی منگوایا اور اس پر چھینٹے لگا دیے۔''

(مسند أحمد: 348/4، شرح مَعاني الأثار للطّحاوي :94/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَالَ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: الْبَسْ ثَوْبًا وَأَعْطِنِي

إِزَارَكَ حَتّٰى أَغْسِلَهُ، قَالَ : إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ .

”سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے، تو انہوں نے پیشاب کر دیا، میں نے عرض کیا: کپڑا پہن لیجئے اور اپنی تہبند مجھے دے دیجئے، میں اسے دھو دیتی ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دھویا تو بچی کے پیشاب سے جاتا ہے، بچے کے پیشاب سے چھینٹے مارے جاتے ہیں۔“

(سنن أبي داود : 375، سنن ابن ماجه : 522، 3923، شرح مَعاني الأثار للطَّحاوي :94/1 وسندهٗ حسنٌ مّتّصلٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (282ھ) اور امام حاکم رحمہ اللہ (166/1) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

اس حدیث کا ایک شاہد مسند احمد (339/6، وسندہٗ صحیح) میں آتا ہے۔

❁ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَضَتِ السُّنَّةُ بِأَنْ لَا يُغْسَلَ مِنْ بَوْلِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَأْكُلَ الطَّعَامَ، فَإِذَا أَكَلَ الطَّعَامَ غُسِلَ مِنْ بَوْلِهٖ .

”یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ بچے کے پیشاب سے دھویا نہیں جاتا، یہاں تک کہ وہ کھانا کھانے لگ جائے، جب کھانا کھانے لگ جائے، تو اس کے پیشاب سے بھی دھویا جائے گا۔“

(صحيح ابن حِبّان : 210/4، وسندهٗ حسنٌ)

جب بچے کی غذا صرف اور صرف ماں کا دودھ ہو، تو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارے

جائیں گے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ بعض کا یہ کہنا کہ بچے کے پیشاب پر پانی بہادیا جائے گا، احادیث کے الفاظ ان کا رد کرتے ہیں۔ صب کا معنی نضح ہے۔ چھینٹے مارنا، نہ کہ پانی بہانا، یعنی غسل خفیف، کیوں کہ الرش، النضح اور الصب یہ تینوں الفاظ الغسل کے مقابلہ میں آئے ہیں، لہٰذا یہاں دھونا مراد نہیں، بلکہ چھینٹے مارنا ہے۔ فہم محدثین بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

جن احادیث میں پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا حکم بیان ہوا ہے، وہ بڑوں اور ان بچوں کے بارے میں ہے، جن کی غذا صرف ماں کا دودھ نہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا احادیث نے شیرخوار بچے کو مستثنیٰ کر دیا۔

لہٰذا ان احادیث کو مطلق احادیث کی بنا پر رد کر دینا علمی کاوش نہیں۔

تھانوی صاحب کا ایک قصور یہ بھی ہے کہ وہ ہر بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے علما کا مسلک ہوتا ہے، نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا۔

سوال: گھوڑے پر زکوٰۃ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس باب میں اختلاف ہے کہ گھوڑے میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور ائمہ کے نزدیک گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے اور امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک گھوڑوں کی دو قسمیں ہیں؛ ایک تو وہ گھوڑا ہے، جو جہاد وغیرہ کے لیے باندھ رکھا ہے، یعنی اپنی سواری کے لیے اور ایک وہ گھوڑا ہے، جو نسل بڑھانے کے لیے رکھا گیا ہے۔ اول میں زکوٰۃ نہیں ہے، ثانی میں ہے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 181)

جواب: گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهٖ وَغُلَامِهٖ صَدَقَةٌ .

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں۔''

(صحيح البخاري : 1463، صحيح مسلم : 982)

دیگر احادیث و آثار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ کہنا کہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کے لیے پال رکھے ہوں، ان پر زکوٰۃ ہے، بے دلیل مؤقف ہے اور مسلک محدثین کے خلاف ہے۔ مسلک محدثین کے خلاف کسی کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی، کیونکہ محدثین دین کا کمال فہم رکھتے تھے۔ ان کا اتفاق شرعی دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔

❀ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

ثَبَتَ بِذٰلِكَ أَنْ لَا زَكَاةَ فِي الْخَيْلِ كَمَا لَا زَكَاةَ فِي الْحَمِيرِ وَالْبِغَالِ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَهُوَ أَحَبُّ الْقَوْلَيْنِ إِلَيْنَا .

''اس سے ثابت ہوا کہ گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں، جیسے گدھوں اور خچروں پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ کا مؤقف ہے۔ ہمارے نزدیک زیادہ بہتر یہی قول ہے۔''

(شرح مَعاني الآثار : 29/2)

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”جناب رسول اللہ ﷺ سے تین جگہ رکعت میں رفع یدین منقول ہیں، ایک تو تکبیر تحریمہ کے وقت اور دوسرا رکوع میں جاتے وقت اور تیسرا درمیان سجدتین کے۔ سوترک اخیر پر سب کا اجماع ہو گیا ہے۔ اب باقی رہیں دو قسمیں؛ تو اول قسم تو اجماعاً باقی ہے اور دوسری قسم مختلف فیہ ہے۔ اور حدیثیں دونوں طرف ہیں۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 70)

جواب: رفع الیدین نبی کریم ﷺ دائمی اور متواتر سنت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل و فاعل رہے۔ ائمہ محدثین نے رفع الیدین کے ثبوت پر کتابیں لکھیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا، تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے اور اسے رفع الیدین کرنے کا حکم دیتے تھے۔

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى رَجُلًا لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَصَبَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يَّرْفَعَ .

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی آدمی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا، تو اسے کنکریاں مارتے اور رفع یدین کرنے کا حکم دیتے۔“

(جُزء رفع اليدين للبخاري : 14، التّمهيد لابن عبد البرّ : 224/9، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کی سند کو حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع: ۳/۴۰۵) اور حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ (البدر المنیر: ۳/۴۷۸) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور دو رکعتوں سے تیسری کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا محدثین کے ہاں اتفاقی عمل ہے، اس میں اختلاف نہیں، اسے اختلافی امر

قرار دینا دین اسلام کی خدمت نہیں۔ رہا دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کے ترک پر دعوئ اجماع، تو یہ دعوی اجماع مبنی بر حقیقت نہیں، اگر اس سے مراد محدثین اور ائمہ دین کا اجماع ہے، تو یہ صریح جھوٹ ہے، ہاں اگر علمائے احناف کا اجماع مراد ہے، تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ یہ تقلیدی اجماع ہے، جو حقیقت میں اجماع ہی نہیں۔

یاد رہے کہ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

❀ علامہ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ (۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي السَّجْدَتَيْنِ وَالرَّفْعِ عَنْهُمَا .

”سجدوں کے درمیان اور سجدوں سے اٹھتے وقت رفع الیدین ثابت نہیں۔“

(لَمعات التّنقيح : 548/2)

البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور بعض تابعین سے دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنا ثابت ہے، یہ دلیل ہے کہ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کے ترک پر دعوی اجماع بے حقیقت ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْأُولٰى .

”آپ رضی اللہ عنہ پہلے سجدے سے سر اٹھاتے، تو رفع الیدین کرتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 2796، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ یحییٰ بن ابی اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ .

”میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سجدوں میں رفع الیدین کرتے دیکھا۔“

(جُزء رفع اليدين للبخاري : 105، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ایوب سختیانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ نَافِعًا، وَطَاوُسًا، يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

”میں نے نافع مولیٰ ابن عمر اور طاؤس بن کیسان رحمہما اللہ کو دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرتے دیکھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 2797، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 2799، وسندهٗ صحيحٌ)

تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے دونوں طرف احادیث موجود ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ رفع الیدین کے ثبوت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بکثرت صحیح روایات موجود ہیں،مگر رفع الیدین نہ کرنے پر کون سی صحیح حدیث موجود ہے؟ جو سند کے اعتبار سے بے غبار ہو اور ترک رفع الیدین میں واضح ہو۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”علمائے شافعیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقصود تو تھا رفع یدین کرنا،مگر بعض اوقات نہیں کرتے تھے،تاکہ ترک کا جائز ہونا معلوم ہو جاوے اور علمائے حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ نماز میں اصل ترک ہے یا رفع۔سو وہ فرماتے ہیں کہ اصل نماز میں سکون ہے اور اس قول کی تائید ہوتی ہے ایک حدیث سے جس کا یہ مضمون ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام پھیرتے وقت ہاتھ

بھی اٹھایا کرتے تھے،تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک بار یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا ہو گیا ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اثنائے نماز میں تم ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے ہو، جیسا کہ گھوڑے اپنی دُم کو اٹھا کر دوڑتے ہیں اور آپ نے اس وقت فرمایا: اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ پس اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب آپ نے سلام کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا جو کہ من وجہ داخل صلاۃ ہے اور من وجہ خارج صلوٰۃ ہے،تو جو اُمور داخل صلوۃ ہی ہیں ان میں تو یہ حکم بطریق اولیٰ جاری ہوگا۔‘‘

(تقریر ترمذی،حصہ اول،صفحہ 71)

جواب: تھانوی صاحب کی مراد یہ حدیث ہے؛

❀ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ.

’’نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا ہے کہ میں آپ کو شریر گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں، نماز میں سکون اختیار کریں۔‘‘

(صحيح مسلم: 430)

اس پر اہل علم کا اجماع واتفاق ہے کہ اس حدیث کا تعلق تشہد اور سلام کے ساتھ ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ وہ نماز میں سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے،تو نبی کریم ﷺ نے انہیں منع فرما دیا۔

حدیث میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی نہیں ہے، بلکہ محدثین کرام کا اجماع ہے کہ اس کا تعلق تشہد اور سلام سے ہے، نہ کہ قیام کے ساتھ۔

کیونکہ یہی روایت اختصار کے ساتھ مسند الامام احمد (۵/ ۹۳) میں بھی موجود ہے، جس میں وَهُمْ قُعُودٌ (آپ ﷺ نے یہ فرمان اس حال میں جاری فرمایا کہ صحابہ کرام تشہد میں بیٹھے ہوئے تھے) کے الفاظ ہیں، اس کی وضاحت و تائید دوسری روایت میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَامَ تُومِئُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدَكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى أَخِيهِ مَنْ عَلٰى يَمِينِهٖ، وَشِمَالِهٖ.

”ہم رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھتے، تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے، راوی حدیث نے ہاتھ کے ساتھ دونوں جانب اشارہ کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوں اشارہ کیوں کرتے ہو، جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوں؟ آپ کے لئے کافی ہے کہ ہاتھ اپنی ران پر رکھیں، پھر اپنے بھائی (ساتھ نماز پڑھنے والے) پر دائیں اور بائیں سلام کہیں۔“

(صحیح مسلم: 431)

اس حدیث نے اوپر والی حدیث کا مطلب واضح کر دیا، محدثین کا فہم سونے پر سہاگہ ہے، اس سے رفع الیدین کی منسوخیت کا دعویٰ درست نہیں، کیوں کہ کسی محدث نے یہ حدیث عدم رفع الیدین کے لیے پیش نہیں کی، نیز یہ کہ مومن کیسے تسلیم کر لے کہ جو کام نبی کریم ﷺ پہلے خود کرتے رہے، وہی کام صحابہ کو کرتے دیکھا، تو سرکش گھوڑوں کی دُموں سے تشبیہ دے دی؟

اس حدیث سے عدم رفع الیدین پر استدلال کرنا حدیث کی معنوی تحریف ہے۔ بلکہ جہابذہ احناف نے اس حدیث سے عدم رفع الیدین کے استدلال کو خطا قرار دیا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''رفع الیدین'' دیکھئے۔

بعض الناس کا یہ دعویٰ کہ نماز میں اصل سکون ہے اور رفع الیدین سکون کے منافی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو سکون کے منافی کہا جا سکتا ہے؟ رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا عمل مبارک ہے، جس طرح رکوع جانے، سجدے کے لیے جھکنے کی حرکت کو سکون کے منافی نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح رفع الیدین کو بھی سکون کے منافی نہیں کہا جا سکتا ہے، حالانکہ رفع الیدین کی حرکت دیگر ارکان کی حرکت سے کم ہے۔

اس پر سہاگہ یہ کہ جو لوگ نماز میں رفع الیدین کو سکون کے منافی گردانتے ہیں، وہ خود وتروں اور عیدین میں رفع الیدین کر لیتے ہیں، کیا ان نمازوں میں اصل سکون نہیں؟

سوال: رفع الیدین کے متعلق درج ذیل توجیہ کی بابت کیا فرماتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''رفع الیدین کی توجیہ بعض نے یہ فرمائی ہے کہ حضور ﷺ یہ اَمر (رفع الیدین) اس واسطے فرمایا کرتے تھے کہ شاید کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ بوجہ بہرا

ہونے کے تکبیر کی آواز نہ سن سکتا ہو، تو وہ ہاتھ اٹھانے سے سمجھ لے گا کہ اب رکوع میں جا رہے ہیں اور بعض نے یہ کہا کہ رفع الیدین کی حکمت یہ تھی کہ جو لوگ بہت پیچھے صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں، وہ تکبیر کی آواز نہ سن سکیں گے، پس رفع الیدین سے ان کو علم ہو جاوے گا اور جب امام رفع الیدین کرے گا، تو مقتدی بھی رفع الیدین کریں گے، لہٰذا دور کے لوگوں کو علم ہو جائے گا۔"

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 71)

جواب: جی چاہتا ہے کہ تھانوی صاحب کی اس عبارت کو بلا تبصرہ چھوڑا جائے، تا کہ قارئین جائزہ لے سکیں کہ یہ لوگ سنت کے رد میں کس حد تک جا سکتے ہیں، احادیث کی کس طرح معنوی تحریف کے مرتکب ہیں؟

بڑی دیدہ دلیری سے نماز جیسی عبادت کو اپنی احتمالات اور ابہامات کی نذر کر دیتے ہیں، جس سنت کے ثبوت پر متواتر احادیث اور آثار صحابہ ہوں، اس کی یہ باطل تعبیرات غیر مسموع ہیں، بلکہ اہل علم کی نظر میں یہ مضحکہ خیز ہیں۔

سوال: درج ذیل عبارت کا جائزہ مطلوب ہے:

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

"طریقت کا یہ مسئلہ ہے کہ جس قدر حرکتیں ہوتی ہیں، سب پر فائدے مرتب ہوتے ہیں، جیسا کہ مثلاً لا الٰہ میں ہے کہ اس طرح ضرب لگانی چاہیے، تو اسی طرح جس وقت آپ کی زبان سے اللہ اکبر نکلتا تھا، اس وقت ذوق وشوق میں ہاتھ اٹھ جاتے تھے، جیسا کہ ہم لوگوں میں بھی ہوتا ہے، کہ جب کوئی ایسی بات ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ اکبر کہا جاتا ہے، تو اس کے ساتھ ہاتھ اٹھ

جاتے ہیں، ایسے ظہر کی نماز میں مشہور ہے کہ آپ کبھی کبھی آیت آواز سے پڑھ دیا کرتے تھے اور اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کے سنانے کے واسطے ایسا فرمایا کرتے تھے، تاکہ فعلاً جواز جہر آیت معلوم ہو جاوے، نیز یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سورت پڑھی ہے اور اس زمانہ میں تعلیم احکام کی بہت ضرورت تھی اور میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق وشوق کی حالت غالب ہوتی تھی، جس میں یہ جہر واقع ہو جایا کرتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے، تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے؟''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 71)

جواب: تھانوی صاحب کو ایک سنت مبارکہ کے رد کے لیے طریقت کا سہارا لینا پڑا، جہاں سکون کو اصل قرار دیتے تھے اور رفع الیدین کو سکون کے منافی خیال کرتے تھے، وہاں حرکتوں کے فوائد ذکر کرنا شروع ہو گئے۔

اس کی جو مثال لا الٰہ کی ضرب سے دی گئی ہے، تو یہ بدعت مکفرہ ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ بقید ہوش وحواس نماز ادا کرتے تھے، جذبات میں گم ہو کر کوئی عمل نہیں کرتے تھے، ظہر کی نماز میں کبھی کبھار ایک آدھ سنا دیتے تھے، ایسا کیوں ہوتا تھا، اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، تھانوی صاحب کی ساری کی ساری توجیہات نامناسب ہیں۔

یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ پر ذوق وشوق کا غلبہ ہوتا تھا، جس بنا پر آپ ﷺ کو یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ میں اب کیا کر رہا ہوں، یہ نبی کریم ﷺ کی گستاخی ہے، نبی اور نبوت کے متعلق اس طرح کی بات کرنا انتہائی نامناسب اور ناحق ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کو اپنے ہر ہر عمل کی خبر ہوتی تھی، تب تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’میری طرح نماز پڑھیں۔‘‘

(صحیح البخاري :631)

یہ کہنا کہ جب انسان اللہ اکبر کہتا ہے، تو اس وقت ذوق وشوق میں ہاتھ اٹھ جاتے ہیں، تو کیا پہلا رفع الیدین اس ذوق وشوق میں داخل ہے یا نہیں؟

مختصر یہ کہ تھانوی صاحب پر جب ’’ذوق وشوق‘‘ کا غلبہ ہوتا ہے، تو انہیں یہ خبر نہیں رہتی ہے کہ وہ احادیث کی کیسی کیسی مضحکہ خیز اور نامعقول توجیہات کر رہے ہوتے ہیں؟ جن کا بطلان اہل علم پر عیاں ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

’’جس وقت پہلی آیت نازل ہوئی، تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو مسجد قباء میں رہتے تھے، بلایا اور فرمایا: تم لوگ کس قسم کی طہارت کیا کرتے ہو، حق تعالیٰ نے تمہاری مدح فرمائی ہے، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) ہماری طہارت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم پانی سے استنجاء کیا کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر ہمیشہ عمل جاری رکھنا۔‘‘

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 91)

جواب: تھانوی صاحب کی ذکر کردہ روایت ثابت نہیں، ملاحظہ ہو؛

❁ سیدنا ابو ایوب انصاری، سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری اور سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ : ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التّوبة : ١٠٨) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَثْنٰى عَلَيْكُمْ خَيْرًا فِي الطُّهُورِ، فَمَا طُهُورُكُمْ هٰذَا؟» قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «فَهَلْ مَعَ ذٰلِكَ غَيْرُهُ؟» قَالُوا : لَا، غَيْرَ أَنَّ أَحَدَنَا إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ أَحَبَّ أَنْ يَسْتَنْجِيَ بِالْمَاءِ قَالَ : «فَهُوَ ذٰلِكَ فَعَلَيْكُمُوهُ».

”جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التّوبة : 108) (اس بستی میں ایسے لوگ ہیں، جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالی بھی پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے)، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصاریو! اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت کی تعریف کی ہے، کیسے طہارت کرتے ہیں؟ عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نماز کے لیے وضو اور جنابت کے بعد غسل کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا کچھ اور بھی کرتے ہیں؟ عرض کیا: بس یہی، البتہ جب ہم پاخانہ کرکے فارغ ہوتے ہیں، تو پانی سے استنجا کرنا پسند کرتے ہیں، فرمایا: بس یہی وجہ ہے، لہٰذا اس پر عمل پیرا رہیے۔“

(سنن ابن ماجه : 355، سنن الدّارقطني : 62/1، المُنتقىٰ لابن الجارود : 40، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 105/1)

روایت ضعیف ہے۔ ابو سفیان طلحہ بن نافع کا سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے صرف چار احادیث سنی ہیں، معلوم نہیں کہ یہ ان چار میں شامل ہے یا نہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع کا احتمال ہے، لہٰذا سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہوئی۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(التلخيص الحبير :123/1)

اس روایت کی ساری کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

"علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ظہر کی نماز سے پہلے چار سنتیں پڑھ لے، تو پھر بات چیت (دنیا کی) نہ کرے اور اسی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ شخص (حکماً) ابھی سے نماز میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس کو گفتگو وغیرہ کرنا نامناسب ہے۔ لوگوں نے ان حضرات پر طعن کیا ہے کہ یہ مسئلہ ان کا مجوزہ بے اصل ہے، سو یہ ان لوگوں کی حماقت ہے، اس لیے کہ ان کا استدلال تو حدیث سے ہے، پھر اس کو بے اصل کیونکر کہا جا سکتا ہے۔"

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 119)

جواب: تھانوی صاحب جس روایت سے استدلال کر رہے ہیں، وہ تو ثابت نہیں، البتہ اسی طرح کی دوسری روایت ثابت ہے؛

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهٖ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ فَلَا يَقُلْ هٰكَذَا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ .

”جو گھر سے باوضو ہو کر مسجد کو آئے، وہ نماز میں ہی شمار ہوتا ہے، یہاں تک واپس لوٹ جائے، لہٰذا وہ تشبیک نہ کرے۔“

(صحيح ابن خزيمة : 439، وسندهٗ صحيحٌ)

تھانوی صاحب نے جو استدلال کیا ہے، وہ غلط ہے، کیونکہ حدیث میں جو نماز میں شمار ہونے کا ذکر ہے، اس سے مراد بالفعل نماز میں شامل ہونا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے لیے نماز کا اجر جاری ہو جاتا ہے، یعنی جب کوئی شخص باوضو ہو کر مسجد کی طرف نکلتا ہے، تو اس کے لیے نماز پڑھنے والے کی طرح اجر لکھا جاتا ہے، پھر واپس لوٹنے تک جاری رہتا ہے۔ اسی طرح نماز کا انتظار کرنے اور نماز کے بعد بیٹھنے والے کے لیے بھی نماز پڑھنے کے برابر اجر ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، ایسا شخص بالفعل نماز میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے حرکت کرنا، باتیں کرنا، ادھر اُدھر دیکھنا ممنوع ہو، بلکہ ایسا شخص اجر میں نماز پڑھنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

علمائے احناف نے جو یہ کہا ہے کہ ظہر کی چار سنتیں پڑھنے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھے اور کوئی دنیاوی بات نہ کرے، یہ استدلال کمزور ہے، بلکہ بعید ہے۔

سوال: درج ذیل توجیہ کی کیا حقیقت ہے؟

❀ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُّخْرِجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، الْعَوَاتِقَ، وَالْحُيَّضَ، وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ؛

فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلَاةَ، وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِحْدَانَا لَا يَكُونُ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ : لِتُلْبِسْهَا أُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا .

”رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں دوشیزائیں، حائضہ عورتیں اور پردہ نشین خواتین کو بھی عیدگاہ میں لے کر جائیں، البتہ حائضہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں، جبکہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ فرمایا: اس کی اسلامی بہن اسے اپنی چادر دے دے۔“

(صحيح البخاري :981، صحيح مسلم :890)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”جناب رسول اللہ ﷺ عیدین میں عورتوں کو اس لیے لے جاتے تھے کہ کفار ومنافقین کو معلوم ہو کہ اہل اسلام کثرت سے ہیں اور یہ وجہ خود اسی حدیث سے مستفاد ہے، چنانچہ حائضات کا وہاں جانا ظاہر ہے کہ نماز کے لیے نہ تھا، بلکہ اظہار کثرت مسلمین کے لیے تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ اسلام کثرت سے پھیل گیا اور اب اظہار کثرت کی حاجت نہیں، تو مساجد و مصلیٰ عید میں عورتوں کے جانے کو منع فرما دیا۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 155)

جواب: تھانوی صاحب نے جو ”حکمت“ بیان فرمائی ہے، وہ تقریباً امام ابوجعفر

طحاوی حنفی رحمہ اللہ سے منقول ہے، جس کے جواب کے لیے ذیل کی عبارت کافی ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

بَلْ هُوَ مَعْرُوفٌ بِدَلَالَةِ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهٗ شَهِدَهٗ وَهُوَ صَغِيرٌ وَكَانَ ذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ فَلَمْ يَتِمَّ مُرَادُ الطَّحَاوِيِّ وَقَدْ صُرِّحَ فِي حَدِيثِ أُمِّ عَطِيَّةَ بِعِلَّةِ الْحُكْمِ وَهُوَ شُهُودُهُنَّ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجَاءُ بَرَكَةِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتِهٖ وَقَدْ أَفْتَتْ بِهٖ أُمُّ عَطِيَّةَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُدَّةٍ كَمَا فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَلَمْ يَثْبُتْ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مُخَالَفَتُهَا فِي ذٰلِكَ وَأَمَّا قَوْلُ عَائِشَةَ : «لَوْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ»، فَلَا يُعَارِضُ ذٰلِكَ لِنُدُورِهٖ إِنْ سَلَّمْنَا أَنَّ فِيهِ دَلَالَةً عَلٰى أَنَّهَا أَفْتَتْ بِخِلَافِهٖ مع أَنَّ الدَّلَالَةَ مِنْهُ بِأَنَّ عَائِشَةَ أَفْتَتْ بِالْمَنْعِ لَيْسَتْ صَرِيحَةً وَفِي قَوْلِهٖ : «إِرْهَابًا لِلْعَدُوِّ» نَظَرٌ لِأَنَّ الْاِسْتِنْصَارَ بِالنِّسَاءِ وَالتَّكَثُّرَ بِهِنَّ فِي الْحَرْبِ دَالٌّ عَلَى الضَّعْفِ وَالْأَوْلٰى أَنْ يُّخَصَّ ذٰلِكَ بِمَنْ يُؤْمَنُ عَلَيْهَا وَبِهَا الْفِتْنَةُ وَلَا يَتَرَتَّبُ عَلٰى حُضُورِهَا مَحْذُورٌ وَلَا تُزَاحِمُ الرِّجَالَ فِي الطُّرُقِ وَلَا فِي الْمَجَامِعِ .

’’بلکہ عورتوں کا عیدگاہ میں جانا معروف عمل تھا، اس کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہ اس عید میں حاضر تھے، تب آپ چھوٹے تھے اور یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ لہٰذا امام طحاوی رحمہ اللہ کی مراد پوری نہ ہوئی۔ پھر سیدہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس حکم کی علت بھی واضح کی گئی ہے، وہ تھی عورتوں کا خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شامل ہونا، نیز اس دن کی برکت اور پاکیزگی کی اُمید رکھنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) کے ایک مدت بعد سیدہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے اسی کا فتویٰ دیا (کہ عورتیں عیدگاہ کی طرف نکلیں)۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور کسی بھی صحابی سے اس مسئلہ میں سیدہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کرنا ثابت نہیں۔ باقی رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان: ’’خواتین نے اب جو کام شروع کر دیے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں (ایسا کرتے) پا لیتے، تو انہیں (مسجد میں آنے سے) منع کر دیتے۔‘‘ تو اگر اس سے استدلال کر بھی لیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کے خلاف فتویٰ دیا تھا، تب بھی یہ حدیث اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کے معارض نہیں ہے، کیونکہ عیدگاہ میں کبھی کبھی جایا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قول عائشہ رضی اللہ عنہا سے ممانعت ثابت کرنا صریح دلالت نہیں ہے۔ علامہ طحاوی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ’’یہ دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے تھا۔‘‘ یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ جنگ میں عورتوں سے مدد لینا اور ان کی کثرت ہونا، یہ کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ اس حدیث میں (عیدگاہ میں حاضری کے لیے) ان عورتوں کو خاص کیا جائے گا، جن کے متعلق کسی فتنے کا اندیشہ نہیں ہے اور نہ ان کے حاضر

ہونے سے کوئی خلاف شرع کام لازم آتا ہے، نیز وہ راستوں اور اجتماع گاہوں میں مردوں کے ساتھ اختلاط بھی نہیں کرتیں۔‘‘

(فتح الباري : 2/470-471)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۰۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے:

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش سے دو دو اُنگل باہر نکلا ہوا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی شکل گھوڑے کی جیسی ہے معاذ اللہ! اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی شکل مثل شکل انسان کے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سونے کا ہے اور آج کل کے اہل سنت والجماعت تنزیہ کے قائل ہیں، یعنی حق تعالیٰ مکان اور زمان سے پاک ہے اور آج کل کے صوفیاء کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نہ من کل الوجوہ منزہ ہے اور نہ من کل الوجوہ مشابہ ہے۔ سب باتیں ہیں۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 202)

جواب: جتنی بھی باتیں کہی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک اور بلند ہے۔ اہل سنت والجماعت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے، جیسے اس کے شان کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور صفات والا ہے، وہ ہر صفت کمال سے متصف ہے اور ہر اس شے سے منزہ ہے، جو اس کے لائق نہیں۔ اہل سنت جسم ہونے یا نہ ہونے کی بات نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اس کی صفات ہیں، کما یلیق بشانہ۔ مثلاً اس کے ہاتھ، چہرہ، آنکھیں، پاؤں وغیرہ ہیں، جیسا کہ کتاب وسنت کے دلائل میں مذکور ہیں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ

کی صفات ہیں، انسانوں کی طرف اعضاء وجوارح نہیں۔

❀ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''صفات باری کے مسئلے میں جو صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں، سلف کا مذہب ان کے اثبات اور انہیں ظاہر پر محمول کرنے کا ہے، سلف کیفیت اور تشبیہ کے قائل نہیں ہیں، ایک گروہ اللہ کی ان صفات کا انکاری ہے، جن کا اس نے اثبات کیا ہے۔ ایک گروہ نے اثبات تو کیا، لیکن تشبیہ وتکییف کی طرف نکل گئے۔ حق ان کے دوانتہاؤں کا درمیانی راستہ ہے، (کیوں کہ) اللہ تعالیٰ کا دین افراط وتفریط کے درمیان اعتدال پسندی کا نام ہے۔ دراصل صفات باری تعالیٰ میں گفتگو کرنا ذات باری تعالیٰ میں ہی گفتگو کرنا ہے۔ ان میں بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ تو بدیہی بات ہے کہ رب العالمین کا اثبات اس کی ذات کا اثبات ہے، نہ کہ اس کی کیفیت کا۔ اسی طرح صفات کا اثبات وجود کا اثبات ہے، نہ کہ کیفیت اور تحدید کا۔ لہٰذا جب ہم کہیں گے کہ صفت ید، سمع اور بصر اللہ کے لیے ثابت ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ یہ صفات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ ید (ہاتھ) کا معنی قدرت ہے اور سمع وبصر کا معنی علم ہے۔ نہ ہی انہیں جوارح (جسمانی اعضاء) قرار دیں گے۔ اور نہ ہی انہیں ہاتھوں، کانوں اور آنکھوں، جو کہ جسمانی اعضاء ہیں اور کام کرنے کے آلہ کار ہیں، کے ساتھ تشبیہ دیں گے، بل کہ ہم کہیں گے کہ ان کا اثبات واجب ہے، کیوں کہ یہ شریعت سے ثابت ہیں اور تشبیہ کی نفی کرنا بھی از حد ضروری ہے، جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾(الشُّوْرٰی : ۱۱)''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' نیز فرمایا : ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الإِخلَاص : ۳)''اس کا ہم سر کوئی نہیں ہے۔''

(سِیَر أعلام النّبلاء : 284/18، وسندہٗ صحیحٌ)

اس سلسلہ میں ہر صوفی غیر صافی کا عقیدہ باطل ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت کی کیا حقیقت ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے کہ صلاۃ کسوف تین رکوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھی ہے اور امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک ایک رکوع سے پڑھے اور دلیل امام صاحب کی یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، پھر بعد طلوع ہونے آفتاب کے کسی قدر دن چڑھا تھا، تو اس وقت کسوف ہوئی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھو نماز جس طرح کہ ہم نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ صبح کی نماز ایک ایک رکوع سے ہوتی ہے۔ پس امام صاحب نے اس دلیل سے نماز کی اصل حالت پر اس کو محمول کیا ہے، یعنی اصل نماز میں یہی ہے کہ ایک رکوع سے پڑھی جاوے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زیادت رکوع چونکہ حدیث میں وارد ہے اس لیے اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور بعض حنیفہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور نے نماز پڑھی تو ایک ہی رکوع سے تھی، مگر چونکہ رکوع طویل کیا تھا، اس لیے پیچھے والے شخص نے سر اٹھا کر دیکھا کہ آپ رکوع میں

ہیں یا قیام میں، پھر اس کے پیچھے جو شخص تھا، اس نے اسی طرح دیکھا اور اگلے والے شخص کے سر اٹھانے کو قومہ سمجھا اور پھر رکوع میں داخل ہو جانے کو رکوع ثانی سمجھا۔ وعلیٰ ہذا رکوع ثالث کو بھی اسی طرح سمجھا اور اس فعل کو حضور کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ یہ اشتباہ تھا اور غلطی تھی۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 159)

جواب: نماز کسوف یا خسوف میں کی ہر رکعت میں ایک، دو، تین اور چار تک رکوع کرنا ثابت ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے نماز کسوف زندگی کے مختلف ادوار میں پڑھی، کبھی ایک رکوع کیا، کبھی دو دو، کبھی تین تین اور کبھی چار چار۔ لہٰذا چاروں طریقے مسنون اور درست ہیں، کسی طریقہ کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ہر طریقہ کے متعلق روایات صحیح ثابت ہیں۔

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

مَا رَوَوْا قَطُّ عَنْ أَحَدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَلِّ الْكُسُوفَ إِلَّا مَرَّةً وَكُسُوفُ الشَّمْسِ يَكُونُ مُتَوَاتِرًا، بَيْنَ كُلِّ كُسُوفَيْنِ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ قَمَرِيَّةٍ، فَأَيُّ نَكِرَةٍ فِي أَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيهِ عَشْرَاتٍ مِنَ الْمَرَّاتِ فِي نُبُوَّتِهٖ؟.

''محدثین نے کسی صحابی سے نقل نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مرتبہ نماز کسوف ادا کی ہو۔ سورج گرہن تو ہوتا ہی رہتا ہے، ہر پانچ قمری مہینوں کے بعد کسوف ہو سکتا ہے، لہٰذا بعید نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عہد نبوت میں دسیوں مرتبہ یہ نماز ادا کی ہو۔''

(المحلّٰی بالآثار: 320/3)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ وَابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ : جَرَتْ صَلَاةُ الْكُسُوفِ فِي أَوْقَاتٍ وَّاخْتِلَافُ صِفَاتِهَا مَحْمُولٌ عَلٰى بَيَانِ جَوَازِ جَمِيعِ ذٰلِكَ فَتَجُوزُ صَلَاتُهَا عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْأَنْوَاعِ الثَّابِتَةِ وَهٰذَا قَوِيٌّ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

”علما کی ایک جماعت، جس میں امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن جریر طبری اور امام ابن منذر رحمہم اللہ شامل ہیں، کا کہنا ہے: نماز کسوف مختلف اوقات میں ادا کی گئی۔ اس میں مختلف طریقے بیانِ جواز کے لیے ہیں، لہٰذا نماز کسوف کسی بھی ثابت طریقے سے ادا کی جا سکتی ہے، یہ قوی بات ہے۔ واللہ اعلم!“

(شرح النّووي : 199/6)

تھانوی صاحب کی عبارت میں کئی باتیں قابل گرفت ہیں؛

اول: تھانوی صاحب نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مؤقف پر جو دلیل پیش کی ہے، وہ غیر ثابت ہے، تفصیل ملاحظہ ہو؛

❁ یہ روایت سیدنا قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

(مسند الإمام أحمد : 20607، سنن أبي داود : 1185، سنن النّسائي : 1486)

سند ضعیف ہے۔ ابو قلابہ کا سیدنا قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ بعض سندوں میں ”رجل“ مبہم کا اضافہ ہے۔

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْهُ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ قَبِيصَةَ، إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ رَجُلٍ عَنْ

قَبِيصَةَ .

”ابوقلابہ نے یہ روایت سیدنا قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، بلکہ انھوں نے یہ روایت رجل کے واسطہ کے ساتھ قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔“

(السّنن الکبریٰ : 464/3)

❀ اسی طرح کی ایک حدیث سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(سنن النّسائي : 1488)

سند ضعیف ہے۔ ابوقلابہ کا سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ابو قلابہ کی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کو ”مرسل“ قرار دیا ہے۔

(المَراسیل لابن أبي حاتم، ص 110)

❀ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ أَدْرَكَ أَبُو قِلَابَةَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ وَلَا أَعْلَمُ سَمِعَ مِنْهُ .

”ابوقلابہ نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا زمانہ تو پایا ہے، مگر میں نے جانتا کہ انھوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے سماع کیا ہو۔“

(المَراسیل لابن أبي حاتم، ص 110)

❀ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَبَا قِلَابَةَ لَا نَعْلَمُهُ سَمِعَ مِنَ النُّعْمَانِ بْنِ بِشْرٍ شَيْئًا وَلَا لَقِيَهُ .

”ابوقلابہ کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے

کچھ بھی سنا ہو یا ان سے ملاقات کی ہو۔‘‘

(كتاب التّوحيد: 889/2)

❀ یہی روایت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الكبير للطّبراني: 358/1، مسند البزّار: 1371)

روایت ضعیف ہے۔

① زیاد بن عبداللہ بکائی سیٔ الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

② یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔

③ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ انقِطَاعٌ بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَبَلَالٍ .

’’اس روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔‘‘

(زوائد مسند البزّار: 304/1)

بعض اہل علم نے ان روایات کو مضطرب قرار دیا ہے۔

تنبیہ:

بعض الناس محدثین کے خلاف ’’المرسل کالمسند‘‘ کا نعرہ لگاتے ہیں، یاد رہے کہ ائمہ ومحدثین اپنے اصول حدیث ہیں، ان سے انحراف کسی طرح بھی درست نہیں، لیکن مقلدین اور روافض نے محدثین کی مخالفت میں اپنے اپنے اصول حدیث وضع کر رکھے ہیں۔ یہ علم وانصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے اور اُمت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

دوم: نماز کسوف کو نماز فجر کی طرح پڑھو۔۔۔

تھانوی صاحب اوران سے پہلے علمائے احناف نے مذکورہ ضعیف حدیث کے الفاظ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح نماز فجر ہوتی ہے، اسی طرح نماز کسوف وخسوف پڑھنی چاہیے، یعنی جس طرح نماز فجر میں ایک رکوع ہوتا ہے، اسی طرح نماز کسوف میں بھی ایک رکوع کریں۔

حالانکہ یہ بعید کا استدلال ہے، کیونکہ مشابہت اور مماثلت ہر ہر جزو میں ہونا ضروری نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ مشابہت تعداد رکعات میں ہو کہ دو دو رکعتیں کر کے پڑھیں۔ یا یہ مشابہت طوالت قرأت میں ہو کہ جیسے فجر کی قرأت لمبی ہوتی ہے، اس میں بھی لمبی قرأت کریں۔ یہ سب احتمالات ہیں، ان کے ہوتے ہوئے صرف ایک رکوع کو ہی سنت کہہ دینا اور دیگر صحیح احادیث میں دو، تین اور چار رکوع کی نفی کر دینا انصاف نہیں، نہ یہ سنت سے محبت کی دلیل ہے۔ حالانکہ نماز کسوف میں ایک رکوع بھی ثابت ہے اور دو، تین اور چار بھی۔ مگر ایک کو مان کر دوسری صحیح حدیث کا انکار کر دینا اتباع سنت نہیں، ایسا تو کوئی مقلد ہی کر سکتا ہے!

پھر اگر مذکورہ بالا ضعیف حدیث سے استدلال کر کے نماز کسوف کو نماز فجر کی طرح پڑھا بھی جائے، تب بھی یہ احناف کے خلاف ہے، کیونکہ احناف کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نماز کسوف وخسوف میں آہستہ قرأت کے قائل ہیں، جبکہ نماز فجر میں تو جہری قرأت ہوتی ہے، پھر مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کدھر گیا؟ اگر کہیں کہ نماز کسوف کا سری ہونا اس مماثلت اور مشابہت سے مستثنیٰ ہے، تو ہم بھی یہی عرض کریں کہ رکوع کی تعداد بھی اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہوا ہے۔

سوم: ''بعض حنفیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور نے نماز پڑھی تو ایک ہی رکوع سے تھی، مگر چونکہ رکوع طویل کیا تھا، اس لیے پیچھے والے شخص نے سر اٹھا کر دیکھا کہ آپ رکوع

میں ہیں یا قیام میں، پھر اس کے پیچھے جو شخص تھا، اس نے اسی طرح دیکھا اور اگلے والے شخص کے سر اٹھانے کو قومہ سمجھا اور پھر رکوع میں داخل ہو جانے کو رکوع ثانی سمجھا۔ وعلیٰ ہذا رکوع ثالث کو بھی اسی طرح سمجھا اور اس فعل کو حضور کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ یہ اشتباہ تھا اور غلطی تھی۔''

عرض: اس مذکورہ عبارت میں بڑی دیدہ دلیری سے صحیح احادیث میں تحریف معنوی کر دی گئی، بلکہ اپنے مذہب کو بچانے کے لیے صحابہ کی طرف اشتباہ اور غلطی کی نسبت کر دی گئی، العیاذ باللہ! بھلا سینکڑوں سال بعد ان حضرات کو کس نے بتایا کہ صحابہ کرام کو اشتباہ ہو گیا تھا؟ پھر اس ''اشتباہ اور غلطی'' کو صحابہ بغیر تصحیح کے آگے نقل کرتے رہے، تابعین کو بھی اس ''غلطی اور اشتباہ'' کی خبر نہ ہو سکی، حتی کہ تبع تابعین، ائمہ دین اور محدثین بھی اس ''غلطی اور اشتباہ'' پر اپنا مذہب قائم کرتے رہے، پھر جا کر کسی نے اس ''غلطی اور اشتباہ'' کی تصحیح کر دی، الامان والحفیظ۔۔۔اس پر جتنا افسوس کیا جائے، کم ہے۔

اسی لیے ہم تقلید کی پرزور مذمت کرتے ہیں کہ یہ انسان کو ناانصاف بنا دیتی ہے، احادیث کی ناجائز تاویل پر مجبور کر دیتی ہے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نامناسب چیز منسوب کرنے پر اُبھارتی ہے، صحابہ کے متعلق بدگمانی دراصل دین سے بدگمانی ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

✿ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''میرے نزدیک یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعدد رکوع کی وجہ یہ تھی کہ جب آپ رکوع کرنا چاہتے تھے، تو اس وقت ایک تجلی ہوتی تھی، پس آپ کھڑے ہو جاتے تھے، پھر جب آپ رکوع کا قصد فرماتے تھے، پھر تجلی ہوتی تھی، پھر آپ

کھڑے ہو جاتے تھے، اسی طرح تیسری بار یہی ہوا، یہ وجہ تھی تین رکوع فرمانے کی اور جو تاویل بعض نے کی ہے اور ابھی مذکور ہو چکی ہے، وہ ضعیف ہے۔''

(تقریر ترمذی، صفحہ 160)

جواب: تھانوی صاحب نے ایک سیدھے سادھے مسنون عمل کو باطل تصوف کی بھینٹ چڑھا دیا۔ کہ نبی کریم ﷺ نے جو ایک سے زائد رکوع کیے ہیں، وہ تجلی کی وجہ سے کیے، ہمارا سوال ہے کہ تھانوی صاحب کو یہ خبر کس نے دی؟ یا تھانوی صاحب بھی صوفیانہ ''ذوق وشوق'' کے غلبہ سے ایسی باتیں کر جاتے ہیں، جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔

یہ نقصان ہے تقلید کا اور مسلک محدثین سے انحراف کا، کہ انسان ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور اسے حق تسلیم کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

سوال: اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس باب میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ قرأت جہراً ہونا چاہیے یا سراً۔ سو بعض کا مذہب تو جہر کا ہے۔ چنانچہ عنقریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آتی ہے، جس کا یہی مدلول ہے اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک کسوف وخسوف دونوں میں قرأت سراً ہے اور دلیل امام صاحب کی حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ہے، جو عنقریب اسی باب میں آتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کوئی آیت ذوق وشوق سے نکل گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ خیال کیا کہ آپ جہر سے قرأت فرما رہے ہیں اور مجھے بوجہ بُعد کے پوری قرأت کا حال معلوم نہیں ہو

سکتا۔ اور فریق ثانی کہتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ مستغرق ہوں گے، اس وجہ سے قرأت نہیں سنی۔''

(تقریر ترمذی، صفحہ 160)

جواب: نماز کسوف وخسوف میں قرأت سری بھی ہے اور جہری بھی۔ دونوں طرح ثابت ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ قرأت سری کے قائل تھے، جبکہ جہر کے بارے میں صحیح حدیث ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَائَتِهٖ، فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں جہری قرأت کی، دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔''

(صحيح البخاري: 1065، صحيح مسلم: 901)

تھانوی صاحب پر صوفیا کا مذہب اس قدر غالب ہے کہ وہ ہر دوسری حدیث کو ''ذوق وشوق'' پر محمول کر دیتے ہیں، جو کہ صوفیا کی گمراہ کن اصطلاحیں ہیں۔ صوفیا در حقیقت باطنی شیعہ ہوتے ہیں، رفض ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔

کیا صحابہ کے بارے میں بلا دلیل یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کچھ اور کر رہے تھے، مگر صحابہ کو غلطی لگے اور انہوں نے اسی غلطی کو آگے بیان کر دیا، کسی نے تصحیح بھی نہ کی اور محدثین نے اسے اپنا مسلک اور مذہب بنا لیا؟ جبکہ محدثین علم نبوت سے آشنا تھے۔

درست بات وہی ہے، جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ سری اور جہری قرأت دونوں

طرح ثابت ہے، ایک کو مان کر دوسرے کا انکار کرنا یا باطل تاویل کرنا مناسب نہیں۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَأْذَنُوا لَهُنَّ.

”جب آپ کی عورتیں رات (نماز عشاء اور نماز فجر کے لیے) مسجد جانے کی اجازت طلب کریں، تو انہیں اجازت دے دیں۔“

(صحيح البخاري : 865، صحيح مسلم : 442)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی یہ حکم ہو گیا تھا کہ عورتیں دن کو مسجد میں نہ آنے پاویں۔“

(تقریر ترمذی، صفحہ 162)

جواب: تھانوی صاحب کا استدلال درست نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی کا معنی ہے کہ رات کو آنے کی بھی اجازت مانگیں، تو منع مت کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے کی مطلق اجازت دی ہے، اس پر کئی نصوص ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا قَالَ : فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، قَالَ : فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ : فَسَبَّهُ

سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ : أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ : وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: آپ کی خواتین جب مساجد کی طرف جانے کی اجازت چاہیں، تو انہیں منع مت کریں۔ (یہ حدیث سن کر) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔ یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے اتنا سخت ڈانٹا کہ ایسا کبھی نہ ڈانٹا تھا، نیز فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ اللہ کی قسم! ہم ضرور عورتوں کو (مسجدوں سے) روکیں گے!''

(صحيح مسلم : 442)

❀ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

لَطَمَ صَدْرَهُ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے بلال کے سینے پر مکا دے مارا۔''

(مسند الإمام أحمد : 5021، وسندهٌ صحيحٌ)

صحابہ کی حدیثی غیرت ملاحظہ کریں کہ جب بیٹے نے حدیث کا معارضہ کیا، تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سخت ڈانٹا اور سینے پر مکا مارا کہ حدیث آنے کے بعد اس کی مخالفت کرتے ہو!

جب نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دینے کا حکم ارشاد فرمایا، تو ہمیں اس فرمان نبوی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ جب نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو مسجد

جانے سے روکنے کی اجازت نہیں دی، تو ہمیں بھی نہیں روکنا چاہیے۔ اگر کوئی فتنہ کی بات ہے، تو فتنہ کو ختم کیا جائے، نہ کہ اس جائز عمل کو ہی ممنوع قرار دے دیا جائے۔

صحابیات دن کی نمازوں میں بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔

❀ سیدہ ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا أَخَذْتُ ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقْرَؤُهَا كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، إِذَا خَطَبَ النَّاسَ .

”میں نے سورت ق رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے (سن کر) یاد کی تھی، آپ ﷺ یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔“

(صحیح مسلم: 873)

جمعہ دن کے وقت ہوتا ہے، لہٰذا دن کی نمازوں سے بھی منع نہیں کیا۔ پھر اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تادم زیست عورتوں کو مسجد آنے سے منع نہیں کیا، بلکہ عام اجازت دی ہے۔

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ جَمِيعُ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمْنَعِ النِّسَاءَ قَطُّ الصَّلَاةَ مَعَهُ فِي مَسْجِدِهٖ إِلٰى أَنْ مَاتَ عَلَيْهِ السَّلَامُ؛ وَلَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ بَعْدَهُ، فَصَحَّ أَنَّهُ عَمَلٌ مَّنْسُوخٌ؛ فَإِذْ لَا شَكَّ فِي هٰذَا فَهُوَ عَمَلُ بِرٍّ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ

مَا أَقَرَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا تَرَكَهُنَّ يَتَكَلَّفْنَهٗ بِلَا مَنْفَعَةٍ، بَلْ بِمَضَرَّةٍ، وَهٰذَا الْعُسْرُ وَالْأَذٰى، لَا النَّصِيحَةُ .

''اس پر تمام اہل زمین کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک عورتوں کو مسجد میں آنے سے کبھی نہیں روکا، نہ ہی آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے یہ کام کیا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا، جب اس کا غیر منسوخ ہونا یقینی ہے، تو یہ نیکی کا کام ہوا، اگر ایسا نہ ہوتا، تو نبی کریم ﷺ اسے برقرار نہ رکھتے اور ان عورتوں کو بے فائدہ بلکہ نقصان دہ تکلیف میں مبتلا نہ چھوڑتے، ایسا کرنا تنگی و تکلیف تو ہو سکتا ہے، خیر خواہی نہیں۔ (حالانکہ نبی کریم ﷺ سب سے بڑے خیر خواہ تھے)۔''

(المُحلّٰی: 176/2)

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے؛

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''جناب رسول اللہ ﷺ نے تو سجدہ اس وجہ سے کیا کہ آپ پر واجب تھا۔ اور مسلمین جن وانس نے آپ کی اتباع کی وجہ سے کیا۔ رہے مشرکین جن وانس اُن پر آپ نے تصرف فرمایا اس وجہ سے وہ سجدہ کرنے پر مضطر ہو گئے، وَفِيهِ إِثْبَاتُ التَّصَرُّفِ۔''

(تقریر ترمذی، صفحہ 163)

جواب: پہلی بات کہ سجدہ تلاوت مستحب ہے، واجب نہیں۔ بغیر دلیل کسی عمل کو واجب یا فرض کہنا درست نہیں۔

دوسری بات کہ تھانوی صاحب نے نبی کریم ﷺ کے لیے تصرف ثابت کیا ہے، جو کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کسی کے دل پر تصرف نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی ہے۔ مافوق الاسباب تصرف صرف اللہ کے اختیار میں ہے، کسی مخلوق کے اختیار میں نہیں۔ مخلوق فقط تحت الاسباب تصرف کا اختیار رکھتی ہے۔

سوال: درج ذیل واقعہ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”اس باب میں ایک قصہ مشہور ہے کہ شیطان لات وعزی کے ذکر کے بعد جو اس سورت میں ہے اپنی طرف سے کچھ مضمون مفید مشرکین ملا دیا نے تھا۔ اس لیے مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ سو یہ قصہ موضوع ہے شیطان کا۔“

(تقریر ترمذی، صفحہ 163)

جواب: تھانوی صاحب نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ منکر اور مضطرب قصہ ہے۔ اکثر علما نے اس پر کلام کیا ہے۔

❁ امام ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ مُنْقَطِعٌ .

”یہ حدیث منکر اور منقطع ہے۔“

(النّاسخ والمَنسوخ :67/1)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ الْمُحَقِّقُونَ : وَهٰذَا لَا يَصِحُّ .

”محققین علما کہتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں۔“

(زاد المَسير: 245/3)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ذَكَرَ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِينَ هَاهُنَا قِصَّةَ الْغَرَانِيقِ ...... وَلٰكِنَّهَا مِنْ طُرُقٍ كُلُّهَا مُرْسَلَةٌ، وَلَمْ أَرَهَا مُسْنَدَةً مِنْ وَجْهٍ صَحِيحٍ .

''یہاں کئی مفسرین نے قصہ غرانیق ذکر کیا ہے۔......لیکن اس کی ساری کی ساری سندیں مرسل ہیں، میں نے اس کی کوئی بھی متصل صحیح سند نہیں پائی۔''

(تفسیر ابن کثیر: 441/5)

نیز یہ روایت قرآن کریم کے خلاف ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾(النّجم: ٣ـ٤)

''وہ (نبی کریم ﷺ اپنی) خواہش سے نہیں بولتے، بلکہ وہی بات کرتے ہیں، جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں پہلے رسول کریم ﷺ سے ''ہویٰ'' کی نفی کی، بعد میں نطق رسول کو وحی قرار دیا۔''ان'' نافیہ''الا'' کے سیاق میں آیا ہے،اور ھو ضمیر کا مرجع نطق ہے،معنی حصر کا پیدا ہوا،نطق رسول صرف اور صرف وحی ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ❁ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ❁ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾(الحآقّة: ٤٤ـ٤٦)

''وہ ہماری طرف کچھ جھوٹ منسوب کر دیتے،تو یقیناً ہم انہیں دائیں ہاتھ سے

پکڑ لیتے اور ان کی رگ جاں کاٹ دیتے۔‘‘

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

’’مؤمن کا رتبہ خانہ کعبہ مکرمہ سے اس لیے افضل ہے کہ ہر مخلوق اپنے خالق کا محل تجلی ہے، کسی میں ایک تجلی ظاہر ہوتی ہے اور کسی میں دو اور کسی میں اور زیادہ، لیکن انسان تمام تجلیات ربانیہ کا مظہر ہے۔‘‘

(تقریر ترمذی، صفحہ 511)

جواب: تھانوی صاحب کا طرز کلام صوفیوں والا ہے۔ مکہ مکرمہ کو محل تجلی قرار دینا بے دلیل بات ہے۔ تھانوی صاحب شاید اللہ تعالیٰ کی تجلی کو جانتے ہی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تھی، تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا، بھلا انسان اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ کہ اتنی مضبوط مخلوق برداشت نہ کر پائی۔

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَنْ تَرَانِي وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾(الأعراف : ١٤٣)

’’آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا، تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی، تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔‘‘

یہ کہنا کہ ’’انسان تمام تجلیات ربانیہ کا مظہر ہے۔‘‘ صوفیانہ کلام ہے، جو گمراہی در گمراہی ہے۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعت سے انحراف کی سزا ہے کہ وہ گمراہی کی طرف بڑھتے ہی

چلے جاتے ہیں۔۔۔۔ نیز یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مؤمن کعبہ سے افضل ہے، کیونکہ اس بارے میں مروی روایت مرفوعاً و موقوفاً ضعیف ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کعبۃ اللہ کی تعظیم و تکریم میں فرماتے ہیں:

مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ.

''تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے! مگر اللہ کے ہاں مؤمن کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔''

(سنن التّرمذي: 2032، صحيح ابن حبان: 5763)

سند ضعیف ہے۔

① اوفی بن دلہم ''مجہول الحال'' ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ٦/ ٨٨) میں ذکر کیا ہے۔

❀ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يُعْرَفُ أَوْفٰى عَنْ نَافِعٍ، وَلَا أَدْرِي مَا هُوَ.

''اوفی کی روایت نافع سے غیر معروف ہے، نیز میں نہیں جانتا کہ اوفی خود کون ہے؟

(عِلل الحديث: 6/179)

② اوفی بن دلہم کا نافع سے سماع معلوم نہیں ہو سکا۔

اس باب میں مرفوع حدیث (سنن ابن ماجہ: ٣٩٣٢) بھی ضعیف ہے۔ نصر بن محمد حمصی ''ضعیف'' ہے۔

سوال: اس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (١٣٦٢ھ) کہتے ہیں:

”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اکثر صاحب کشف تھے اور ان صحابی پر اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے برزخ منکشف فرما دیا تھا اور وہ میت عالم برزخ میں سورت ملک پڑھ رہے تھے۔“

(تقریر ترمذی، صفحہ 589)

(جواب): اول تھانوی صاحب جس روایت سے استدلال کر رہے ہیں، اس کی استنادی حیثیت ملاحظہ کریں؛

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهُ عَلٰى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے کسی قبر پر خیمہ لگایا، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے، اچانک کیا سنتے ہیں کہ ایک انسان سورت ملک پڑھ رہا ہے، اس نے مکمل سورت ملک کی تلاوت کی۔“

(سنن التّرمذي: 2890)

روایت باطل ومنکر ہے۔

① یحییٰ بن عمرو بن مالک نکری سخت ضعیف اور متروک ہے۔

② عمرو بن مالک نکری کی حدیث ابوالجوزاء سے غیر محفوظ ہوتی ہے، یہ روایت بھی اسی سے ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ : حَدَّثَ عَنْهُ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ قَدْرَ عَشْرَةِ أَحَادِيثَ غَيْرِ مَحْفُوظَةٍ .

''ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس غیر محفوظ احادیث بیان کی ہیں۔''

(تہذیب التّہذیب :336/1)

یہ جرح مفسر ہے، مذکورہ اثر بھی عمرو بن مالک نکری نے اپنے استاذ ابوالجوزاء سے بیان کیا ہے، لہٰذا غیر محفوظ ہے۔

اگر چہ کشف جو کہ کرامت کی ایک قسم ہے، وہ ثابت ہے، مگر جو صوفیا کے ہاں کشف ہے، وہ گمراہی ہے، ظاہر ہے کہ تھانوی صاحب صوفیا والے کشف کی بات کر رہے ہیں اور اس کشف سے اکثر صحابہ کو متصف کر رہے ہیں، جو کہ غلط انتساب ہے۔

نیز یہ کہنا کہ صحابہ پر برزخ منکشف کر دیا گیا ہے، باطل بات ہے۔ بے بنیاد دعوؤں سے علم کی خدمت نہیں ہوتی۔

خدمت دین یہ ہے کہ ان عقائد واعمال کا پرچار کیا جائے، جو ائمہ ومحدثین سے ثابت ہیں۔ اہل کلام اور صوفیانہ طرز پر دین کو سمجھنا سمجھانا دین سازی ہے، تبلیغ دین نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❀ زیارت قبور والی دعا کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ اگر نہ سنتے ہوتے، تو آپ سلام کیوں کرتے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں سنتے، وہ استدلال کرتے ہیں، کلام اللہ کی اس آیت سے ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (فاطر : ۲۲) شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس سرہ نے آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جو لوگ قبر میں ہیں، ان کو آپ نہیں سنا سکتے، اس لیے کہ قبر میں تو دھڑ ہی دھڑ ہوتا ہے اور دھڑ سنتا نہیں، سننے والی تو روح ہے اور روح مجردات سے ہے، جو مطلق ہے۔ اسی لیے اس کے لیے کوئی مکان نہیں، البتہ اس کو تعلق ہوتا ہے جسد کے ساتھ۔''

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 290)

جواب: ضابطہ یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے، جہاں سننے پر دلیل واقع ہو، وہاں سنتے ہیں۔ زیارت قبور کے وقت جو سلام کہا جاتا ہے، وہ سلام دعا ہے اور مردوں کو سنانا مقصود ومطلوب نہیں، نہ ہی وہ سلام سنتے ہیں، اس بارے میں بعض ضعاف بھی ہیں، واللہ اعلم!

سوال: کیا نبی کریم ﷺ کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا گیا؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”آپ (ﷺ) نے اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کی، نیز والد صاحب قبلہ کی بھی اور ان دونوں کو باذن اللہ زندہ فرمایا اور اسلام سے مشرف ہوئے اور جس حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آپ کو اپنے والدین کے لیے استغفار سے نہی فرمائی گئی، تو وہ حدیث حجۃ الوداع سے سابق ہے۔“

(تقریر ترمذی، حصہ اول، صفحہ 291)

جواب: تھانوی صاحب کی پیش کردہ روایت جھوٹی ہے۔

① ابو غزیہ محمد بن یحییٰ زہری کذاب و وضاع ہے۔

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَضَعُ . ”یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔“

(الضّعفاء والمَتروکون: 482)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُتَّهَمُ بِهٖ هُوَ .

”اس حدیث کو اسی نے گھڑا ہے۔“

(لسان المیزان: 4/91)

② محمد بن حسن بن زیاد، ابوبکر، نقاش ”متروک و منکر الحدیث“ ہے۔

❀ حافظ ابوبکر برقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كُلُّ حَدِيثِهٖ مُنْكَرٌ .

”اس کی بیان کردہ ساری حدیثیں منکر ہیں۔“

(تاریخ بغداد للخطیب : 205/2)

❁ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي أَحَادِيثِهٖ مَنَاكِيرُ بِأَسَانِيدَ مَشْهُورَةٍ .

”اس کی بیان کردہ احادیث مشہور سندوں کے ساتھ منکر روایات ہیں۔“

(تاریخ بغداد : 202/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلَّذِي وَضَحَ لِي أَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مَعَ جَلَالَتِهٖ وَنُبْلِهٖ مَتْرُوكٌ، لَيْسَ بِثِقَةٍ .

”جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنی جلالت وشوکت کے باوجود متروک ہے، ثقہ نہیں۔“

(تاریخ الإسلام : 36/8)

حافظ عثمان بن سعید، دانی رحمہ اللہ کا اُس کی شہادت کو مقبول قرار دینا درست نہیں۔

③ احمد بن یحییٰ حضرمی ”مجہول“ ہے۔

❁ حافظ جورقانی رحمہ اللہ نے اسے ”مجہول“ کہا ہے۔

(الأباطيل والمَناكير :381/1)

❁ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(اللآلي المَصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسّيوطي :244/1)

یہ سند بھی جھوٹی ہے۔

① ابو العلاء، محمد بن علی، قاضی ضعیف ہے۔

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال : 654/3)

② ابو طالب، عمر بن ربیع، خشاب کذاب ہے۔

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّهُ كَذَّابٌ . ''یہ کذاب ہے۔''

(مِیزان الاعتدال : 196/3)

③ ابو القاسم، علی بن ایوب کعبی متہم ہے۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بَصَرِيٌّ مُتَّهَمٌ .

''یہ بصرہ کا رہنے والا ہے، اس پر حدیث گھڑنے کا الزام ہے۔''

(لِسان المِیزان : 192/4)

اہل علم کی تحقیق:

اس روایت کے بارے میں ائمہ دین اور محدثین کرام کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''منکر و باطل'' قرار دیا ہے۔

(لِسان المیزان لابن حَجَر : 91/4)

۞ حافظ ابن الجوزی اپنے استاذ ابو فضل ناصر سے نقل کرتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ .

''یہ حدیث من گھڑت ہے۔''

(المَوْضوعات :1/284)

۞ حافظ جورقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ .

”یہ حدیث باطل ہے۔“

(الأباطيل والمَناكير :1/380)

۞ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ بِلَا شَكٍّ، وَالَّذِي وَضَعَهٗ قَلِيلُ الْفَهْمِ، عَدِيمُ الْعِلْمِ، إِذْ لَوْ كَانَ لَهٗ عِلْمٌ لَّعَلِمَ أَنَّ مَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّا يَنْفَعُهٗ أَنْ يُّؤْمِنَ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، لَا بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، وَيَكْفِي فِي رَدِّ هٰذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾، وَقَوْلُهٗ فِي الصَّحِيحِ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّي، فَلَمْ يَأْذَنْ .

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔جس شخص نے اسے گھڑا ہے، وہ کم عقل اور علم سے کورا تھا۔اگر اس کے پاس علم ہوتا، تو اسے ضرور معلوم ہوتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کو دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کے بعد ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے، تو اس کے لیے مفید نہیں۔اس من گھڑت حدیث کے ردّ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾

(البقرۃ:۲۱۷)(جو کفر کی حالت میں مر جائیں[وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں])۔
اسی طرح صحیح مسلم(۹۷۶)میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میں نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی۔''

(المَوْضوعات:284/1)

❁ حافظ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بِسَنَدٍ فِيهِ مَجْهُولُونَ .

''اس سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔''

(الرّوض الأُنُف:187/2)

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ .

''یہ منکر حدیث ہے۔''

(لسان المیزان لابن حَجَر:305/4)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ ذٰلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ؛ بَلْ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ مُتَّفِقُونَ عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ كَذِبٌ مُخْتَلَقٌ .

''محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا، بلکہ سارے کے سارے اہل معرفت کا اتفاق ہے کہ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ:324/4)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يُدْرٰی مَنْ ذَا الْحَيَوَانُ الْكَذَّابُ، فَإِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ كَذِبٌ مُخَالِفٌ لِّمَا صَحَّ أَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَأْذَنَ رَبَّهٗ فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا، فَلَمْ يَأْذَنْ لَهٗ .

''معلوم نہیں کہ یہ کون پرلے درجے کا جھوٹا جانور ہے؟ کیونکہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت حدیث کے مخالف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی، تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی[صحیح مسلم:٩٧٦]۔''

(میزان الاعتدال: 684/2)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ جِدًّا .

''یہ حدیث سخت منکر ہے۔''

(البِداية والنّهاية: 429/3)

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''سخت ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(الأجوبة المرضية: 968/3)

❁ حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(الحاوي للفتاوي: 230/2)

❁ نیز فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثَ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ .

”باتفاق محدثین یہ حدیث ضعیف ہے۔“

(الحاوِي للفتاوِي : 230/2)

❁ علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ قَدْ حَكَمَ بِوَضْعِهِ الْحَافِظُ أَبُو الْفَضْلِ بْنُ نَاصِرٍ وَالْجَوْزَقَانِيُّ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ وَالذَّهَبِيُّ ...... وَحَكَمَ بِوَضْعِهٖ جَمَاعَةٌ .

”اس حدیث پر من گھڑت ہونے کا حکم حافظ ابوالفضل ابن ناصر، حافظ جوزقانی، حافظ ابن الجوزی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لگایا ہے۔......اس روایت پر من گھڑت ہونے کا حکم ایک جماعت نے لگایا ہے۔“

(سُبُل الهدیٰ والرشاد : 123/2)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَالُ أَنَّهٗ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ بَلْ مَوْضُوعٌ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهٗ عِنْدَ الْمُحَقِّقِينَ مَعَ أَنَّهٗ مُخَالِفٌ لِلْآيَاتِ السَّابِقَةِ وَالْأَحَادِيثِ اللَّاحِقَةِ وَلِكَلَامِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَكَابِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَعُلَمَاءِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَإِنَّمَا هُوَ عَلَى الْأُصُولِ الْبَاطِلَةِ لِلطَّائِفَةِ الرَّافِضَةِ .

”حقیقت حال یہ ہے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے، بلکہ محققین علما کے نزدیک یہ حدیث موضوع باطل اور بے اصل ہے، ساتھ ساتھ یہ سابقہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے خلاف ہے، نیز ائمہ اربعہ، اکابرین اُمت اور اہل سنت والجماعت کے علما کی تصریحات کے خلاف ہے،

یہ روایت روافض کے باطل اصولوں پر ہے۔“

(أدِلّة مُعتَقد أبي حنيفة، ص 132)

❀ علامہ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْحُفَّاظِ .

”اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔“

(كشف الخفاء :61/1)

فائدہ:

یہ جھوٹی روایت مندرجہ ذیل صحیح احادیث اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ : فِي النَّارِ، فَلَمَّا قَفّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ : إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ .

”ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے باپ کا ٹھکانہ کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ جب وہ واپس پلٹا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس بلایا اور فرمایا: میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں۔“

(صحيح مسلم : 203)

❀ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُجْمَعُ عَلٰى صِحَّتِهٖ .

”اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔“

(أدلّة معتقد أبي حنيفة، ص 132)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهِ، فَبَكٰى وَأَبْكٰى مَنْ حَوْلَهٗ، فَقَالَ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهٗ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رولا دیا، فرمایا: میں نے اپنے رب سے ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی، البتہ قبر کی زیارت کی اجازت مانگی، تو اجازت دے دی، لہٰذا قبروں کی زیارت کیا کریں، یہ موت یاد دلاتی ہیں۔''

(صحیح مسلم : 976)

❀ حافظ ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ (۶۳۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْحَدِيثَ فِي إِيمَانِ أُمِّهِ وَأَبِيهِ مَوْضُوعٌ، يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ وَالْإِجْمَاعُ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ : ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النساء : ۱۸)، فَمَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّمْ يَنْفَعْهُ الْإِيمَانُ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، فَكَيْفَ بَعْدَ الْإِعَادَةِ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے (دوبارہ زندہ ہوکر) ایمان لانے والی روایت من گھڑت ہے۔ قرآنِ کریم اور اجماعِ امت اس کا ردّ کرتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النّساء :

۱۸) (اور[ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی] جو کفر کی حالت میں فوت ہوتے ہیں)۔ چنانچہ جو بھی شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے، اسے مرنے کے بعد لوٹائے جانے پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے بعد ایمان لائے، تو بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں، چہ جائیکہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لایا جائے۔''

(التّذكرة للقرطبي، ص 140)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَالْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَسَائِرِ الْمُجْتَهِدِينَ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ إِظْهَارِ خِلَافٍ لِّمَا هُنَالِكَ وَالْخِلَافُ مِنَ اللَّاحِقِ لَا يَقْدَحُ فِي الْإِجْمَاعِ السَّابِقِ .

''سلف وخلف میں صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کا اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بغیر ایمان لائے فوت ہونے) پر اتفاق ہے، کسی نے اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ بعد والوں کا اختلاف کرنا پہلے منعقد ہونے والے اجماع میں قدح کا باعث نہیں بنتا۔''

(أدلّة معتقد أبي حنيفة، ص 84)

تنبیہ:

❁ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ إِحْيَاءُ هُمَا وَإِيمَانُهُمَا بِمُمْتَنِعٍ عَقْلًا وَّشَرْعًا .

''ان کا دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا عقلی اور شرعی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے۔''

(التذکرۃ، ص 141)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا كُلُّهٗ مُتَوَقِّفٌ عَلٰى صِحَّةِ الْحَدِيثِ، فَإِذَا صَحَّ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ .

''یہ ساری بحث تو حدیث کی صحت پر موقوف ہے۔اگر اس بارے میں مروی حدیث صحیح ثابت ہو جائے،تو پھر واقعی یہ ممکن ہوگا (لیکن یہ روایت ہی من گھڑت ہے)۔''

(تفسیر ابن کثیر : 224/4)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا دوبارہ زندہ ہوکر ایمان لانا ثابت نہیں۔

سوال: یہ کہنا کہ دین کا بعض حصہ متقدمین سے مخفی رہ گیا اور اس پر متاخرین نے آگاہ پالی۔کس حد تک درست ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اسلام والدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کا صحیح ہونا، یہ وہ علم ہے کہ متقدمین پر مخفی رہا اور متاخرین پر منکشف کر دیا گیا اور بھی اس قسم کے مسائل ہیں، جو سلف پر مخفی رہے اور خلف پر ظاہر ہوئے۔''

(تقریر ترمذی،صفحہ 291)

جواب: یہ نری جہالت وضلالت ہے۔متقدمین ائمہ ومحدثین کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہو اور بعد والوں پر ظاہر ہو جائے، یہ نظریہ اسلام کی حقانیت میں تشکیک پیدا کرتا ہے، ہر گمراہ یہی فکر لیے پھرتا ہے کہ بعد والوں نے جو سمجھا، وہ حق ہے، پہلے اسے صحیح سمجھ نہ پائے۔ یہ متقدمین اہل علم کے بارے میں بدگمانی ہے اور ان کے علم کی توہین ہے، بلکہ اس دین اور علم

وحی کا استخفاف ہے، جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین نے نسل در نسل ایک دوسرے سے حاصل کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پہلوں کو خیر القرون قرار دیا ہے، یہ خیریت ہر اعتبار سے ہے، زہد و تقویٰ، علم و فہم اور فضیلت و مرتبت ہر اعتبار میں۔

لہٰذا متقدمین کو بعض مسائل میں غلط قرار دینا یا لاعلم قرار دینا واضح گمراہی ہے۔ ہر گمراہ یہی راگ الاپ رہا ہے، الامان والحفیظ۔

سوال: درج ذیل خواب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

”ایک شخص اکثر ﴿تَبَّتْ يَدَا﴾ نماز میں پڑھا کرتا تھا، خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ عتاب کے ساتھ فرماتے ہیں: اے بندۂ خدا! سارے قرآن مجید میں تجھ کو یہی سورت پڑھنے کے لیے ملتی ہے، جس میں میرے چچا کی مذمت ہے۔“

(تقریر ترمذی، صفحہ 292)

جواب: شرعی احکام خوابوں پر مرتب نہیں ہوتے۔ جو لوگ صحیح احادیث کو خبر واحد کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، وہ نامعلوم افراد کے خوابوں پر اپنے دین کی بنیاد ڈال لیتے ہیں، یہ شخص کون تھا؟ واقعی اس کو محمد کریم ﷺ کی ہی زیارت ہوئی یا نہیں؟ یہ سب چیزیں حل طلب ہے، بغیر یقین و تحقیق کے جانتے بوجھتے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسے خواب کی نسبت کرنا بھی مذموم عمل ہے۔ جس طرح کوئی جھوٹی بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ ہے، اسی طرح جانتے بوجھتے نامعلوم افراد کے خواب نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی خدمت دین نہیں۔ واللہ اعلم!

سورت لہب کلام الٰہی ہے، اس کی تلاوت جائز ہے، خود نبی کریم ﷺ بھی اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، بھلا اس کی تلاوت پر نبی کریم ﷺ کو کیونکر اعتراض ہوگا؟

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے:

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''اس حدیث سے لوگوں نے جواز زیارۃ القبور للنساء پر استدلال کیا ہے اور حدیث آئندہ سے جو ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ حدیث قبل اجازت کے وارد ہوئی تھی اور بعد اجازت تو عموم اجازت میں عورتیں بھی داخل ہوگئیں۔

ایک بزرگ نے اس باب میں ایک عمدہ بات فرمائی کہ جوان عورتوں کا جانا مسجد میں بوجہ فتنہ وفساد کے منع ہے، اسی طرح زیارت قبر کے لیے بھی ایسی عورتوں کا جانا منع ہے اور جو عورتیں معمرہ جن پر دہ مروجہ واجب نہیں، تو جیسے ان کا مسجد میں جانا جائز ہے، اسی طرح ان کے لیے زیارت قبور بھی جائز ہے۔''

(تقریر ترمذی، صفحہ 292)

جواب: شروع اسلام میں عورتوں اور مردوں کو زیارت قبور سے روک دیا گیا تھا۔ بعد میں مطلق اجازت دے دی گئی، یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ اب عورتیں قبرستان میں قبروں کی زیارت کو جا سکتی ہیں، بشرطیکہ بے صبری اور غیر شرعی اُمور کا ارتکاب نہ کریں، اسی طرح مرد و زن کا اختلاط نہ ہو۔

زیارت قبور اور مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہونے کی اجازت تمام عورتوں کو ہے، اس میں جوان اور عمر رسیدہ سبھی شامل ہیں، البتہ شرعی پابندیوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عمر رسیدہ عورتیں، کہ جن پر چہرے کا پردہ واجب نہیں، وہ زیارت

قبور اور مسجد جا سکتی ہیں، جوان عورتیں نہیں۔ تھانوی صاحب نے اس مؤقف کی تائید وتحسین کی ہے۔

ہمارے مطابق اس فرق پر کوئی دلیل نہیں، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں عورتیں زیارت قبور کے لیے جایا کرتی تھیں، اسی طرح عیدگاہ اور مسجد میں بھی جایا کرتی تھیں، عمر رسیدہ اور جوان کا فرق نہیں تھا، بس شرعی پابندیوں کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ .

''مؤمن عورتیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز میں حاضر ہوتی تھیں، وہ چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ نماز ادا کر کے اپنے گھروں کو لوٹتیں، تو اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔''

(صحيح البخاري : 578، صحيح مسلم : 645)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پردہ دار خواتین بھی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ ایسی کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں، جس میں عمر رسیدہ عورتوں کے علاوہ سبھی خواتین کو مسجد یا عیدگاہ یا قبرستان جانے سے منع کیا گیا ہو۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

''علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حکم مطلق ہے یعنی جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات

میں مرے، وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔‘‘

(تقریر ترمذی، صفحہ 300)

جواب: اس بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں کہ جمعہ والے دن یا رات کو فوت ہونے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

سوال: کیا نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں:

’’امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کا یہی مذہب ہے کہ فقط اول تکبیر میں رفع یدین کیا جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر تکبیر میں رفع یدین ہے۔‘‘

(تقریر ترمذی، صفحہ 301)

جواب: نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي كُلِّ تَكْبِيرَةٍ عَلٰى جِنَازَةٍ.

’’آپ رضی اللہ عنہ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔‘‘

(مُصنّف ابن أبي شيبة : 3/295، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

’’دو سیاہ رنگ کے جانوروں کے خون سے ایک عمدہ سفید رنگ جانور کا خون اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔‘‘

جواب: روایت ملاحظہ ہو؛

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَمُ عَفْرَاءَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ دَمِ سَوْدَاوَيْنِ .

''سفید رنگ کے جانور کا خون بہانا مجھے دو سیاہ جانوروں کا خون بہانے سے زیادہ محبوب ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 417/2، المُستدرك للحاكم : 7543)

سند سخت ضعیف ہے۔

① رباح بن عبدالرحمٰن مجہول ہے۔

② ابو ثفال مری مجہول الحال ہے۔ اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۸/ ۱۵۷'' میں ذکر کیا ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْفَعُ بَعْضُهُمْ وَلَا يَصِحُّ .

''بعض نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے، مگر اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔''

(التّاريخ الكبير : 198/4)

نوٹ:

یہی روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف بھی آئی ہے۔

(مصنّف عبد الرزاق : 8165، التّاريخ الكبير للبخاري : 198/4)

سند ضعیف ہے۔ سلمی بن عتاب مجہول ہے۔

❀ کبیرہ بنت سفیان خزاعیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَمُ عَفْرَاءَ أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ دَمِ سَوْدَاءَ .

’’ایک سفید جانور کا خون بہانا اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ رنگ جانور کا خون بہانے سے زیادہ بہتر ہے۔‘‘

(المُعجم الكبير للطّبراني : 15/25)

سند باطل ہے۔

① محمد بن سلیمان بن مسمول مکی ضعیف ومتروک ہے۔

② یحییٰ بن ابی ورقہ کون ہے؟ معلوم نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ دَمَ الشَّاةِ الْبَيْضَاءِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ دَمِ السَّوْدَاوَيْنِ .

’’ایک سفید بکری کا خون اللہ تعالیٰ کے ہاں دو کالے رنگ کی بکریوں کے خون بہانے سے زیادہ فضیلت والا ہے۔‘‘

(المُعجم الكبير للطّبراني :109/11)

سند باطل ہے۔حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی متروک ووضاع ہے۔

سوال: کیا قربانی کا جانور خود خریدنا ضروری ہے یا کسی کی ذمہ داری بھی لگائی جاسکتی ہے کہ وہ جانور خرید لائے؟

جواب: قربانی کا جانور خود بھی خریدا جاسکتا ہے اور کسی کی مدد سے بھی۔کسی کو جانور خریدنے کی ذمہ داری دینا جائز ہے۔اسے فقہ کی اصطلاح میں ’’وکالت‘‘ کہتے ہیں۔یہ بالاجماع جائز اور مشروع ہے۔کئی احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔

❀ علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مَشْرُوعٌ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ .

”اُمت کا اجماع ہے کہ وکالت مشروع ہے۔“

(تبيين الحقائق : 254/4)

(سوال): جانور ذبح کرتے ہوئے درج ذیل دعا پڑھنا ثابت ہے؟

«وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ......»

(جواب): ذبح کے وقت یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

❀ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے ذبح کیا، جب انہیں لٹایا، تو یہ دعا پڑھی:

«إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، حَنِيفًا مُّسْلِمًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي، وَنُسُكِي، وَمَحْيَايَ، وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ، وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ، وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَأُمَّتِهٖ» .

”میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کر لیا، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یکسو ہو کر اور مطیع و فرمانبردار ہو کر، میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، میں پہلا مسلمان ہوں۔ میں اللہ کے نام کی برکت سے ذبح کرتا ہوں، اللہ

سب سے بڑا ہے۔ اللہ! یہ قربانی تیری ہی عطا ہے اور تیرے ہی لیے ہے، اسے محمد (ﷺ) اور اُمت محمد (ﷺ) کی طرف سے قبول فرما۔‘‘

(مسند الإمام أحمد : 375/3، سنن أبي داود : 2795، سنن ابن ماجه : 3121، حسنٌ)

اس روایت کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۸۹۹) اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۷۱۶) نے ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ نبی کریم ﷺ کی ایک زوجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ، وَيَوْمَ عَاشُورَاءَ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، أَوَّلَ اثْنَيْنِ مِنَ الشَّهْرِ وَالْخَمِيسَ .

’’رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے پہلے نو دن روزہ رکھتے تھے، اسی طرح عاشوراء کے دن روزہ رکھتے، ہر مہینے میں تین روزے رکھے، یعنی ہر مہینے کے پہلے سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔‘‘

(مسند أحمد : 22334، سنن أبي داود : 2437، سنن النّسائي : 2372)

جواب: روایت ضعیف ہے۔ ہنیدہ بن خالد کی بیوی مبہمہ ہے، اس کا نام اور توثیق معلوم نہیں۔

اس روایت میں يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ کے الفاظ ثابت نہیں۔ روایت کا بقیہ حصہ دیگر روایات سے ثابت ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل اثر کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ بجالہ بن عبدہ تمیمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وَجَدَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُصْحَفًا فِي حِجْرِ غُلَامٍ لَهٗ، فِيهِ: ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ وَهُوَ أَبٌ لَّهُمْ ﴿وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ ......﴾ فَقَالَ: احْكُكْهَا يَا غُلَامُ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا أَحُكُّهَا وَهِيَ فِي مُصْحَفِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَانْطَلَقَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: شَغَلَنِي الْقُرْآنُ، وَشَغَلَكَ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ.

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی غلام کی گود میں مصحف دیکھا، جس میں یہ آیت لکھی ہوئی تھی: ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ''نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔'' لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ ﴿وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ ......﴾ ''اور آپ کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں اور خونی رشتہ دار

......''تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غلام! ان الفاظ کو مٹا دیں، غلام نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی بھی یہ الفاظ نہیں مٹاؤں گا، یہ الفاظ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود ہیں، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو انہوں نے فرمایا: مجھے قرآن نے مشغول رکھا اور آپ کو بازار میں خرید و فروخت نے مشغول رکھا۔ (اس لیے یہ آیت آپ کے علم میں نہیں آسکی)۔''

(المَطالب العالية لابن حَجَر: 3683)

جواب: اس کی سند صحیح ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ .

''یہ سند بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔''

(المَطالب العالية: 3683)

سوال: سلاسل اربعہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''طریقہائے صوفیا میں ہم کو انتساب حاصل ہے، سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشت اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ۔''

(المہند علی المفند، ص 30)

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”تمام سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ سب ان (حسن بصری) کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک متصل ہوتے ہیں۔“

(تقریر ترمذی، ص311)

جواب: یہ گمراہ صوفیوں کے سلسلے ہیں، جو اہل سنت والجماع کے منہج وعقیدہ سے منحرف ہو گئے تھے۔ یہ سارے سلسلے بے بنیاد ہیں۔ ان کی بناء محض جھوٹ پر ہے۔

صوفیا کا کہنا ہے کہ یہ چاروں سلسلے حسن بصری رحمہ اللہ کے واسطہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتے ہیں۔ جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔

صوفیا کے تمام سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صوفی چوغہ پہنایا تھا۔ یہ دنیا کی جھوٹی بات ہے، اس حوالے سے ایک جھوٹی روایت بھی گھڑی گئی ہے۔ یاد رہے کہ متصوفہ رافضیت کی کوکھ سے نکلے ہیں۔ آخر وہ کونسا زہد وتقوی تھا، جو انہوں نے حسن بصری کے واسطہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اخذ کرنے کا دعویٰ کر رکھا ہے؟

سوال: کیا اہل حدیث کے نزدیک متعہ جائز ہے؟

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”یہ لوگ (غیر مقلدین) متعہ کو بھی جائز کہتے ہیں، حالانکہ ائمہ میں سے اس کا بھی کوئی قائل نہیں۔“

(تقریر ترمذی، ص400)

جواب: یہ دروغ گوئی ہے، محض جھوٹا الزام ہے۔ الحمدللہ اہل حدیث اس سے بری

ہیں۔اہل حدیث متعہ کوحرام کہتے ہیں۔

سوال: کیا فقہ حنفی کا دارومدار سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے؟

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”فقہ حنفی کا دارومدار ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے۔“

(تقریر ترمذی، ص676)

جواب: یہ تلبیس ابلیس ہے، یہ لوگ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عقیدہ وعمل دیگر صحابہ سے مختلف تھا۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں تھا۔ مانا کہ صحابہ کے مابین بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف تھا، مگر وہ اتنا قلیل ہے کہ اس کا اعتبار نہیں، جس میں تطبیق یا ترجیح کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے، یا دونوں مسئلے ہی درست ہیں۔

یاد رہے کہ ضعیف روایات سے کوئی شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، خواہ وہ کسی بھی صحابی سے مروی کیوں نہ ہو۔

فقہ حنفی کے اجتہادی مسائل کا دارومدار رائے اور قیاس پر ہے۔ احناف کے کتنے ہی عقائد اور مسائل صحیح احادیث اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کے خلاف ہیں!!

چند امثلہ ملاحظہ ہوں؛

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الْعَرْشُ عَلَى الْمَاءِ، وَاللّٰهُ عَلَى الْعَرْشِ، وَيَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ.

”عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔“

(كتاب التّوحيد لابن خزيمة : 242/1-243، ح : 149، الرّد على الجهمية للدّارمي : 81، الرّد على المريسي للدّارمي : 422/1، المُعجم الكبير للطّبراني : 202/9، العَظمة لأبي الشّيخ : 288/2، التّمهيد لابن عبد البر : 139/7، الأسماء

والصّفات للبيهقي :851، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(العلوّ، ص 64)

جبکہ احناف اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی نہیں مانتے، بلکہ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانتے ہیں۔ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عقیدہ استویٰ سے واضح انحراف ہے۔

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ أَهْلُ السَّمَاءِ .

''جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، تو آسمان والے فرشتے سنتے ہیں۔''

(التّوحيد لابن خزيمة :351/1، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی کلام کے قائل تھے، کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مسموع ہے، جسے آسمان والے سنتے ہیں، جبکہ احناف اللہ تعالیٰ کے لیے کلام معنوی کے قائل ہیں، کہ جس میں صوت وحروف نہ ہوں اور جسے سنا نہ جا سکے۔ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عقیدہ سے واضح انحراف ہے۔

جہمیہ، متکلمین میں سے معتزلہ، کلابیہ، اشاعرہ سارے کے سارے قرآن کریم کے حقیقی کلام ہونے میں گمراہ ہیں اور عقیدہ اہل سنت سے منحرف ہیں۔

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَلَا إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَضْحَكُ إِلٰى رَجُلَيْنِ ....

''خبردار! اللہ تعالیٰ دو بندوں پر ہنستا ہے......۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 101/9، وسندهٗ حسنٌ)

❀ نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يَضْحَكُ مِمَّنْ ذَكَرَهٗ فِي الْأَسْوَاقِ .

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر ہنستا ہے، جو اس کا ذکر بازاروں میں کرتا ہے۔''

(نقص الإمام أبي سعيد الدّارمي على المَريسي : 197، وسندهٗ صحيحٌ)

ان آثار سے ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ضحک (ہنسنا) ثابت کرتے ہیں، جبکہ احناف صفت ضحک کی تاویل کرتے ہیں۔ کیا یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عقیدہ سے انحراف نہیں؟

اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ضحک کا اثبات کرتے ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ ہنستا ہے، مگر اس کا ہنسنا مخلوق کے مشابہ نہیں۔

④ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهٖ، فَابْتَعَثَهٗ بِرِسَالَتِهٖ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهٖ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهٖ، يُقَاتِلُونَ عَلٰى دِينِهٖ .

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب بندوں کے دلوں سے بہترین پایا، تو اسے اپنی نبوت کے لیے منتخب فرما لیا اور رسالت دے کر مبعوث فرمایا، پھر محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد بندوں کے دلوں کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو سب سے بہترین پایا، تو انہیں اپنے

نبی کے وزیر (اور ساتھی) بنا دیا، جو نبی ﷺ کے دین کے لیے قتال کرتے ہیں، لہٰذا جسے مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے مسلمان برا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برا ہے۔''

(مسند أحمد: 379/1، المُستدرك للحاكم: 78/3، الرقم: 4465، وسندهٗ حسنٌ)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (المقاصد الحسنة: ٩٥٩) اور علامہ محمد طاہر پٹنی (تذکرة الموضوعات، ص ٩١) نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (تحفة الطّالب: ٣٣٤) نے اس کی سند کو ''جید'' اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (الدراية: ١٨٧/٢) نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے لیے دیکھنے کی صفت ثابت کرتے ہیں، جبکہ احناف اس کے قائل نہیں، بلکہ اس صفت کی تاویل کرتے ہیں۔

⑤ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے:

مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا، فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ .

''جو شخص دودھ روکی ہوئی بکری خرید لے اور پھر اسے واپس کرنا چاہے، تو وہ اس کے ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی دے۔''

(صحيح البخاري: 2149)

یہی فتوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے اور اسی مطابق اہل حدیث بھی فتویٰ دیتے ہیں۔

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

لَا مُخَالِفَ لَهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ فِي ذٰلِكَ .

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی صحابی اس مسئلہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مخالف نہیں۔‘‘

(المحلّٰی : 575/7)

جبکہ احناف حدیث مصراۃ کو قیاس کے خلاف قرار دے کر ترک کر دیتے ہیں، نیز حدیث کو قرآن کے خلاف باور کراتے ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہہ کر یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ غیر فقیہ کی روایت اگر قیاس کے خلاف آئے، تو اسے ترک کر دیا جائے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موافق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فتویٰ دیا ہے، ثابت ہوا کہ حدیث مصراۃ قرآن کے مخالف نہیں، نہ ہی قیاس کے مخالف ہے، نہ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہیں۔

⑥ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ كَانَ يَقُولُ فِي السُّورَةِ يَكُونُ آخِرَهَا السُّجُودُ قَالَ : اقْرَأْ وَاسْجُدْ ثُمَّ قُمْ فَاقْرَأْ وَارْكَعْ وَإِنْ شِئْتَ فَارْكَعْ فِي الْأَعْرَافِ وَالنَّجْمِ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ وَأَشْبَاهِهِنَّ .

’’جس سورت کے آخر میں سجدہ تلاوت ہو، تو آیت سجدہ پڑھیے، پھر سجدہ کیجئے، پھر کھڑے ہوئیے، قرأت کیجئے اور رکوع کیجئے۔ اگر آپ چاہیں، تو سورت اعراف، سورت نجم، سورت علق اور ان جیسی سورتوں میں (سجدہ تلاوت کیے بغیر ہی) رکوع کر سکتے ہیں۔‘‘

(المَطالب العالية لابن حجَر : 547، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ مَوْقُوفٌ .

''یہ موقوف ہے اور سند صحیح ہے۔''

(المَطالب العالية، تحت الرقم : 547)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں، جبکہ احناف کے نزدیک قرآن کریم کے بعض سجدے واجب ہیں۔ کیا یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں ہے؟

⑦ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّكُمْ سَتُدْرِكُونَ اَقْوَامًا يُصَلُّونَ الصَّلَاةَ لِغَيْرِ وَقْتِهَا فَإِنْ اَدْرَكْتُمُوهُمْ فَصَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ لِلْوَقْتِ الَّذِي تَعْرِفُونَ ثُمَّ صَلُّوا مَعَهُمْ وَاجْعَلُوهَا سُبْحَةً .

''آپ کا ایسے لوگوں سے پالا پڑ سکتا ہے، جو اصل وقت سے ہٹ کر نماز ادا کریں گے، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اصل وقت پر گھر میں نماز پڑھ لینا، پھر نفل کی نیت سے ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا۔''

(مسند الإمام أحمد : 379/1، سنن ابن ماجه : 1255، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۳۳۱) اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۶۴۰) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوا کہ مفترض کے پیچھے متنفل کی نماز صحیح ہے، جبکہ احناف اس کے قائل نہیں۔ کیا یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے انحراف نہیں؟

⑧ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ، وَإِحْرَامُهَا التَّكْبِيرُ، وَانْقِضَاؤُهَا التَّسْلِيمُ .

''وضو نماز کی چابی ہے، نماز کا آغاز اللہ اکبر سے اور اختتام سلام سے ہی ہوتا ہے۔''

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 16/2، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اس اثر کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(السّنن الكبرىٰ : 174/2)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز کا آغاز ''اللہ اکبر'' سے ہی ہوسکتا ہے اور اس کا اختتام سلام سے ہی کیا جائے گا۔

جبکہ احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں ''اللہ اکبر'' کہنا ضروری نہیں، بلکہ ان کے ہاں نمازی اللہ کی بڑائی کا کوئی بھی کلمہ کہہ دے، تو نماز میں شامل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح احناف کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے مکمل ہونے پر اگر کوئی شخص سلام نہ پھیرے، بلکہ نماز کے منافی کوئی عمل کر لے، جیسے ہوا خارج کرنا یا باتیں کرنا یا ادھر اُدھر دیکھنا شروع کر دے یا قہقہہ لگا دے، تو اس کی نماز مکمل ہے۔

کیا یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے انحراف نہیں؟

⑨ علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقُلْتُ : هَلْ شَهِدَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ؟ قَالَ : لَا .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا لیلۃ الجن کو آپ میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ فرمایا: نہیں۔''

(صحيح مسلم : 450)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لیلۃ الجن کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی صحابی بھی نہیں تھا، نہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی اور صحابی۔

جبکہ احناف کہتے ہیں کہ لیلۃ الجن کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی، ابراہیم (راویٔ حدیث) کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے (بھول کر نماز میں) کمی کی یا زیادتی کی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا، تو عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! کیا نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آ گیا ہے؟ فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا: آپ نے ایسے ایسے نماز ادا فرمائی ہے، تو آپ ﷺ نے اپنے پاؤں کو دوہرا کیا، قبلہ کی طرف رخِ انور پھیرا:

سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ.

''دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔''

جب ہماری طرف متوجہ ہوئے، تو فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا، تو میں آپ کو آگاہ کرتا، لیکن میں بشر ہوں، جیسے آپ بھول جاتے ہیں، ایسے میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جاؤں، تو مجھے یاد کروا دیا کریں، جب کسی کو نماز میں شک پڑ جائے، تو درستی کے لیے سوچ بچار کرے اور اس کے مطابق نماز پوری کر لے۔

ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ.

''سلام پھیرے، دو سجدے کر لے۔''

(صحيح البخاري :601)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سجدہ سہو کا جو طریقہ بیان کیا ہے، وہ احناف کے سجدہ

سہو والے طریقہ کے خلاف ہے۔ کیا یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں؟ جبکہ احناف کا سجدہ سہو کا طریقہ کسی صحیح حدیث یا صحابی سے ثابت نہیں۔

سوال: کیا اب بھی کسی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں؟

جواب: یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارکہ ہیں، محتاج دلیل ہے، جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا جائے، کیونکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کو منسوب کرنا گناہ ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بغیر دلیل کے کسی چیز کو منسوب کرنا بھی گناہ ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کے زمرہ میں آتا ہے۔

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

> ”بہر حال ان روایات سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے پاس جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں اور ان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے، تو کوئی مستبعد نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہوں، تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بہت زیادہ تھے، جو لوگوں میں تقسیم ہوئے، ممکن ہے لوگوں کے پاس محفوظ ہوں، جیسے دیوبند میں سلطان عبدالحمید کا عطا کردہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رومال موجود ہے۔“

(تقریر ترمذی، ص631)

مدنی صاحب کی بات غیر محتاط ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو چکے ہیں، اب کسی مدعی کی بات بغیر ثبوت اور دلیل کے نہیں مانی جا سکتی، خاص طور پر اس پرفتن دور میں کہ جب ہر کوئی یہ دعویٰ کرتا نظر آتا ہے کہ ہمارے پاس نبی

کریم ﷺ کی فلاں شے ہے الخ۔

لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کسی بھی شے کو بغیر پختہ دلیل کے تسلیم نہ کیا جائے، نہ اس سے تبرک لیا جائے، کیونکہ جب اس کی نسبت ہی نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، تو اس سے تبرک لینا کیوں کر جائز ہو گیا؟

جیسے اگر کوئی حدیث نبی کریم ﷺ سے باسند ثابت ہی نہیں، جب تک اس کی نسبت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو جائے، اسے نبی کریم ﷺ کا فرمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آثار نبویہ کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے۔

رہا مدنی کا دعویٰ کہ دیوبند میں نبی کریم ﷺ کا رومال مبارک موجود ہے، تو اس کے لیے بھی دلیل چاہیے، محض نسبت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: ترجیع والی اذان سنت سے ثابت ہے؟

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''اصل سنت سے تو ترجیع ثابت نہیں، بلکہ یہ (سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ) اپنے فہم سے ترجیع پر مداومت کرتے رہے، راوی کا فہم معتبر نہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص 328)

جواب: ترجیع والی اذان صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ راوی حدیث سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اسی پر عامل رہے۔ یہ کہنا کہ ترجیع والی اذان اصل سنت سے ثابت نہیں، مبنی پر انصاف بات نہیں اور صحابی کے بارے میں یہ بدگمانی واقع کرنا کہ وہ اپنے فہم سے ہی ترجیع والی اذان پر ہمیشگی کرتے رہے، لہٰذا صحابی راوی کا فہم معتبر نہیں، یہ قطعاً نامناسب ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اس طرح اسلام میں تشکیک واقع کرے۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ راوی حدیث اپنی ہی روایت کو نہ سمجھ پائے اور بعد والے فہم حدیث میں اسے غلط قرار دیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُؤْخَذُ بِأَذَانِ بِلَالٍ وَإِقَامَةِ أَبِي مَحْذُورَةَ عَلٰى وَجْهِ الْإِهْمَالِ لِغَيْرِهِمَا، بَلْ عَلٰى وَجْهِ أَنَّ كُلًّا سُنَّةٌ، يُفْعَلُ هٰذَا فِي مَكَانٍ وَهٰذَا فِي مَكَانٍ، أَوْ هٰذَا تَارَةً وَهٰذَا تَارَةً، وَمَنْ رَجَّحَهُمَا عَلٰى وَجْهِ الْإِهْمَالِ لِغَيْرِهِمَا، أَوْ رَجَّحَ أَذَانَ أَبِي مَحْذُورَةَ وَإِقَامَةَ بِلَالٍ عَلٰى وَجْهِ الْإِهْمَالِ لِغَيْرِهِمَا فَهُوَ مُشْكِلٌ.

”بلال رضی اللہ عنہ کی صرف اذان اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی صرف اقامت لینا درست نہیں، بلکہ یہ سب سنت ہے، دونوں کا الگ الگ مکان ہے، کبھی ایک کا اختیار کیا گیا، تو کبھی دوسری کو۔ جس نے بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اقامت کو ترجیح دی اور اذان کی دیگر صورتوں کو چھوڑ دیا، یا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان اور بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت کو ترجیح دی اور دیگر صورتوں کو ترک کر دیا، تو یہ مشکل بات ہے۔“

(التّنبيه على مشكلات الهداية :490/1)

سوال: کیا ترجیع والی اذان کا انحصار حارث بن عبید راوی پر ہے؟

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”دوسرے ابو داود کی روایت نہایت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی حارث بن عبید ہیں، جو محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف راوی ہیں۔“

(تقریر ترمذی، ص328)

جواب: مدنی صاحب جس روایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، وہ سنن ابی داود کی حدیث نمبر 500 ہے۔

عرض ہے کہ ترجیع والی اذان میں سنن ابی داود کی اس روایت پر انحصار ہی نہیں ہے، دیگر طرق میں حارث بن عبید کی متابعت موجود ہے۔

سوال: کیا کرشن اور رام چندر نبی تھے؟

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں فرمایا کرتے تھے کہ کرشن اور رام چندر ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہوں، اگر چہ قطعی طور پر نصوص میں اس کا ذکر نہیں، مگر قطعی طور پر انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

(تقریر ترمذی، ص68-69)

جواب: مدنی صاحب بہت بڑی جسارت کے مرتکب ہیں۔ کسی بھی شخص کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہو۔ جب تک کسی کا نبی ہونا قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے، اسے نبی نہیں کہا جا سکتا۔ کرشن اور رام چندر کے نبی ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: کیا محدثین تفقہ فی الدین نہیں رکھتے تھے؟

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ تفقہ حدیث میں فقہا کا قول معتبر ہوگا، محدثین کا تفقہ قابل اعتبار نہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص291)

جواب: مدنی صاحب نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف جن الفاظ کا انتساب کیا ہے،

ہمیں ان الفاظ کے ساتھ کوئی قول نہیں ملا۔

ممکن ہے کہ مدنی صاحب کے مدنظر یہ قول ہو؛

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيثِ.

''فقہائے کرام حدیث کے معانی ومفاہیم سب سے بہتر جانتے ہیں۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم: 990)

مدنی صاحب نے اس قول کی غلط تعبیر پیش کی ہے، دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ کوئی کہے کہ محدثین کا تفقہ قابل اعتبار نہیں۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ محدثین فقہا تھے، لیکن یہ باور کرانا کہ فقہا اور محدثین میں کوئی بڑا فرق ہوتا ہے، یہ درست نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کی مراد کبار محدثین اور ائمہ دین ہیں؛ مثلاً امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک، امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم رحمہم اللہ ہیں۔ جو تفقہ دین میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے، یہ محدثین بھی تھے، فقہا بھی تھے اور مفسرین بھی تھے۔

ہاں یہ ضرور ہے ہر راوی حدیث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں، بعض رواۃ حفاظ ہوتے ہیں، فقہا نہیں ہوتے۔ البتہ بعض لوگ فقہا کے لفظ پر مرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے فقہا فقہا کی رٹ لگا کر اپنے کمزور اور باطل مذہب کو سہارا دیا ہوتا ہے، حالانکہ جو مقلدین فقہا ہیں، محدثین ان کی فقہ کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

مذہب اہل حدیث وہ مذہب ہے، جو محدثین کا ہے، جو محدثین بھی تھے اور فقہا بھی تھے، دین کی تعبیروں سے اچھے طرح واقف تھے، فہم دین میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ اُمت خیر خواہ تھے، اپنی ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ اس لیے بعض لوگ محدثین کے دشمن

ہو گئے، ہر وقت ان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

"ہر میدان کے الگ الگ رجال ہوتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ سے فقہ کا مسئلہ نہیں پوچھا جائے گا۔"

(تقریر ترمذی، ص435)

امام بخاری رحمہ اللہ سید الفقہاء ہیں، اہل حق اہل حدیث کے امام ہیں، یقیناً اہل باطل اور محدثین کے دشمن یہی کہیں گے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے فقہ کا مسئلہ نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ اس سے ان کی "فقہ شریف" پر حرف آتا ہے۔

سوال: کیا محدثین میں تعصب تھا؟

❁ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

"...... یا ان حضرات (امام ابو داود رحمہ اللہ اور حافظ ابو علی نیشاپوری رحمہ اللہ وغیرہ) نے تعصب کی بنا پر قصداً ان روایات کو چھوڑ دیا۔"

(تقریر ترمذی، ص459)

❁ نیز کہتے ہیں:

"الحاصل؛ امام بخاری رحمہ اللہ نے جتنے اعتراضات کیے تھے، وہ سب ساقط ہو گئے، اگرچہ فن حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا بلند مقام ہے، مگر تعصب کی بناء پر جب یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں، تو ان (امام بخاری رحمہ اللہ) پر بھی تنقید کی جاتی ہے، چنانچہ اکابر نے مواخذہ کیا ہے۔ اگر احناف مواخذہ کریں، تو کیا مضائقہ؟

امام اعظم (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) سے مقابلہ کرنے والی دو جماعتیں ہیں؛ ایک تو نفسانیت کی غرض سے، وہ آج کل کے غیر مقلدین ہیں اور ایک وہ جماعت ہے، جس نے لوجہ اللہ مقابلہ کیا، وہ امام بخاری اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص 391)

❁ مزید کہتے ہیں:

''مگر دھینگا مشتی کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ اس سے جہر ثابت کرتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص 394)

(جواب): محدثین اور ائمہ حدیث زہد و تقویٰ میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے، سرتا سر علمی دیانت کا لحاظ رکھتے تھے۔ محدثین عدل و انصاف اور علم کے ساتھ بات کرتے تھے، جہالت اور ظلم سے کوسوں دور تھے، تب معیارِ حق ٹھہرے اور وہ صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کی پاسبانی کے لیے پیدا کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں انجمن تھا۔ وہ بلا وجہ کسی کا مقابلہ نہیں کرتے تھے، کبھی بھی انصاف کا دامن ان سے چھوٹنے نہیں پایا، تو وہ متعصب کیسے ٹھہرے؟

تعصب کا مطلق ہوتا ہے؛ جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف داری کرنا۔ محدثین ایسے تو نہیں تھے۔

باقی یہ کہنا کہ غیر مقلدین نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مقابلہ کیا ہے، یہ محض اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا جاتا ہے، اگر محدثین نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مقابلہ لوجہ اللہ کیا ہے، تو محدثین کے پیروکاروں میں ہر دور کے اہل علم نے جس کا بھی مقابلہ کیا ہے، لوجہ اللہ ہی کیا ہے۔ کسی کو گرانا یا بچھانا مقصود نہیں تھا، مقصود حق کی بالا دستی اور دین حنیف کا سر بلندی تھا اور

باطل کو منہ کالا کرنا تھا۔

اہل حق اہل حدیث کے متعلق اس طرح کی بدگمانی پھیلانا کوئی اخلاقی اقدام نہیں۔ تمام محدثین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلہ میں آئے، جو فتویٰ محدثین پر لگے گا، وہی فتویٰ محدثین کی روحانی ذریت اہل حدیث پر لگے گا۔

اس میں کوئی حیرت نہیں کہ اہل باطل ہر دور میں اہل حق پر تنقید کرتے رہے، ان کی تنقید اہل حق کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔

اہل بدعت اپنے خبث باطل میں ائمہ محدثین کی دشمنی پالے ہوئے ہیں، محدثین کو ہر دَم نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور محدثین کے خلاف نامناسب اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے، آمین!

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عجلان کے شاگردوں میں سے ابوخالد کو وہم ہوگیا اور یہی متفرد ہیں، ان کو ابوخالد احمر کہا جاتا ہے اور یہ بخاری کے راوی ہیں، بلکہ صحاح کی کتب کے راوی ہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ ان کو بھی وہمی قرار دے رہے ہیں۔ تعصب کی حد ہوگئی۔''

(تقریر ترمذی، ص460)

مدنی صاحب جب محدثین کے علم وفہم کو برداشت نہ کر پائیں، تو انہیں متعصب قرار دے دیتے ہیں، یہ علمی رَوش نہیں۔

امام ابوداود رحمہ اللہ کا شمار محدثین اور علل حدیث کے ماہرین میں ہوتا ہے، ائمہ علل احادیث اور راویان کی ظاہری اور مخفی علتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ کسی روایت پر

تبصرہ علم کی بناء پر کرتے تھے، نہ تعصب کی بنا پر۔

ابو خالد احمر کا شمار ان ثقہ راویوں میں ہوتا ہے، جو کبھی کبھار خطا کر جاتے تھے۔ اس روایت میں بھی انہیں وہم ہوا، جسے اللہ تعالیٰ نے امام ابوداود وغیرہ ائمہ حدیث پر منکشف کر دیا۔ یہ علم ہے، تعصب نہیں۔

مقلدین نفسانی خواہش میں اس قدر غرق ہیں کہ ان کو کوئی بھی علمی کاوش ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جو محدثین پر ہاتھ صاف کر لیتے ہیں، ہمارے جیسے ہما شما کو کیا سمجھتے ہیں؟

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''عاصم بن کلیب، جو مسلم کا راوی ہے، اگرچہ بخاری رحمہ اللہ نے نہیں لیا، مصنف (ترمذی) رحمہ اللہ اسے (اس حدیث کو) صحیح نہیں کہتے، حالانکہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ صفحہ ۳۸، ۴۷ پر عاصم بن کلیب کی روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس تامل کی وجہ سوائے تعصب اور کیا ہو سکتی ہے، جو ان بزرگوں کی شان کے لائق نہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص402)

امام ترمذی رحمہ اللہ کو متعصب قرار دینا جہالت ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ ماہر علل تھے، وہ حدیث کی ظاہری و مخفی علتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ یہ مبارک فن ائمہ محدثین کو حاصل تھا، بعد والے اسے سمجھ نہیں پاتے اور اسے تعصب شمار کرتے ہیں۔ یہ ان کی علم دشمنی ہے اور کچھ نہیں۔

ایسا ممکن ہے کہ ایک راوی کی روایت صحیح ہو اور اسی راوی کی روایت دوسری جگہ ضعیف ہو، کیونکہ غلطی کسی بھی راوی سے ہو سکتی ہے اور محدثین اس راوی کی غلطی پر مطلع ہو گئے ہوں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّهُ دَخَلَ عَلٰى ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ ـقَالَ أَحْمَدُ : وَهُوَ مَرِيضٌ۔ فَقَالَ : «اِكْشِفِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ»، ثُمَّ أَخَذَ تُرَابًا مِنْ بَطْحَانَ فَجَعَلَهُ فِي قَدَحٍ ثُمَّ نَفَثَ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَصَبَّهُ عَلَيْهِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بیمار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِكْشِفِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ» ''لوگوں کے رب! ثابت بن قیس بن شماس سے بیماری کو دور کر دے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بطحان کی مٹی لی، اسے ایک پیالے میں ڈالا، پھر اس میں پانی ڈال کر دَم کیا اور وہ پانی ثابت رضی اللہ عنہ پر بہا دیا۔''

(سنن أبي داود : 3885، السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 10789)

جواب: سند ضعیف ہے۔ یوسف بن محمد بن ثابت بن قیس بن شماس مجہول الحال

ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۷/۶۳۳'' میں ذکر کیا ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يُعْرَفُ حَالُهُ .

''اس کا حال غیر معروف ہے۔''

(میزان الاعتدال: 472/4)

سوال: کیا ایام تشریق میں روزہ رکھنا ممنوع ہے؟

جواب: ایام تشریق میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

❁ ابو مرہ مولیٰ اُم ہانی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ دَخَلَ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَلٰى أَبِيهِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَقَرَّبَ إِلَيْهِمَا طَعَامًا، فَقَالَ: كُلْ، فَقَالَ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ عَمْرٌو: كُلْ، فَهٰذِهِ الْأَيَّامُ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِإِفْطَارِهَا، وَيَنْهَانَا عَنْ صِيَامِهَا .

''آپ رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ان کے والد گرامی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے ان دونوں کو کھانا پیش کیا اور فرمایا: کھائیے، تو سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: میں روزے سے ہوں، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تناول کیجئے، یہ وہ ایام ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں افطار کرنے کا حکم دیا ہے اور روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔''

(موطأ الإمام مالك: 376/1، سنن أبي داود: 2418، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۱۴۹) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

۞ امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ .

''یہاں ایام سے مراد ایام تشریق ہیں۔''

(موطأ الإمام مالك: 376/1)

اس باب میں دیگر دلائل بھی ہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

۞ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنَ السَّنَةِ، ثَلَاثَةِ (ص576:) أَيَّامٍ مِنَ التَّشْرِيقِ، وَيَوْمِ الْفِطْرِ، وَيَوْمِ الْأَضْحَى، وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ، مُخْتَصَّةً مِنَ الْأَيَّامِ

(مسند الطّيالسي: 2219، مسند أبي يعلىٰ: 4111)

جواب: سند ضعیف ہے۔ یزید رقاشی ضعیف ہے۔

۞ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(مسند أبي يعلىٰ: 2913، سنن الدّارقطني: 2409)

سند ضعیف ہے۔

① قتادہ کا عنعنہ ہے۔

② سعید بن ابی عروبہ مدلس و مختلط ہے۔

سوال: سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کیا ہے؟

جواب: سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ذوالحجہ کی بارہ تاریخ کو شہید ہوئے۔

❀ مخضرم تابعی ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ عُثْمَانَ قُتِلَ فِي أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ .

''بلاشبہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایام تشریق کے وسط (بارہ ذوالحجہ) کو شہید ہوئے۔''

(طَبقات ابن سعد : 79/3، زوائد مسند الإمام أحمد : 546، وسندہٗ صحیحٌ)

تنبیہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت اٹھارہ ذوالحجہ ہونے پر کوئی معتبر دلیل نہیں۔

❀ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمہ اللہ کے مطابق اٹھارہ ذوالحجہ ہے۔

(مَعرِفة الصّحابة لأبي نعيم :251)

یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ کی تاریخ ولادت قریبا 154 ھ ہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے 35 ھ کو ہوئی۔ دونوں کے درمیان ایک سوانیس سال کا فاصلہ ہے۔

جبکہ بارہ ذوالحجہ تاریخ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرنے ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ ہیں، جو مخضرم تابعی ہیں اور سیدنا عثمان بن عفان سمیت کئی اکابر صحابہ کے شاگرد ہیں، لہٰذا ان کی بات ہی معتبر ہوگی۔

ایک اعتراض:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت بارہ ذوالحجہ کو ہوئی ہے، اس پر ایک اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے، بارہ ذوالحجہ ایام تشریق ہے، ایام تشریق میں روزہ نہیں، جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بوقت

شہادت روزے سے تھے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَصْبَحَ يُحَدِّثُ النَّاسَ فَقَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا عُثْمَانُ أَفْطِرْ عِنْدَنَا اللَّيْلَةَ فَأَصْبَحَ صَائِمًا، ثُمَّ قُتِلَ مِنْ يَوْمِهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ .

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صبح کی، تو لوگوں سے ہم کلام ہوئے، فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان! رات کو افطاری ہمارے پاس کرنا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صبح کو روزہ رکھ لیا، پھر اسی دن شہید کر دیے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔''

(الشّريعة للآجري :1431، المُستدرك للحاكم : 4554، وسندهٗ حسنٌ)

بے شک ایام تشریق میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آج روزہ ہمارے ہاں افطار کرنا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے روزے رکھ لیا اور اسی حالت میں شہید کر دیے گئے۔

عین ممکن ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس روزے کو اپنے ساتھ خاص سمجھا ہو اور اس دن کا روزہ رکھ لیا ہو، واللہ اعلم!

سوال: کیا نماز تراویح اور نماز تہجد الگ الگ نمازیں ہیں؟

❀ علامہ محمود الحسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''تراویح ایک مستقل نماز ہے، جو تہجد سے بالکل علیحدہ ہے۔''

(تقاریر شیخ الہند، ص 107)

(جواب): نماز تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ان کے علیحدہ علیحدہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔اسلاف اُمت میں کوئی بھی ان دونوں کو الگ الگ نماز نہیں سمجھتا تھا۔

✿ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

لَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيمِ أَنَّ تَرَاوِيحَهٗ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكْعَاتٍ، وَّلَمْ يَثْبُتْ فِي رِوَايَةٍ مِّنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهٗ صَلَّى التَّرَاوِيحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰى حِدَةٍ فِي رَمَضَانَ .

’’یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نمازِ تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ پڑھی ہوں۔‘‘

(العَرف الشّذي :166/1)

نبی کریم ﷺ نے ساری رات قیام فرمایا، یہ قیامِ رمضان تھا،اس رات الگ سے نماز تہجد ادا کرنے کا وقت ہی نہیں تھا۔معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے ساری رات قیام نہیں فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ایسا نہیں کرتے تھے،مگر کبھی کبھار ایسا کرلیا کرتے تھے یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات عدم علم پر محمول ہے۔

(سوال): درج ذیل واقعہ کی سند اور معنی و مطلب واضح کریں۔

✿ سیدنا حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

قَدِمْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَانِي إِلَى الْإِسْلَامِ، فَدَخَلْتُ فِيهِ، وَأَقْرَرْتُ بِهٖ، فَدَعَانِي إِلَى الزَّكَاةِ،

فَأَقْرَرْتُ بِهَا، وَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِي، فَأَدْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ، فَمَنِ اسْتَجَابَ لِي جَمَعْتُ زَكَاتَهٗ، فَيُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لِإِبَّانِ كَذَا وَكَذَا لِيَأْتِيَكَ مَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكَاةِ، فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكَاةَ مِمَّنْ اسْتَجَابَ لَهٗ، وَبَلَغَ الْإِبَّانَ الَّذِي أَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبْعَثَ إِلَيْهِ، احْتَبَسَ عَلَيْهِ الرَّسُولُ، فَلَمْ يَأْتِهٖ، فَظَنَّ الْحَارِثُ أَنَّهٗ قَدْ حَدَثَ فِيهِ سَخْطَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولِهٖ، فَدَعَا بِسَرَوَاتِ قَوْمِهٖ، فَقَالَ لَهُمْ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِي وَقْتًا يُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولَهٗ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِي مِنَ الزَّكَاةِ، وَلَيْسَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ، وَلَا أَرٰى حَبْسَ رَسُولِهٖ إِلَّا مِنْ سَخْطَةٍ كَانَتْ، فَانْطَلِقُوا، فَنَأْتِيَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ إِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكَاةِ، فَلَمَّا أَنْ سَارَ الْوَلِيدُ حَتّٰى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيقِ، فَرِقَ، فَرَجَعَ، فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِي الزَّكَاةَ،

وَأَرَادَ قَتْلِي، فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَعْثَ إِلَى الْحَارِثِ، فَأَقْبَلَ الْحَارِثُ بِأَصْحَابِهٖ إِذِ اسْتَقْبَلَ الْبَعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِينَةِ، لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ، فَقَالُوا : هٰذَا الْحَارِثُ، فَلَمَّا غَشِيَهُمْ، قَالَ لَهُمْ : إِلٰى مَنْ بُعِثْتُمْ؟ قَالُوا : إِلَيْكَ، قَالَ : وَلِمَ؟ قَالُوا : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَعَثَ إِلَيْكَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ، فَزَعَمَ أَنَّكَ مَنَعْتَهُ الزَّكَاةَ، وَأَرَدْتَ قَتْلَهٗ قَالَ : لَا، وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ، مَا رَأَيْتُهٗ بَتَّةً، وَلَا أَتَانِي فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : مَنَعْتَ الزَّكَاةَ، وَأَرَدْتَ قَتْلَ رَسُولِي؟ قَالَ : لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهٗ، وَلَا أَتَانِي، وَمَا أَقْبَلْتُ إِلَّا حِينَ احْتَبَسَ عَلَيَّ رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَشِيتُ أَنْ تَكُونَ كَانَتْ سَخْطَةً مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَسُولِهٖ، قَالَ : فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتُ : ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ، فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾(الحُجُرات : ٦) إِلٰى هٰذَا الْمَكَانِ : ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَّاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (الحُجُرات : ٨) .

’’میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، جو میں نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی، میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور عرض کیا کہ میں واپس اپنی قوم میں جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں، میں ان کی زکوۃ جمع کرتا ہوں، اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ ﷺ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے، میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ ﷺ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر یہی کیا، مال زکوٰۃ جمع کیا، جب وقت مقررہ گزر چکا اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا: یہ تو ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ لے جانے کے لیے نہ بھیجا ہو، اگر آپ لوگ متفق ہوں، تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ چلے جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ لوگ اپنا مال زکوٰۃ لے کر چل دیے۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیج دیا تھا، لیکن وہ راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی تنبیہ کے لیے روانہ فرمائے، مدینہ کے قریب راستے ہی میں اس مختصر سے لشکر

نے حارث کو پالیا اور گھیر لیا۔ حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آپ لوگ کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کی طرف بھیجے گئے ہیں، پوچھا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ نہیں دی، بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی، جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے! نہ میں نے ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھا، نہ وہ میرے پاس آئے ہیں، ٹھیک ہے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ آئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: آپ نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا؟ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے! نہ میں نے انہیں دیکھا، نہ وہ میرے پاس آئے۔ بلکہ میں تو اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ مجھے قاصد نہیں ملا اور اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو میں خود حاضر خدمت ہوا، اس پر سورت حجرات کی آیات: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ، فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحُجُرات : ٦) ”اہل ایمان! جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے، تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں تم انجانے میں کسی قوم پر چڑھائی کر دو اور تمہیں اپنے کیے پر ندامت اٹھانا پڑے۔“ سے اس آیت: ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَّاللّٰهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ﴾(الحُجُرات : ٨) ''یہ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت ہے، بلا شبہ اللہ تعالیٰ خوب علم والا اور حکمت والا ہے۔'' تک نازل ہوئیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 4/279)

جواب: اس کی سند ضعیف ہے۔ دینار کوفی مجہول الحال ہے۔ اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۴/ ۲۱۸'' میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دِينَارٌ لَا يُعْرَفُ . ''دینار غیر معروف ہے۔''

(المُهذّب في اختصار السنن الكبير : 4/1627)

تنبیہ:

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِتَأْوِيلِ الْقُرْآنِ فِيمَا عَلِمْتُ أَنَّ قَوْلَهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿إِنْ جاءَ كُمْ فاسِقٌ بِنَبَإٍ﴾ نزلت فِي الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ .

''میرے علم کے مطابق مفسرین کے مابین اس بارے میں اختلاف نہیں کہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿إِنْ جاءَ كُمْ فاسِقٌ بِنَبَإٍ﴾ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔''

(الاستيعاب : 4/1553)

ہوسکتا ہے کہ مفسرین نے مذکورہ بالا ضعیف روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی ہو۔ جب اس کی کوئی دلیل یا بناء نہیں، تو یہ کہنا کہ یہ آیت کریمہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں

نازل ہوئی، درست نہیں۔

سوال: مشاجرات صحابہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: مشاجرات صحابہ کے حوالہ سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کے متعلق زبان بندی چاہیے اور ان کے لیے استغفار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باہمی جھگڑے، تو تکار اور جنگیں پہلے سے ہی معاف کر دی ہیں، لہٰذا اب مشاجرات صحابہ کو زیر بحث نہیں لایا جائے گا۔

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

مَا نُقِلَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَمِنْهُ مَا هُوَ بَاطِلٌ وَكِذْبٌ فَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ، وَمَا كَانَ صَحِيحًا أَوَّلْنَاهُ عَلَى أَحْسَنِ التَّأْوِيلَاتِ، وَطَلَبْنَا لَهُ أَجْوَدَ الْمَخَارِجِ لِأَنَّ الثَّنَاءَ عَلَيْهِمْ مِنَ اللّٰهِ سَابِقٌ، وَمَا نُقِلَ مُحْتَمَلٌ لِلتَّأْوِيلِ، وَالْمَشْكُوكُ لَا يُبْطِلُ الْمَعْلُومَ.

''صحابہ کے مابین مشاجرات اور اختلافات کے متعلق جو کچھ منقول ہے، ان میں سے کچھ تو باطل اور جھوٹ ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور ان میں سے جو کچھ صحیح ثابت ہے، ہم اس کی عمدہ تاویل کریں گے، اس کے لیے بہترین عذر تلاش کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر پہلے سے ہی مدح وثناء ہو چکی ہے۔ اب (اس کے برخلاف) جو کچھ منقول ہوگا، اس میں تاویل کا احتمال ہے، مشکوک شے سے معلوم شے کو باطل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔''

(تشنيف المَسامع للزّركشي : 842/4)

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے:

❀ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''غیر مقلد کہتا ہے کہ صلاۃ تراویح آٹھ رکعات ہیں، بیس رکعات تو بدعت عمری ہے ...... یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے گالی دینا شروع کرتا ہے اور تابعین صحابہ کرام کو گالی دیتے دیتے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تھوڑی سے آزادی ملی، تو عورت کی طرح بڑھتے بڑھتے کہیں پہنچ جاتا ہے۔''

(تقریر ترمذی، ص524)

جواب: بے شک اہل حدیث آٹھ رکعت تراویح مسنون کہتے ہیں اور بیس رکعات تراویح غیر ثابت اور غیر مسنون کہتے ہیں۔ لیکن بیس تراویح کو بدعت عمری نہیں کہتے۔ یہ محض اہل حدیث پر اتہام ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہے۔ بیس رکعت کا ثبوت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔

❀ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَّقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) پڑھانے کا حکم دیا۔''

(الموطّأ للإمام مالك : 115/1، شرح معاني الآثار للطّحاوي : 293/1، السّنن الكبرٰى للبَيهقي : 496/2، مشكاة المصابيح :407/1، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ حکم صحیح بخاری و صحیح مسلم والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق ہے۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عین مطابق ہے۔

ثابت ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آٹھ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا، نیز اس سے بیس رکعت تراویح کے قائلین و عاملین کا رد ہوتا ہے اور ان کا بیس رکعتوں کے سنت مؤکدہ ہونے کا نظریہ خطا قرار پاتا ہے۔

اہل حدیث ان اتہامات سے بری ہیں، کوئی اہل حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو گالی نہیں دیتا، ائمہ حدیث نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جو جرح کی ہے یا ان کے متعلق جو رائے قائم کی ہے، اسے بیان کرنا بعض الناس گالی تصور کرتے ہیں، حالانکہ یہ تو دیانت علمی کا تقاضا ہے کہ جس جس کے بارے میں محدثین نے جو فرمایا ہے، وہ حق ہے، تو حق کو بیان کرنا بھی حق ہے۔گالی کہاں؟

تابعین اور صحابہ کو گالی دینا تو اہل حدیث کے نزدیک فسق و کفر ہے، اس کا ارتکاب ایمان کے لیے نقصان دہ ہے۔ جو شخص تابعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے، اس کے دین کا کیا اعتبار؟

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا تعلق ہے، تو ہم اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں اور اسے کفر بواح اور ارتداد سمجھتے ہیں۔

اہل حدیث آزاد فکر نہیں ہیں، یہ وحی الٰہی کے پابند ہیں اور سلف صالحین صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین کے علم و عمل سے سر مو منحرف نہیں۔ ان کا ہر عقیدہ اور عمل اسلاف اُمت سے منقول و ماثور ہے۔ یہ کسی وضعی دین کے پیرو نہیں، یہ اپنی طرف سے محدثین کے خلاف دین کی تعبیریں پیش نہیں کرتے۔ اہل حدیث اُمت کے لیے اَمان ہیں۔ ان کا

مخالف ہر وقت زبان طعن دراز کرتا رہتا ہے، مگر ان کا ذرا برابر بھی نقصان نہیں کر سکتا۔ اپنے غیظ وغضب میں مر رہا ہے۔ ائمہ نے ہمیں باخبر کیا ہے کہ گھبرانا نہیں، ہر بدعتی اہل حدیث سے عداوت رکھتا ہے۔

مدنی صاحب نے اہل حدیث کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں، اس کے متعلق ائمہ نے ہمیں صدیوں پہلے بتا دیا تھا۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ درکار ہے؟

❀ سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ .

''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''

(المُستدرك للحاكم : 173/2، ح : 2717، وسندهٗ حسنٌ والحديث صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۷۰۲)، امام ابن حبان (۴۰۸۳)، امام علی بن المدینی (المستدرک للحاکم: ۱۷۰/۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۸/۷)، امام محمد بن یحییٰ ذہلی (المستدرک للحاکم: ۱۷۰/۲)، امام عبدالرحمٰن بن مہدی (المستدرک للحاکم: ۱۷۰/۲)، امام بخاری (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۸/۷) امام بزار (تحت الرقم: ۳۱۱۶) امام ابن منذر (الاوسط: ۲۶۰/۸) اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام شافعی کے نزدیک بدوں ولی کے نکاح صحیح نہیں ہوتا، خواہ وہ عورت ثیبہ ہو یا باکرہ ہو اور صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور یہ حدیث اُن کی دلیل ہے اور ہمارے امام

صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک بالغہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اگر خود اپنا نکاح کر لے بدوں اجازت ولی کے، تو اس کا نکاح ہو جاتا ہے اور ولی کی ضرورت صغیرہ میں ہے، خواہ ثیبہ ہو یا باکرہ۔ اور ایک دلیل تو امام صاحب کی کلام اللہ کی یہ آیت ہے: ﴿أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ اس میں نکاح کی اسناد عورتوں کی جانب کی گئی ہے......۔"

(تقریر ترمذی، ص309)

جواب: نکاح میں ولی کی اجازت اور رضامندی شرط ہے۔ ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس پر کئی قرآنی اور حدیثی دلائل ہیں۔ ائمہ ومحدثین اسی کے قائل ہیں۔

اس کے برعکس احناف کے نزدیک نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط نہیں، اس پر وہ متعدد دلائل پیش کرتے ہیں، جیسا کہ تھانوی صاحب نے درج ذیل آیت کریمہ پیش کی ہے، مگر تھانوی صاحب کا استدلال خطا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة : ٢٣٢)

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی مقررہ عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔"

اس آیت میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد ہونے پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس آیت سے اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں، اس

آیت میں اولیاء کو خطاب ہے، اس میں عورت کے نکاح میں ان کا اختیار اور حق ثابت ہوتا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''اس آیتِ کریمہ میں واضح دلالت ہے کہ ان لوگوں کی بات صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ عصبہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ اگر عورت نکاح کرنا چاہے تو اس کو روکنے سے اللہ تعالیٰ نے ولی کو منع فرما دیا ہے، اگر عورت بغیر ولی کے خود اپنا نکاح کر سکتی ہوتی یا جسے چاہے اپنا ولی بنا سکتی ہوتی تو اس کے ولی کو نکاح کے سلسلے میں اسے روکنے کی ممانعت کا کوئی معنیٰ مفہوم نہیں، کیونکہ اس صورت میں ولی کے پاس عورت کو روکنے کا کوئی راستہ ہی نہیں، اس لیے کہ وہ جب چاہتی خود اپنا نکاح کر لیتی یا جسے وہ خود اپنا ولی بناتی وہ اس کا نکاح کر دیتا (اصلی ولی کو منع کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا)۔''

(تفسير الطّبري: 488/2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهَا دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَمْلِكُ أَنْ تُزَوِّجَ نَفْسَهَا، وَأَنَّهٗ لَا بُدَّ فِي تَزْوِيجِهَا مِنْ وَلِيٍّ، كَمَا قَالَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جَرِيرٍ عِنْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ.

''اس آیت میں دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے، یہی بات امام ترمذی اور امام ابن جریر رحمہما اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہی ہے۔''

(تفسير ابن كثير: 564/1)

اس آیت کریمہ کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

❁ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَتْ لِي أُخْتٌ تُخْطَبُ إِلَيَّ فَأَتَانِي ابْنُ عَمٍّ لِي فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ، ثُمَّ طَلَّقَهَا طَلَاقًا لَهُ رَجْعَةٌ، ثُمَّ تَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَلَمَّا خُطِبَتْ إِلَيَّ أَتَانِي يَخْطُبُهَا، فَقُلْتُ: لَا، وَاللّٰهِ لَا أُنْكِحُهَا أَبَدًا، قَالَ: فَفِيَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة: ٢٣٢) الْآيَةَ، قَالَ: فَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ.

”میری طرف میری ایک بہن سے نکاح کے لیے پیغام آئے، میرا ایک چچازاد بھی آیا، میں نے اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا، پھر اس نے اسے رجعی طلاق دے دی، پھر اس کو چھوڑ دیا حتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، جب میری طرف (دوسرے لوگوں کی طرف سے) نکاح کے پیغام آنے لگے، تو وہ بھی نکاح کا پیغام لے کر آ گیا، میں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں کبھی اپنی بہن کا نکاح تجھ سے نہیں کرے گا۔ میرے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ......﴾ پھر میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اسی سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔“

(صحيح البخاري: 5130، سنن أبي داوٗد: 2087، واللّفظ لهٗ، سنن التّرمذي: 2981)

اس حدیث میں تھانوی صاحب کے استدلال کا خطا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہوتا، تو سیدنا معقل رضی اللہ عنہ کی بہن اپنا نکاح کر لیتیں اور انہیں اپنے بھائی معقل رضی اللہ عنہ سے اجازت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور نہ معقل رضی اللہ عنہ کو روکنے کا اختیار ہوتا۔

سیدنا معقل رضی اللہ عنہ کو اس نکاح سے روکنے کا اختیار حاصل تھا، اسی لیے انہیں اپنی بہن کا نکاح کروانے کا حکم دیا گیا۔

سوال: دو سجدوں کے درمیان دعا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

✿ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''فقہائے حنفیہ اس قسم کے ادعیہ کو نوافل میں جائز کہتے ہیں، فرائض میں نہیں، بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص427)

جواب: دو سجدوں کے درمیان دعا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہے۔ یہ مطلق ہے، نوافل کی تخصیص نہیں۔ اسے کسی بھی نماز میں مکروہ قرار دینا درست نہیں۔

سوال: کیا امام شافعی رحمہ اللہ سماع موتی کے قائل ہیں؟

✿ علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''وہ (امام شافعی رحمہ اللہ) سماع موتی کے قائل ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص644)

جواب: اس قول کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف درست نہیں۔

سوال: درج ذیل الزام کی کیا حقیقت ہے؟

علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''غیر مقلد زیادہ عبادت کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص517)

جواب: اہل حدیث کوئی نیا فرقہ نہیں، یہ مسلک محدثین کے پابند ہیں۔ مسلک محدثین میں اس قول کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اہل حدیث کو مطعون کرنا درست نہیں۔

جو عبادات ثابت ہیں اور شریعت نے انہیں مطلق رکھا ہے، ان کی کثرت مستحسن ہے۔ البتہ جو عبادت ثابت ہی نہ ہو، وہ شرع سے زائد عمل ہے، جو کہ یقینی طور پر بدعت ہے۔ اسی طرح جس عبادت کو شرع نے مقید اور متعین کیا ہے، اس میں زیادت جائز نہیں۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''آج کل کے غیر مقلدوں کا کام ہے کہ اس قسم کی خرافات بکتے رہتے ہیں۔''

(تقریر ترمذی، ص466)

جواب: یہ انداز کلام سراسر غیر علمی ہے۔

سوال: کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کیا؟

علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) سے جب اس مسئلہ (فاتحہ خلف الامام) پر مناظرہ ہوا، تو انہوں نے اس قسم کا جواب دیا، جس پر لوگ خاموش ہو گئے۔''

(تقریر ترمذی، ص466)

جواب: اس طرح کا کوئی مناظرہ ثابت نہیں۔ جب مناظرہ ہی ثابت نہیں، تو احناف کے مؤقف کی برتری کیسے ثابت ہوئی؟

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۱۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: جمرات کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ کنکریاں کہاں جاتی ہیں؟

جواب: جمرات کو کنکریوں کے بارے میں صحیح علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس حوالہ سے دو اثر پیش خدمت ہیں؛

❀ سیدنا ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْحَصَى الَّذِي يُرْمٰى فِي الْجِمَارِ مُنْذُ قَامَ الْإِسْلَامُ، فَقَالَ : مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ رُفِعَ، وَمَا لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنْهُمْ تُرِكَ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَسَدَّ مَا بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ .

’میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کنکریوں کے بارے میں پوچھا، جو آغاز اسلام سے جمرات کو ماری جاتی ہیں (کہ وہ کہاں جاتی ہیں؟) فرمایا: ان میں سے جو کنکریاں قبول کر لی جاتی ہیں، انہیں اٹھا لیا جاتا ہے اور جنہیں قبول نہیں کیا جاتا، انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو (اتنے عرصہ سے ماری جانے والی کنکریوں کے جمع ہونے سے) دونوں پہاڑوں کا درمیانی حصہ بھر جاتا۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 32/4، السّنن الكبرى للبيهقي : 128/5، واللّفظ لهٗ، أخبار مكة للأزرقي : 176/2، حسنٌ)

❁ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حَصَى الْجِمَارِ مَا يُقْبَلُ مِنْهُ رُفِعَ وَمَا رُدَّ تُرِكَ وَلَوْلَا ذٰلِكَ كَانَ أَطْوَلَ مِنْ ثَبِيرٍ .

”جمرات کو ماری جانے والی کنکریوں میں سے جو قبول کر لی جاتی ہیں، انہیں اٹھالیا جاتا ہے اور جو رد کر دی جاتی ہیں، انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا، تو ان کنکریوں کا ڈھیر ثبیر پہاڑ سے بڑا ہو جاتا۔“

(المَطالب العالية لابن حجَر : 1257، وسندہٗ حسنٌ)

تنبیہ:

اس بارے میں مرفوع روایت ضعیف ہے۔

❁ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هٰذِهِ الْأَحْجَارُ الَّتِي يُرْمٰى بِهَا كُلَّ عَامٍ فَنَحْتَسِبُ أَنَّهَا تَنْقُصُ، فَقَالَ : إِنَّهُ مَا تُقُبِّلَ مِنْهَا رُفِعَ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَرَأَيْتَهَا أَمْثَالَ الْجِبَالِ

”ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ جو جمرات کو ہر سال کنکریاں ماری جاتی ہیں، ہمیں لگتا ہے کہ یہ کم ہو جاتی ہیں، فرمایا: ان کنکریوں میں سے جو قبول کر لی جاتی ہیں، وہ اٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا، تو یہ کنکریاں آپ کو پہاڑوں کی مانند نظر آتیں۔“

(سنن الدّارقطني : 2789، المُستدرك للحاكم : 1752)

روایت ضعیف ہے۔ یزید بن سنان ابو فروہ جزری ضعیف و متروک ہے۔

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(السّنن الکبریٰ : 128/5)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنَ السَّنَةِ، ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنَ التَّشْرِيقِ، وَيَوْمِ الْفِطْرِ، وَيَوْمِ الْأَضْحٰى، وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ، مُخْتَصَّةً مِّنَ الْأَيَّامِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بھر میں چھ دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؛ ایام تشریق کے تین دن، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور خاص جمعہ کے دن۔''

(مسند الطّیالسي : 2219، مسند أبي یعلٰی : 4111)

جواب: سند ضعیف ہے۔ یزید رقاشی ضعیف ہے۔

❀ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(مسند أبي یعلٰی : 2913، سنن الدّارقطني : 2409)

سند ضعیف ہے۔

① قتادہ کا عنعنہ ہے۔

② سعید بن ابی عروبہ مدلس و مختلط ہے۔

سوال: کیا ایسی کوئی روایت ثابت ہے، جس میں نابینا کی راہنمائی کرنے کا ثواب بیان ہوا ہو؟

جواب: نابینا اور دیگر معذور افراد کی خدمت کرنا اور ان کی راہنمائی کرنا یقیناً باعث

اجر وثواب ہے، مگر نابینا کو چند قدم ہاتھ پکڑ کر چلانے کے متعلق جو روایات ہیں، وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، ملاحظہ ہو؛

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَادَ أَعْمٰى أَرْبَعِينَ خُطْوَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .

”جس نے کسی نابینا کو چالیس قدم ہاتھ پکڑ کر چلایا، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔“

(مسند أبي يعلٰى : 5613)

روایت باطل ہے۔علی بن عروہ دمشقی متروک ووضاع ہے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَادَ أَعْمٰى أَرْبَعِينَ ذِرَاعًا كَانَ لَهُ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ .

”جس نے کسی نابینا کو چالیس ہاتھ کے برابر چلایا، اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر اجر ملتا ہے۔“

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 3594)

سند سخت ضعیف ہے۔

① یوسف بن عطیہ صفار ضعیف ومتروک ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجْمَعٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ .

”اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔“

(میزان الاعتدال : 468/4)

② سلیمان بن طرخان تیمی کا عنعنہ ہے۔

اس حدیث کی دیگر سندیں بھی ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

❁ حافظ خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ مُنْكَرٌ .

"یہ حدیث منکر ہے۔"

(الإرشاد، تحت الرقم : 69)

❁ دونوں روایات کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَانِ الْحَدِيثَانِ ضَعِيفَانِ جِدًّا وَلَا يَثْبُتُ مِنْ هٰذَا شَيْءٌ .

"یہ دونوں حدیثیں سخت ضعیف ہیں، ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔"

(المطالب العالية، تحت الرقم : 2617)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنُّجُومُ أَمَانٌ لِأَهْلِ السَّمَاءِ، وَأَهْلُ بَيْتِي أَمَانٌ لِأُمَّتِي .

"ستارے آسمان کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری اُمت کے لیے امان ہیں۔"

(معجم ابن الأعرابي : 2079، مسند الرّوياني : 1164)

جواب: سند ضعیف ہے۔ موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

”یہ سند ضعیف ہے۔“

(المطالب العالية، تحت الرقم : 4499)

سوال: کیا دعا مؤثر شے ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت دعا کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ دعا افضل عبادت ہے، بلکہ کئی عبادات اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت فائدہ سے خالی نہیں، دعا کو ترک کرنا تکبر کی ایک قسم ہے۔

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ، وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ؛ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا، قَالُوا : إِذًا نُكْثِرُ، قَالَ : اللّٰهُ أَكْثَرُ .

”جب بھی کوئی مسلمان دعا کرے، جس میں گناہ اور قطع رحمی کی بات نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تینوں میں ایک چیز لازمی عطا فرما دیتا ہے؛ ① اس کی دعا کو فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ ② ذخیرہ آخرت بنا دیتا ہے۔ ③ اس سے دعا کی مثل تکلیف دور کر دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: تب تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہت زیادہ ہے۔“

(مُسند الإمام أحمد : 18/3، وسندهٗ حسنٌ، والحديث صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۴۹۳/۱) نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے۔

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے ”حسن محفوظ“ کہا ہے۔

(مُعجم ابن عساكر : 196)

انبیائے کرام علیہم السلام کا رب تعالیٰ سے دعائیں کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو دعائیں سکھانا اس بات پر دلیل ہے کہ دعا مؤثر شے ہے۔اس پر کئی دلائل ہیں۔

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ .

”یا اللہ! میں کڑی آزمائش، ہلاکت و بربادی، بری تقدیر اور دشمن کی خوشی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 6616، صحيح مسلم : 2707)

❀ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ .

”اللہ! بے بسی، سستی، کاہلی، بزدلی، بخل اور بڑھاپے سے پناہ چاہتا ہوں، عذاب قبر، زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 6367، صحيح مسلم : 2706)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ دَلِيلٌ لِاسْتِحْبَابِ الدُّعَاءِ وَالْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ كُلِّ الْأَشْيَاءِ الْمَذْكُورَةِ وَمَا فِي مَعْنَاهَا وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيحُ الَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ وَأَهْلُ الْفَتَاوٰى فِي الْأَمْصَارِ .

”یہ احادیث دلیل ہیں کہ دعا کرنا اور ان مذکورہ تمام اشیا اور ان جیسی دیگر چیزوں سے پناہ مانگنا مستحب ہے۔یہی صحیح مؤقف ہے،جس پر تمام اہل علم اور تمام علاقوں کو اہل فتویٰ کا اجماع ہے۔“

(شرح مسلم : 30/17)

سوال: سحری کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سحری کھانا مسنون مستحب ہے، اس پر کئی دلائل ہیں۔سحری کھانا واجب نہیں،اس کے بغیر روزہ صحیح ہے،اگر کوئی جانتے بوجھتے سحری ترک کردے،تو گناہ گار نہیں۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً .

”سحری کیجئے،کیونکہ سحری میں برکت ہے۔“

(صحيح البخاري : 1923، صحيح مسلم : 1095)

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ السُّحُورَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے۔“

(الإجماع : 124)

سوال: کیا میاں بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ سکتے ہیں؟

جواب: میاں بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ سکتے ہیں، اس پر اجماع ہے۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

❀ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَرٰى عَوْرَةَ أَهْلِهٖ وَتَرٰى عَوْرَتَهٗ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہے، اسی طرح عورت بھی اپنے خاوند کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے۔''

(شرح صحيح البخاري :396/1)

سوال: دو نمازوں کو جمع کیا جائے، تو ہر نماز کے لیے اذان اور اقامت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: دو نمازوں کو جمع کیا جائے، تو ایک اذان کہی جائے گی اور ہر نماز کے لیے الگ الگ اقامت کہی جائے گی۔

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائی۔

(صحيح مسلم : 1218)

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء مزدلفہ میں جمع کیں، ہر نماز الگ الگ اقامت کے ساتھ ادا کی، ان کے درمیان یا بعد میں نفل نہیں پڑھے۔

(صحيح البخاري : 1673)

❁ صحیح مسلم (۱۲۸۸) میں اس کے برعکس روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء ایک ہی اقامت سے مزدلفہ میں ملا کر ادا کیں۔ سنن ابی داود (۱۹۲۸، وسندہ حسن) کی روایت میں اس کی تفسیر ہوئی ہے:

بِإِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ لِكُلِّ صَلَاةٍ.

''ہر نماز علیحدہ علیحدہ اقامت کے ساتھ ادا کی۔''

بخاری والی روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے، لہٰذا اختلاف ختم ہوا۔

بعض نے اس روایت میں اضطراب کی بات کی ہے، جبکہ یہ بات ثابت نہیں۔

ثابت ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا کی جائیں گی۔ احناف میں سے امام زفر رحمہ اللہ (ہدایہ، جلد ا، صفحہ ۲۴۷) امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (شرح معانی الآثار: ۳/ ۲۴۹)، علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (فتح القدیر: ۲/ ۱۷۰) اور علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (حاشیہ ہدایہ: ۱/ ۲۴۷) نے اسی مؤقف کو اختیار کیا ہے۔

باقی احناف مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کرنے کے قائل ہیں۔ یہ بے دلیل مؤقف ہے۔ کسی صحابی یا تابعی سے باسند صحیح یہ مؤقف ثابت نہیں، بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے۔

❁ عبدالکریم جزری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ خَلْفَ سَالِمٍ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِأَذَانٍ وَّاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ، فَلَقِيتُ نَافِعًا فَقُلْتُ لَهُ : هٰكَذَا كَانَ يَصْنَعُ عَبْدُ اللّٰهِ؟ قَالَ : هٰكَذَا، فَلَقِيتُ عَطَاءً فَقُلْتُ : قَدْ كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ : لَا صَلَاةَ إِلَّا بِإِقَامَةٍ.

''میں نے سالم رحمہ اللہ کے پیچھے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھیں، پھر میری ملاقات نافع رحمہ اللہ سے ہوئی، میں نے پوچھا: کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے؟ فرمایا: جی ہاں۔ (عبد

الکریم جزری رحمہ اللہ کہتے ہیں) پھر میں عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے ملا، میں نے کہا: میں لوگوں کو یہی کہتا تھا کہ اقامت کے بغیر نماز نہیں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 14058، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

❀ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَمَعَ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ.

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں نماز مغرب اور نماز عشاء کو ایک اذان اور ایک ہی اقامت کے ساتھ جمع کیا۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 130/4)

روایت ضعیف ہے۔ سلیمان بن ابی داود حرانی ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

سوال: کیا حق مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک دس درہم سے کم مہر نہیں ہوسکتا، لحدیث فیہ۔''

(تقریر ترمذی، ص313)

جواب: مہر کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں، فریقین جس چیز کو مہر مقرر کرنے پر راضی ہو جائیں، اسے مہر بنایا جا سکتا ہے۔ کم سے کم دس درہم مہر ہونے پر کوئی دلیل نہیں، اس بارے میں مروی روایت ضعیف و غیر ثابت ہے۔

❁ علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمارے حضرات نے کم سے کم حق مہر کی مقدار دس درہم مقرر کرنے کی کوئی شافی دلیل پیش نہیں کی، لہٰذا قرآن پاک کے مطلق حکم پر ہی عمل واجب ہے۔ یہ قول اگرچہ حنفیہ کے مخالف ہے، لیکن قول فیصل یہی ہے۔''

(ظفر الامانی، ص172)

❁ نیز فرماتے ہیں:

''اولاً دس درہم کی تعیین کے بارے جتنی روایات ہیں، وہ تمام ضعیف اور نا قابل استدلال ہیں اور علامہ عینی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ تمام احادیث کثرت طرق کی بنا پر درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں، وہ قطعاً صحیح نہیں، کیونکہ ان میں ضعف شدید ہے اور کوئی سند بھی کذاب اور متہم بالکذب جیسے راوی سے خالی نہیں۔ ثانیاً بہت سے صحیح احادیث ان کے خلاف ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دس درہم سے کم بھی حق مہر جائز ہے۔ ثالثاً یہ احادیث قرآن مجید کے مطلقاً حکم کے بھی خلاف ہیں اور ان کے نزدیک قرآن کی تخصیص صحیح خبر واحد سے بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ ضعیف خبر واحد سے تخصیص کی جائے۔''

(عمدۃ الرعایہ: 33/2)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے:

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ عَرَفَةَ وَافَقَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ حَجَّةٍ فِي غَيْرِهَا.

”سب سے بہترین دن، جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، اس عرفہ کا دن ہے، جو جمعہ کے دن آئے، یہ ستر ایسے حجوں سے افضل ہے، جو جمعہ کے دن نہ ہوں۔“

جواب: بے اصل ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَمَّا مَا ذَكَرَهُ رَزِينٌ فِي جَامِعِهِ مَرْفُوعًا ...... فَهُوَ حَدِيثٌ لَا أَعْرِفُ حَالَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ صَحَابِيَّهُ وَلَا مَنْ أَخْرَجَهُ .

”علامہ رزین رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں جو مرفوع روایت ذکر کی ہے...... اس حدیث کی حالت مجھے معلوم نہیں، کیونکہ رزین نے نہ تو اس روایت کے صحابی کو ذکر کیا ہے، نہ کسی محدث کا ذکر کیا ہے، جس نے اس روایت کی تخریج کی ہو۔“

(فتح الباري : 271/8)

سوال: درج ذیل حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا حق مہر بنا دیا۔“

(صحيح البخاري : 5086، صحيح مسلم : 1365)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”لوگوں نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

مکاتب فرمایا، پھر ان کو آزاد کیا اور مال مکاتبت کو مہر قرار دیا، لیکن یہ مطلب بعید ہے، میرے نزدیک یہ مخصوصات رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ آپ کو بغیر مہر نکاح کرنا جائز تھا۔''

(تقریر ترمذی، ص316)

جواب: تھانوی صاحب کی بات درست نہیں، بغیر دلیل کسی عمل کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں، اصل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر عمل لائق اتباع ہے، الا کہ کسی عمل کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے پر دلیل آ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو ہی مہر مقرر کیا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ نہیں، ائمہ ومحدثین نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ آزادی کو بھی حق مہر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

سوال: درج ذیل دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

✿ علامہ محمود حسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''«وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» کی زیادتی کو غیر محفوظ کہنا قاعدۂ حدیث کے خلاف ہے اور اس کو وہم کہنا خود ان کا وہم ہے۔''

(تقریر سنن ابی داود، ص228)

جواب: محدثین کا اتفاق ہے کہ «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں، یہ راوی کا وہم ہے۔

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْحُفَّاظُ عَلٰى خَطَأِ هٰذِهِ اللَّفْظَةِ فِي الْحَدِيثِ، وَأَنَّهَا

لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ؛ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَأَبُو دَاوُدَ السِّجِسْتَانِيُّ، وَأَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ، وَأَبُو عَلِيٍّ الْحَافِظُ، وَعَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الْحَافِظُ، وَأَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ .

''حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ خطا ہیں، نیز یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں، ان محدثین میں امام یحییٰ بن معین، امام ابوداود سجستانی، امام ابوحاتم رازی، امام ابوعلی الحافظ، امام حافظ علی بن عمر دارقطنی اور امام ابوعبداللہ حاکم رحمہم اللہ شامل ہیں۔''

(مَعرِفة السّنن والآثار: 74/3)

محدثین کے متفقہ فیصلہ کو قاعدۂ حدیث کے خلاف قرار دینا بہت بڑی حماقت ہے اور محدثین ائمہ دین کو وہمی قرار دینا جہالت ہے۔

سوال: مدت رضاعت کیا ہے؟

❁ علامہ محمود حسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حرمت رضاعۃ عندالامام تیس ماہ تک ثابت ہوتی ہے۔''

(تقریر ترمذی، ص131)

جواب: کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ حرمت رضاعت زیادہ سے زیادہ دوسال تک ہے، یعنی چوبیس ماہ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تیس ماہ کہنا بے دلیل ہے۔

❁ علامہ عبدالحیٔ حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ حُكْمٌ مَبْنِيٌّ عَلَى الْاِحْتِيَاطِ، وَلَيْسَ أَمْرًا ثَابِتًا بِالنَّصِّ، وَلَا يَخْفٰى أَنَّهٗ لَا احْتِيَاطَ بَعْدَ وُرُودِ النَّصِّ بِالْحَوْلَيْنِ مَعَ

أَنَّ الْاِحْتِيَاطَ هُوَ الْعَمَلُ بِأَقْوَى الدَّلِيلَيْنِ وَأَقْوَاهُمَا دَلِيلًا قَوْلِهِمَا .

''اس میں اشارہ ہے کہ یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے، نص سے ثابت بات نہیں۔ معلوم شد کہ دو سال کی نص وارد ہو جانے کے بعد احتیاط کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ نیز یہ کہ دو دلیلوں میں سے زیادہ قوی دلیل پر عمل کرنا ہی احتیاط ہوتی ہے اور دلیل کے اعتبار سے (امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں) ان دونوں (ابو یوسف و محمد بن حسن) کا (دو سال ہی مدت رضاعت والا) قول زیادہ قوی ہے۔''

(التّعلیق المُمَجّد، ص 278)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو بے دلیل قرار دیا ہے، نیز یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف مذہب میں احتیاط کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔ احتیاط تو دلیل شرعی کا نام ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام شافعی رحمہ اللہ اور امام اعظم (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) میں اختلاف ہوا ہے کہ صورت مذکورہ میں وہ شخص کون سی عورتیں رکھے؛ آیا جس کو چاہے، اس کو رکھے یا جس سے پہلے نکاح کیا ہو، اس کو رکھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو یہ فرماتے ہیں جس کو چاہے رکھ لے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ جن عورتوں سے پہلے نکاح کیا ہو، ان کو رکھے۔''

(تقریر ترمذی، ص321)

جواب: قبول اسلام کے وقت جس کی چار سے زائد بیویاں ہوں، تو اس کے لیے

ضروری ہے کہ چار کو نکاح میں رکھے، باقیوں کو فارغ کر دے، کیونکہ اسلام میں ایک مرد زیادہ سے زیادہ چار آزاد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک وہ کسی بھی چار خواتین کو رکھ سکتا ہے، خواہ ان سے نکاح پہلے ہوا ہو یا بعد میں۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

❁ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أَسْلَمَ، وَمَعَهُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ، فَأَسْلَمْنَ فِي عِدَّتِهِنَّ، أَوْ كُنَّ كِتَابِيَّاتٍ، لَمْ يَكُنْ لَّهُ إِمْسَاكُهُنَّ كُلِّهِنَّ بِغَيْرِ خِلَافٍ نَّعْلَمُهُ، وَلَا يَمْلِكُ إِمْسَاكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعٍ، فَإِذَا أَحَبَّ ذٰلِكَ؛ اخْتَارَ أَرْبَعًا مِّنْهُنَّ، وَفَارَقَ سَائِرَهُنَّ، سَوَاءٌ تَزَوَّجَهُنَّ فِي عَقْدٍ أَوْ فِي عُقُودٍ، وَسَوَاءٌ اخْتَارَ الْأَوَائِلَ أَوِ الْأَوَاخِرَ.

”کافر جب مسلمان ہو جائے اور اس کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں ہوں، عدت کے دوران ہی وہ بھی اسلام قبول کر لیں یا وہ اہل کتاب ہوں، تو اس کے لیے سب کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔ اس مسئلے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں۔ وہ شخص چار سے زائد بیویوں کو نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ جب وہ ان سے تعلق رکھنا چاہے، تو ان میں سے جو چار چاہے، منتخب کر لے اور باقی کو چھوڑ دے، خواہ ان سے ایک ہی وقت میں نکاح ہوا ہو یا کئی اوقات میں اور خواہ ان میں سے پہلی چار کو منتخب کرے یا آخری چار کو۔“

(المغني : 620/6)

سوال: تشہد میں انگلی کب اٹھائی جائے گی؟

علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”فقہاء (حنفیہ) نے فرمایا ہے کہ لَا پر انگلی کو اٹھایا جائے اور اِلَّا اللّٰہُ پر رکھ دیا جائے۔“

(تقریر ترمذی، ص 435)

جواب: تشہد میں انگلی کو لَا پر اٹھانا اور اِلَّا اللّٰہُ پر رکھ دینا ثابت نہیں، یہ بے دلیل مؤقف ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

”ثمن کلب سے اس لیے منع کیا گیا کہ یہ ایک خساست کی بات ہے اور بعض کی شان کے تو بالکل ہی نامناسب ہے، مثلاً کوئی مولوی صاحب کتوں کی سوداگری کر لیں، تو کتنی بڑی واہیات اور بیہودہ بات ہے۔ اور یا نہی بے کار کتے کی بیع سے ہے، جو قابل انتفاع نہ ہو یا یوں کہا جائے کہ یہ نہی اس وقت تھی، جبکہ انتفاع اس سے جائز نہ تھا اور ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، وَحِينَ جَازَ الِانْتِفَاعُ جَازَ الْبَيْعُ، فَإِنَّ الْمَبِيعَ شَيْءٌ مُنْتَفَعٌ بِهٖ فَمَا وَجْهُ حُرْمَةِ ثَمَنِهٖ۔ (جس کتوں سے انتفاع جائز ہوا، تو ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، کیونکہ مبیع نفع مند شے ہوتی ہے، لہٰذا کتے کی قیمت کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ترجمہ از ناقل)۔“

(تقریر ترمذی، ص 324)

جواب: کتے کی خرید و فروخت حرام ہے۔ اس پر کئی صحیح احادیث اور آثار ہیں۔ جن روایات میں شکاری کتے کی استثنیٰ آئی ہے، وہ ضعیف ہیں۔ لہٰذا کتے کی خرید و فروخت مطلق

طور پر حرام ہے، خواہ شکاری ہو، یا غیر شکاری۔

ائمہ محدثین ان احادیث سے یہی مسئلہ ثابت کیا ہے۔ یہ احادیث محدثین کی ہیں، وہی اپنی روایات کے معانی ومفاہیم کو بہتر جانتے ہیں۔ محدثین کے فہم کے مقابلہ میں کوئی فہم معتبر نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ عبداللہ بن سیدان رحمہ اللہ سے مروی ہے:

شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَتْ صَلَاتُهُ وَخُطْبَتُهُ قَبْلَ نِصْفِ النَّهَارِ، ثُمَّ شَهِدْتُهَا مَعَ عُمَرَ وَكَانَتْ صَلَاتُهُ وَخُطْبَتُهُ إِلٰى أَنْ أَقُولَ: انْتَصَفَ النَّهَارُ، ثُمَّ شَهِدْتُهَا مَعَ عُثْمَانَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ وَخُطْبَتُهُ إِلٰى أَنْ أَقُولَ: زَالَ النَّهَارُ فَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا عَابَ ذٰلِكَ وَلَا أَنْكَرَهُ.

''میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمعہ پڑھا، آپ رضی اللہ عنہ کی نماز اور خطبہ نصف نہار سے پہلے ہو جاتا تھا، اس کے بعد میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمعہ پڑھا، آپ رضی اللہ عنہ کی نماز اور خطبہ اس وقت تھا کہ مجھے یوں لگتا کہ نصف النہار ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں بھی جمعہ پڑھا، آپ رضی اللہ عنہ کی نماز اور خطبہ اس وقت ہوتا تھا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ نصف النہار کا وقت گزر چکا ہے، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس عمل پر عیب لگایا ہو یا اس پر نکیر کی ہو۔''

(سنن الدّارقطني: 1623)

جواب: یہ روایت ضعیف ہے، کئی محدثین نے اس پر کلام کیا ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يُتَابَعُ فِي حَدِيثِهِ .

”عبداللہ بن سیدان رحمہ اللہ کی اس حدیث پر متابعت نہیں ہوئی۔“

(التّاريخ الكبير : 110/5)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اتَّفَقُوا عَلٰى ضَعْفِهِ .

”اس روایت کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔“

(خلاصة الأحكام : 773/2)

سوال: کیا صحراؤں میں جمعہ ہے؟

❀ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”صحراؤں میں جمعہ کے عدم جواز پر اُمت کا اجماع ہے۔“

(تقریر ترمذی، جلد دوم، ص 271)

جواب: دعوئ اجماع محل نظر ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۱۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا فتویٰ نویسی پر اجرت وصول کی جا سکتی ہے؟

جواب: فتویٰ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ڈر ملحوظ ہونا چاہیے، فتویٰ نویسی پر اجرت وصول کی جا سکتی ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ رقم وصول کرنے کے لیے مستفتی کی مرضی کا فتویٰ جاری کر دے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں جو مسئلہ کا حل بنتا ہے، وہ پیش کرے، خواہ مستفتی کو پسند آئے یا نہ آئے۔

بہر کیف فتویٰ نویسی پر اجرت لینا جائز ہے۔

سوال: قہوہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: فی نفسہ قہوہ حلال ہے، اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، تا آنکہ اس میں کوئی نشہ آور یا حرام شے نہ ملائی جائے۔

سوال: ایک مسئلہ میں دو مؤقف ہیں، مفتی کی تحقیق میں ان میں سے کوئی مؤقف راجح یا مرجوح نہیں، تو کیا ایسا ممکن ہے کہ مفتی ایک سائل کو ایک مؤقف بتائے اور دوسرے کو دوسرا مؤقف؟

جواب: افتاء انتہائی حساس اور اہم ذمہ داری ہے۔ اس میں شرعی نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ حالات وظروف کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے، بلکہ کئی دفعہ سائل کی ذہنی استعداد اور کیفیت کی وجہ سے فتویٰ میں نرمی یا سختی بھی کرنا پڑتی ہے۔ اس سے شرعی حکم میں کوئی تبدیلی

نہیں آتی، بلکہ سائل کے حق میں کیا بہتر ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے؟ یہ بتایا جاتا ہے۔

صورت مذکورہ میں اگر کسی مفتی کے ہاں ایک ہی مسئلہ میں دو مؤقف ہیں اور دونوں ہی جائز ہیں، تو وہ مختلف سائلوں کی حالت کے پیش نظر انہیں الگ الگ مؤقف بتا سکتا ہے۔اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

سوال: کسی کے گھر مہمان گیا، کھانا کھا رہا تھا کہ بلی ارد گرد منڈلانے لگی، کیا مہمان بلی کو بہلانے کے لیے گھر والے کی اجازت کے بغیر اسے کچھ کھانے کو دے سکتا ہے؟

جواب: بلی کو چھوٹی موٹی کھانے کی شے دینے میں حرج نہیں، البتہ اگر میزبان برا محسوس کرتا ہے، تو احتراز بہتر ہے۔

❀ سیدہ کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهٗ وَضُوءً فَجَاءَ تْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَأَصْغٰى لَهَا الْإِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ : فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ : أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي؟ قَالَتْ : فَقُلْتُ : نَعَمْ فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ .

”سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، تو میں نے انہیں وضو کے لیے پانی ڈال کر دیا۔ بلی آئی اور پینے لگی۔ انہوں نے اس کی طرف برتن جھکا دیا حتی کہ اس نے سیر ہو کر پی لیا۔ انہوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھا، تو فرمایا: بھتیجی! کیا آپ تعجب کر رہی ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بلی پلید نہیں ہے، یہ تم پر گھومنے پھرنے والا جانور ہے۔“

(موطأ الإمام مالك :22/1، سنن أبي داوٗد : 75، سنن النّسائي : 68، سنن التّرمذي : 92، سنن ابن ماجه : 367، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح''، امام ابن الجارود (٦٠)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (١٠٤)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (١٢٩٩) اور امام حاکم رحمہ اللہ (١٦٠/١) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ثَابِتٌ صَحِيحٌ.

''یہ سند صحیح ثابت ہے۔''

(الضّعفاء الكبير : 141/2)

حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع :١/ ١١٨) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المطالب العالية :٢/ ١١١) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

سوال: ایک مجرم کو سولی دی جا رہی ہے، کیا اس کی طرف دیکھنا جائز ہے؟

جواب: دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس میں سامان عبرت ہے۔ حاکم وقت کو چاہیے کہ حدود اللہ کا نفاذ سر عام ہو، تا کہ لوگ اس انجام سے خوف کھائیں اور اس جیسے جرم کی جسارت نہ کر سکیں۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾(النّور : ٢)

''ان دونوں (زانی اور زانیہ) کو سزا دیتے وقت وہاں مؤمنوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔''

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❁ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جواب میں مفتی تقی عثانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''صحیح جواب یہ ہے کہ یہ (تورک) یا تو حالت عذر پر محمول ہے یا بیان جواز پر۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 61)

جواب: پہلے حدیث کے مختصر الفاظ ملاحظہ کیجئے؛

❁ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے احوال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حَتّٰی كَانَتِ الرَّكْعَةُ الَّتِي تَنْقَضِي فِيهَا صَلَاتُهٗ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى شِقِّهٖ مُتَوَرِّكًا، ثُمَّ سَلَّمَ.

''جب آخری رکعت ہوتی، تو (قعدہ میں بیٹھتے وقت) اپنا بایاں پاؤں مؤخر کر لیتے (دائیں پاؤں کے نیچے سے نکال لیتے) اور سرین پر بیٹھ جاتے، پھر سلام پھیر دیتے۔''

(سنن الترمذي: 304، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے۔

سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ افاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتا رہے ہیں، اگر قعدہ کا یہ طریقہ عذر کی وجہ سے ہوتا، تو سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کو یہ طریقہ نہ بتاتے، نیز صحابہ بھی انہیں منع کر دیتے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ کے بیان کی تائید کی۔

❀ وہاں موجود دس صحابہ کرام نے بیک زبان کہا:

صَدَقْتَ، هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”سچ، نبی کریم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔“

(مسند أحمد : 424/5، سنن أبي داوٗد : 730، سنن التّرمذي : 304، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ کہا ہے، جبکہ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (علل الحدیث: ۲/۳۹۰) امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۵۸۷)، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۱۹۲)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۸۶۵) اور حافظ خطابی رحمہ اللہ (معالم السنن: ۱/ ۱۹۴) نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام: 353/1)

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(نُخب الأفكار: 150/4)

جب ایسا کچھ نہیں اور یقیناً نہیں، تو ثابت ہوا کہ قعدہ کا مذکورہ طریقہ مسنون اور مشروع ہے۔ صحابہ کا یہی فہم ہے، ائمہ ومحدثین نے بھی یہی سمجھا ہے، اس کے بعد مزید ”سمجھنے“ کی ضرورت نہیں، فقط عمل ہے۔

سوال: کیا دعا میں آسمان کی طرف سر اٹھانا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں، جائز ہے۔

سوال: نبی کریم ﷺ کے لیے فاتحہ خوانی کرنا کیسا ہے؟

جواب: فاتحہ خوانی بدعت ہے۔ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی کریم ﷺ کو اہداء کرنا

بھی بدعت ہے۔

سوال: مصحف کو خوشبو لگانا کیسا ہے؟

جواب: حرج نہیں۔

سوال: مسجد کے حال کی دیواروں پر بعض قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں، کیا ان کی طرف پیٹھ کی جاسکتی ہے؟

جواب: حرج نہیں، ایسا قرآنی آیات کی توہین کی غرض سے نہیں کیا جاتا۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ التحیات للہ معراج کے موقع پر بطور تحفہ دیا گیا الخ۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ واقعہ بے سند اور بے حقیقت ہے۔

❁ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''اس واقعہ کی سند کی تحقیق نہیں ہوسکی۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 59)

سوال: جلسہ استراحت کی درج ذیل توجیہ کیسی ہے؟

❁ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''جہاں تک حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت باب کا تعلق ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ (جلسہ استراحت) بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے، یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں متبدن ہو گئے تھے، ہوسکتا ہے کہ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہو، وگرنہ اگر یہ سنت صلوۃ ہوتی، تو ہرگز صحابہ اسے نہ چھوڑتے۔''

(درسِ ترمذی:57/2)

(جواب): کسی صحابی سے صراحتاً جلسہ استراحت کا ترک ثابت نہیں! سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کی موجودگی میں نماز پڑھی اس میں جلسہ استراحت کیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قرار دیا۔ دس صحابہ کرام، جن میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز یہی تھا۔لہٰذا مذکورہ تاویل درست نہیں۔

✿ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں:

مَا أَجَابَ بِهِ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهٗ كَانَ لِلْعُذْرِ لَيْسَ بِسَدِيدٍ عِنْدِي .

''علامہ طحاوی رحمہ اللہ کا یہ جواب دینا کہ یہ عذر کی بنا پر تھا، میرے نزدیک درست نہیں ہے۔''

(فيض الباري : 264/2)

تاسف سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے حنفی مقلدین بھائیوں نے کئی سنتوں کو خواہشات نفس کی بنیاد پر ترک کر دیا اور ان میں بعید از کار تاویلات کی ہیں اور کئی سنتوں کو بلا دلیل عذر اور بڑھاپے پر محمول کر دیا ہے۔

ہمارے مطابق یہ دین کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ ومحدثین کے فہم پر طعن ہے کہ انہوں نے ایک عذر میں کیے جانے والے عمل کو سنت سمجھ لیا، نعوذ باللہ!

دوسرا یہ کہ اگر مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جلسہ استراحت کو بڑھاپے کی حالت پر محمول کریں گے، تو مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع الیدین بھی بیان

کرتے ہیں، کیا کوئی حنفی بھائی کہہ سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمر کے آخری حصہ تک رفع الیدین ترک نہیں کیا؟

سوال: درج ذیل دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

❀ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حضرت (انور) شاہ صاحب نے ثابت کیا ہے کہ یہ جملہ (سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دس صحابہ کی موجودگی کا ذکر) کسی راوی کا وہم ہے۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 68)

جواب: مذکورہ جملے کو راوی کا وہم قرار دینا بذات خود وہم ہے۔ محدثین میں سے کسی نے اس جملہ کو وہم قرار نہیں دیا، سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، لہٰذا بلا دلیل کسی جملہ کو وہم قرار دینا درست نہیں۔ یہ کام محدثین کا تھا، جو کہ ان کے برخلاف مقلدین نے اپنے سر لے لیا، یوں اگر وہ پورے دین کو راویوں کا وہم دیں، شاید تقلیدی مذہب کو کچھ فائدہ ہو جائے۔

علمی دنیا میں اس کاوش کی کوئی حیثیت نہیں۔ محض دین میں تشکیک واقع کرنا ہے، جس کو جی چاہے لے لیں، جسے جی چاہیں وہم کی بھینٹ چڑھا دیں۔

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب نے درست فرمایا ہے:

''ایسے ہی بعض متعصبین کا طریقہ ہے کہ جس جگہ پر دو حدیثوں میں تعارض ہو اور ایک حدیث پر خود عمل کر رہے ہیں، تو دوسری حدیث میں کچھ نہ کچھ قباحت گھڑ کر نکال دی، تا کہ ہمارے مذہب کا ثبوت قوی ہو جائے، اس کا باعث فقط تعصب ہے۔ یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ ان کی اس کاروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بدمذہبی تھی، معاذ

اللہ!۔''

(المسک الذکی، حصہ اول ص19)

سوال: کیا سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے؟

✿ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام ترمذی رحمہ اللہ نے اگرچہ اس روایت (ابی حمید ساعدی رضی اللہ عنہ) کی تحسین وتصحیح کی ہے، لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اور بعض دوسرے محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے اور اسے معلول قرار دیا ہے۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 69)

جواب: امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ والی روایت کی تضعیف کی ہے۔ دیگر محدثین نے اس کی قطعاً تضعیف نہیں کی۔ تقی صاحب کی بات مبنی برحقیقت نہیں ہے، محض طفل تسلی ہے۔ ایک ایسی حدیث جو کہ تقریباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نماز کا ثبوت فراہم کرتی ہے، سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔

مفتی تقی صاحب کو چاہیے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے علاوہ متقدمین ائمہ میں سے چند ایک کے نام ذکر کر دیں، اگر فرصت نہیں، تو کسی خاص شاگرد کو ذمہ داری سونپ دیں۔

ہمارے مطابق متقدمین ائمہ میں سے سوائے امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کے کسی نے اس روایت کو معلول قرار نہیں دیا، بلکہ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

درج ذیل اہل علم نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، ملاحظہ ہو؛

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے، جبکہ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (علل الحدیث: ۳۹۰/۲) امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۵۸۷)، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۱۹۲)،

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۱۸٦٥) اور حافظ خطابی رحمہ اللہ (معالم السنن: ۱/ ۱۹۴) نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام: 353/1)

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(نُخب الأفكار: 150/4)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ مُتَلَقًّى بِالْقُبُولِ، لَا عِلَّةَ لَهٗ، وَقَدْ أَعَلَّهٗ قَوْمٌ بِمَا بَرَّأَهُ اللّٰهُ أَئِمَّةَ الْحَدِيثِ مِنْهُ، وَنَحْنُ نَذْكُرُ مَا عَلَّلُوا بِهٖ، ثُمَّ نُبَيِّنُ فَسَادَ تَعْلِيلِهِمْ وَبُطْلَانِهٖ بِعَوْنِ اللّٰهِ .

”یہ حدیث صحیح ہے، اسے امت نے صحت وعمل کے لحاظ سے قبول کیا ہے، اس میں کوئی علت نہیں، ہاں! ایک قوم نے ایسی علت کے ساتھ معلول کہا ہے، جس سے اللہ نے ائمہ حدیث کو بری کر دیا ہے، ہم ان کی بیان کردہ علتیں ذکر کریں گے، پھر اللہ کی توفیق و مدد سے ان کا فساد اور بطلان واضح کریں گے۔“

(تهذيب السّنن: 416/2)

❀ امام محمد بن یحییٰ ذہلی ابوعبداللہ، نیسابوری رحمہ اللہ (م۲۵۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ سَمِعَ هٰذَا الْحَدِيثَ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ يَعْنِي إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوعِ فَصَلَاتُهٗ نَاقِصَةٌ .

”جو شخص یہ حدیث سننے کے بعد، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت

رفع الیدین نہ کرے، اس کی نماز ناقص ہے۔''

(صحيح ابن خزيمة :1/298، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ علامہ شوق نیموی حنفی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(آثار السّنن : 444)

سوال: کیا محمد بن عمرو بن عطاء کا سیدنا ابو حمید ساعدی اور سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت ہے؟

۞ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے، نیز محمد بن عمرو کی ملاقات ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے نہ ثابت ہے، نہ اس کا امکان ہے۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 69)

جواب: دراصل یہ ساری باتیں امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔

(شرح مَعاني الآثار :1/126-127)

ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی سے یہ باتیں منقول نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمِعَ أَبَا حُمَيدٍ، وَأَبَا قَتَادَةَ، وَابْنَ عَبَّاسٍ.

''محمد بن عمرو بن عطاء نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع کیا ہے۔''

(التّاريخ الكبير :1/189)

مذکورہ حدیث کی کئی سندوں میں محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ

سے سماع کی تصریح کی ہے۔

صحیح بخاری (۸۲۸) والی حدیث سے بھی سماع کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ وہ صحابہ کی اس جماعت میں خود موجود تھے، جس میں سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کے تمام تر اعتراضات کا جوابات اہل علم نے دیے ہیں۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا جَمِيعَهٗ بَاطِلٌ .

''امام طحاوی رحمہ اللہ نے جن بنیادوں پر محمد بن عمرو اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی نفی ہے، وہ سب باطل ہیں۔''

(تہذیب التّہذیب: 375/9)

کئی ایک ائمہ حدیث نے اس حدیث کی تصحیح کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس پر وارد تمام تر اعتراضات بے بنیاد ہیں۔

سوال: کیا نماز میں دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے؟

❁ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت مشہورہ یہ ہے کہ (نماز میں) دونوں سلام واجب ہیں۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 65)

جواب: بعض صحابہ سے ایک طرف سلام پھیرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا ایک طرف سلام پھیرنا واجب ہے اور دوسری طرف پھیرنا مستحب سنت ہے۔

دوسرا یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت محتاج دلیل ہے۔

حیرت ہے کہ احناف کے نزدیک نماز سے نکلنے کے لیے سلام پھیرنے کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے ہاں اگر کسی شخص کا تشہد مکمل ہو چکا ہو، اب صرف سلام پھیرنا باقی رہ گیا ہو، تو وہ کوئی ایسا کام کرلے، جو نماز کے منافی ہے، جیسے ہوا خارج کرنا، ادھر اُدھر دیکھنا یا باتیں کرنا وغیرہ، تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ جن کے نزدیک دونوں طرف سلام بھی پھیرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کی جگہ کوئی بھی نماز کے منافی کام کرلیا جائے، تو درست ہے، بھلا وہ دونوں طرف سلام کو واجب کیسے کہہ سکتے ہیں؟

سوال: مندرجہ ذیل حدیث پر اعتراضات کی کیا حقیقت ہے؟

❀ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ صَلَاةً وَإِلٰى جَنْبِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ قَالَ : فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، قَالَ : فَقُلْتُ لَهٗ : يَا أَبَا الْوَلِيدِ، أَلَمْ أَسْمَعْكَ تَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ؟ قَالَ : أَجَلْ؛ إِنَّهٗ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِهَا .

”میں کسی نماز میں تھا، میرے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ آپ نے (امام کے پیچھے) سورت فاتحہ پڑھی۔ (نماز کے بعد) میں نے پوچھا: اے ابوالولید (عبادہ رضی اللہ عنہ کی کنیت)! کیا میں نے آپ کو سورت فاتحہ پڑھتے نہیں سنا؟! فرمایا: جی ہاں، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة :375/1، أحكام القرآن للطّحاوي : 509، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ اس حدیث کے متعلق مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، یعنی انہوں نے لا صلاۃ لمن لم یقرا اوالی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لیے عام سمجھا اور اس سے یہ حکم مستنبط کیا

کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے، لیکن ان کا یہ استنباط حدیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 75)

جواب: صحابی اپنی روایت کے معانی ومفاہیم کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ هُوَ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَعْنٰى مَا رَوٰى.

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے، آپ رضی اللہ عنہ اپنی روایت کا معنی بہتر جانتے ہیں۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 1245)

کسی صحابی یا تابعی نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے فہم پر اعتراض نہیں کیا۔ بعد والوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم دین میں تشکیک پیدا کریں۔

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل پیرا ہیں، یہی ان کا اجتہاد ہے، اب یہ اجتہاد کس حدیث کے خلاف ہے؟ کوئی صحیح حدیث سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے عمل کے خلاف نہیں۔

ایک اور اشکال بھی ملاحظہ ہو؛

مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عام عمل کے خلاف تھا، اس کے علاوہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ نے فاتحہ کی قرأت نہیں کی، اس کے باوجود حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ اس

سے معلوم ہوا کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی قرأت فاتحہ مقتدی کے لیے واجب نہیں تھی۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 75)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کی قرأت ضروری سمجھتے تھے، جیسا کہ مذکورہ حوالہ سے چند سطور اوپر مفتی صاحب نے بھی تسلیم کیا، مگر یہاں مفتی صاحب اپنی ہی مذکورہ بات بھول گئے۔

باقی مفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ''ظاہر یہ ہے کہ حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ نے فاتحہ کی قرأت نہیں کی۔'' محتاج دلیل ہے، ضروری نہیں کہ جس بارے میں انسان سوال کرے، وہ عمل وہ خود نہیں کرتا۔ سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی سورت فاتحہ پڑھی، مگر اس کی دلیل سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے طلب کر لی۔ جیسے طلبہ اپنے مشائخ سے پوچھتے ہیں۔

کیا ایسی کوئی دلیل ثابت ہے کہ سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کی قرأت کے قائل نہ ہوں؟ ہرگز نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کے عدم جواز کا قائل نہیں تھا۔

سوال: مصحف قرآنی کے ذریعے فال نکال کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں۔

❀ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''احقر عرض گزار ہے کہ علامہ شامی (حنفی) رحمہ اللہ نے اس پر مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ .

(نبی کریم ﷺ ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے تھے۔)''

(درس ترمذی، جلد دوم، صفحہ 115)

جواب: علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ کو اس روایت کا حوالہ دینے میں سہو ہو گیا، مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت نہیں ملی۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی اصل کتاب کی طرف مراجعت نہیں کی۔ دراصل یہ روایت تفسیر طبری (96/13) اور مصنف عبد الرزاق (6716) میں آتی ہے، سند سخت ضعیف ہے۔

① مثنی بن ابراہیم آملی کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

② محمد بن ابراہیم شاید محمد بن ابراہیم بن الحارث بن خالد تیمی تابعی ہیں، براہ راست نبی کریم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں، لہٰذا روایت مرسل ہے۔

❀ اسی طرح کی ایک روایت عباد بن ابی صالح رحمہ اللہ سے مرفوع بھی آئی ہے؛

(تاريخ المدينة لابن شبه :132/1)

سند باطل ہے۔

① عبدالعزیز بن عمران مدنی ضعیف و متروک ہے۔

② موسیٰ بن یعقوب زمعی سیء الحفظ ہے۔

③ عباد بن ابی صالح نیچے کا راوی ہے، براہ راست نبی کریم ﷺ سے بیان کر رہا ہے، لہٰذا سند معضل ہے۔

سوال: نابالغ بچوں کو ریشم کا لباس پہنانا کیسا ہے؟

جواب: نابالغ بچوں کو ریشم کا لباس پہنانا جائز نہیں، گو کہ بچے مکلّف نہیں، مگر اس کا گناہ بچوں کے سرپرست پر ہو گا۔

سوال: بعض کہتے ہیں کہ سمندر کی کڑواہٹ قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ

سے ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ محض افسانہ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال: ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، اسے نماز کی رکعات میں شک ہوا کہ تین پڑھی ہیں یا چار رکعات، اب کیا کرے؟

جواب: نماز کی رکعات میں شک ہو جائے، تو نمازی کیا کرے؟ اس بارے میں تین طرح کی مرفوع اور موقوف روایات آئی ہیں۔

① بعض روایات کا مقتضی یہ ہے کہ جن رکعات میں شک ہے، ان میں اقل عدد پر بنا ڈالے اور بقیہ نماز مکمل کرلے، آخر میں سجدہ سہو کرلے۔

② بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رکعات میں شک کی صورت نمازی تحری (درستی کی تلاش) کرے گا، کہ غالب گمان کے مطابق جتنی رکعات پر دل مانے، خواہ زیادہ رکعات پر دل مانے یا کم پر، ظن غالب پر بنیاد رکھ کر نماز مکمل کرے گا اور آخر میں سجدہ سہو کر دے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ رکعات میں شک کی صورت میں نماز ختم کر دے اور دوبارہ نماز پڑھ لے، اس حوالہ سے کوئی مرفوع روایت تو نہیں، البتہ سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے آثار ثابت ہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى فَلْيُعِدْ حَتّٰى يَحْفَظَ.

”جب کسی شخص کو یاد نہ رہے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھ لی ہیں، تو وہ دوبارہ نماز پڑھے، یہاں تک کہ اسے رکعات خوب یاد رہیں۔“

(الأوسط لابن المنذر : 1658، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

فِي الَّذِي لَا يَدْرِي ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا قَالَ : يُعِيدُ حَتّٰى يَحْفَظَ .

”آپ رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے متعلق، جسے نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت، فرماتے ہیں: وہ نماز کا اعادہ کرے گا، یہاں تک کہ اسے رکعات خوب یاد رہیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4422، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ابومجلز لاحق بن حمید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَمَيْتُ جِمَارًا فَلَمْ أَدْرِ بِكَمْ رَمَيْتُ، فَسَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَلَمْ يُجِبْنِي، فَمَرَّ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْتُهٗ فَقَالَ : يُعِيدُ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ لَيْسَ شَيْءٌ عِنْدَنَا أَعْظَمَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَإِذَا نَسِيَ أَحَدُنَا أَعَادَ قَالَ : فَذَكَرْتُ لِابْنِ عُمَرَ قَوْلَهٗ فَقَالَ : إِنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مُفَهَّمُونَ .

”میں نے جمرات کو کنکریاں ماریں، میں بھول گیا کہ کتنی کنکریاں ماری ہیں، چنانچہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال پوچھا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا، اسی اثنا میں (فرزند علی رضی اللہ عنہ) محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ کا گزر ہوا، میں نے ان سے دریافت کیا، تو فرمایا: ابوعبداللہ! ایسا شخص دوبارہ رمی کرے۔ ہمارے ہاں نماز سے بڑا کوئی عمل نہیں، ہم جب نماز میں (رکعات کی تعداد) بھول جائیں، تو اعادہ کرتے ہیں۔ ابومجلز رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ کی یہ بات میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کی، تو فرمایا: وہ

اہل بیت ہیں، وہ دین کا بہتر فہم رکھتے ہیں۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4426، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ منصور بن معتمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ الشَّكِّ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ : أَمَا أَنَا فَإِذَا كَانَ فِي الْمَكْتُوبَةِ فَإِنِّي أُعِيدُ .

’’میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے نماز میں شک کے متعلق پوچھا، تو فرمایا: مجھے اگر فرض نماز میں ایسا کوئی شک گزرے، تو میں نماز کا اعادہ کرتا ہوں۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4425، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عبدالکریم جزری، سعید بن جبیر اور میمون بن مہران رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا وَهِمُوا فِي الصَّلَاةِ أَعَادُوا .

’’جب نمازیوں کو (نماز کی رکعات میں) وہم ہو، تو نماز کا اعادہ کریں گے۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4430، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی نماز دہرانے کے قائل ہیں۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4429، وسندهٗ حسنٌ)

ہمارے مطابق تینوں طریقے جائز ہیں۔ کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح تمام احادیث وآثار پر عمل ہو جائے گا۔

سوال: سمندر کی چھوٹی مچھلی کا کیا حکم ہے؟

جواب: سمندر کی چھوٹی مچھلی بھی حلال ہے۔ کراہت یا حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: زندہ مچھلی کو گرم پانی میں ڈالا اور وہ مرگئی، کیا حکم ہے؟

(جواب): حلال ہے، مچھلی اور تمام سمندری جانور مردار حالت میں بھی حلال ہوتے ہیں، انہیں زندہ نکالا جائے یا مردہ حالت میں دونوں صورت میں حلال ہیں۔

(سوال): دھوئیں کی وجہ سے پانی کا ذائقہ تبدیل ہو گیا، کیا حکم ہے؟

(جواب): پانی پاک ہے۔ پانی کی رنگت، بو اور ذائقہ تبدیل ہونے سے ناپاک اس وقت ہوتا ہے، جب اس میں ناپاک اور پلید شے کی آمیزش ہو۔ دھواں پلید نہیں، لہٰذا پانی بدستور پاک ہے، اس سے وضو وغسل جائز ہے، البتہ ایسا پانی پینے سے احتراز برتنا چاہیے، کیونکہ دھوئیں کی وجہ سے یہ صحت کو نقصان دے سکتا ہے۔

(سوال): میت کو اہدائے ثواب کا کیا حکم ہے؟

(جواب): میت کو اہدائے ثواب جائز نہیں، یہ بے دلیل عمل ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان اس کے قائل و فاعل نہ تھے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ مِنْ عَادَةِ السَّلَفِ إِذَا صَلَّوْا تَطَوُّعًا، وَصَامُوا، وَحَجُّوا، أَوْ قَرَؤُوا الْقُرْآنَ، يَهْدُونَ ثَوَابَ ذٰلِكَ لِمَوْتَاهُمُ الْمُسْلِمِينَ، وَلَا لِخُصُوصِهِمْ، بَلْ كَانَ عَادَتُهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ، فَلَا يَنْبَغِي لِلنَّاسِ أَنْ يَعْدِلُوا عَنْ طَرِيقِ السَّلَفِ، فَإِنَّهُ أَفْضَلُ وَأَكْمَلُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''سلف صالحین کا یہ طریقہ کار نہ تھا کہ جب وہ نفل نماز پڑھیں، یا روزہ رکھیں، یا حج کریں یا قرآن کریم کی تلاوت کریں، تو اس کا ثواب اپنی مسلمان فوت شدگان یا مسلمانوں میں سے مخصوص افراد کو اہداء کرتے ہوں۔ ان کا طریقہ

وہی تھا، جو پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔لٰہذا لوگوں کو سلف کے طریقہ سے انحراف نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہی طریقہ افضل اور اکمل ہے، واللہ اعلم!۔“

(الفتاوی الکبریٰ : 3/38)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بیت اللہ سے واپسی کے لیے نکلتے وقت الٹے پاؤں چلنا کیسا ہے؟

❀ علمائے احناف نے لکھا ہے:

ثُمَّ يَنْصَرِفُ، وَهُوَ يَمْشِي وَرَاءَهُ وَوَجْهُهُ إِلَى الْبَيْتِ مُتَبَاكِيًا مُتَحَسِّرًا عَلٰى فَوَاتِ الْبَيْتِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ.

''پھر (حاجی) واپس پلٹے اور الٹے پاؤں چلے، اس حال میں کہ اس کا چہرہ بیت اللہ کی طرف ہو، وہ رو رہا ہو اور بیت اللہ کی جدائی میں پریشان ہو، یہاں تک کہ مسجد حرام سے باہر نکل جائے۔''

(المَبسوط للسّرخسي الحنفي: 24/4، الهِداية للمَرغيناني الحنفي: 148/1، تبيين الحقائق لعثمان الزيلعي الحنفي: 37/2، فتاوی عالمگیری: 235/1)

جواب: بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کی یہ صورت غیر مشروع ہے۔ تعظیم وہ ہوتی ہے، جس پر شرعی دلیل ہو۔ بیت اللہ سے واپسی پر الٹے پاؤں چلنا اور بیت اللہ کی طرف پیٹھ نہ کرنا محض تکلف ہے، جس پر کچھ ثواب نہیں۔

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا أَيْضًا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، وَإِنَّمَا قَالُوا: إِنَّ فِي هٰذَا تَعْظِيمُ الْبَيْتِ وَهُوَ وَاجِبُ التَّعْظِيمِ، وَهٰذَا التَّعْلِيلُ لَيْسَ بِشَيْءٍ؛ فَإِنَّهُ

لَمْ يَفْعَلْهُ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ بِدْعَةٌ، وَقَدْ ذَمَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَبُّهَ بِفَارِسٍ وَالرَّومِ فِي قِيَامِهِمْ عَلٰى عُظَمَائِهِمْ، وَيُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ الرَّجُوعُ الْقَهْقَرٰى مِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''بیت اللہ سے الٹے پاؤں لوٹنے پر کوئی اصل نہیں۔ فقہائے احناف نے (الٹے پاؤں کی علت میں) کہا ہے: اس میں بیت اللہ کی تعظیم مقصود ہے، جبکہ بیت اللہ کی تعظیم واجب ہے۔ اس علت کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، لہٰذا بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل فارس اور اہل روم سے مشابہت پر مذمت فرمائی کہ وہ اپنے بڑوں کی تعظیم میں کھڑے ہوتے تھے، بعید نہیں کہ بیت اللہ سے الٹے پاؤں پلٹا بھی اسی قبیل سے ہو، واللہ اعلم!''

(التّنبيه على مشكلات الهداية : 1057/3)

سوال: عبداللہ بن لہیعہ راوی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عبداللہ بن لہیعہ ضعیف، مختلط اور مدلس راوی ہے۔

❀ علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم سروجی حنفی رحمہ اللہ (۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلضَّعِيفُ بِالْاِتِّفَاقِ .

''ابن لہیعہ بالاتفاق ضعیف ہے۔''

(الغاية في شرح الهداية : 356/13)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ .

”حدود میں کفالت (نیابت) نہیں ہے (حدود میں کفالت سے مراد ہے کہ کسی کی حد کو دوسرے پر نافذ کیا جائے)۔“

(مُعجم أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي : 413/1، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 127/6)

جواب: روایت باطل ہے۔ عمر بن ابی عمر ابو محمد کلاعی مجہول منکر الحدیث ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”غیر محفوظ“ کہا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال : 44/6)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

”اس کی سند ضعیف ہے۔“

(السّنن الصّغير : 306/2)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مُنْكَرٌ، وَعُمَرُ مَجْهُولٌ .

”یہ روایت منکر ہے، عمر بن ابی عمر مجہول ہے۔“

(تنقيح التّحقيق : 117/2)

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(التّنبيه على مشكلات الهداية : 454/4)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔

(بُلوغ المَرام : 883)

سوال: کیا قربانی کا جانور خود خریدنا ضروری ہے یا کسی کی ذمہ داری بھی لگائی جا سکتی ہے کہ وہ جانور خرید لائے؟

جواب: قربانی کا جانور خود بھی خریدا جا سکتا ہے اور کسی کی مدد سے بھی۔ کسی کو جانور خریدنے کی ذمہ داری دینا جائز ہے۔ اسے فقہ کی اصطلاح میں ''وکالت'' کہتے ہیں۔ یہ بالاجماع جائز اور مشروع ہے۔ اس پر دلائل ہیں۔

❁ علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مَشْرُوعٌ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ.

''اُمت کا اجماع ہے کہ وکالت مشروع ہے۔''

(تبیین الحقائق: 4/254)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ دَلَّ عَلٰى صِحَّةِ الْوَكَالَةِ مِنَ الْكِتَابِ الْعَزِيزِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ إِلَى الْمَدِينَةِ﴾ الْآيَةَ، وَعَلٰى مَشْرُوعِيَّتِهَا انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ.

''وکالت کے صحیح ہونے پر کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ إِلَى الْمَدِينَةِ......﴾ ''تم اپنے میں سے کسی ایک کو یہ چاندی کا سکہ دے کر شہر بھیجو......'' وکالت کی مشروعیت پر اجماع منعقد ہے۔''

(التّنبیه علی مشکلات الهدایة: 4/537)

سوال: کیا مسلمان لڑکی کسی کافر سے نکاح کر سکتی ہے؟

جواب: مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز نہیں، ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مسلمان خاتون کی توہین ہے۔ غلبہ اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، نہ کہ مغلوب۔ بیوی فطری طور پر شوہر کے ماتحت ہوتی ہے۔ شدید خطرہ ہے کہ وہ اسے کافرہ بنا دے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا﴾(البقرة : ٢٢١)

''(اے اولیا!) تم مشرکوں سے (اپنی مومن عورتوں کا) نکاح مت کراؤ، تا آنکہ وہ ایمان لے آئیں۔''

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى اعْتِبَارِ الْكَفَاءَةِ فِي الدِّينِ فَلَا يَتَزَوَّجُ الْكَافِرُ مُسْلِمَةً .

''اُمت کا اجماع ہے کہ دین میں کفو (برابری) کا اعتبار کرنا ضروری ہے، لہٰذا کسی کافر کا مسلمان عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا۔''

(التّنبيه على مشكلات الهداية : 1219/3)

سوال: درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر کیا ہے؟

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾(البَلَد : ١٠)

''ہم نے اسے (انسان کو) دو راستوں کی راہنمائی کی۔''

جواب: آیت کریمہ میں دو راستوں سے مراد خیر اور شر کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو خیر کے راستے بھی دکھا دیے اور شر کے راستے بھی دکھا دیے۔ جمہور مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے اور یہی راجح ہے۔

❁ ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَقُولُ فِي : ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد : ١٠) قَالَ : نَجْدُ الْخَيْرِ ، وَنَجْدُ الشَّرِّ .

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد : ١٠) ”ہم نے اسے دو راستوں کی راہنمائی کی۔“ کے متعلق فرماتے ہیں: ان سے مراد خیر اور شر کا راستہ ہے۔“

(تفسير الطّبري : 416/24 ، وسندهٗ حسنٌ)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ عَامَّةُ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ : اَلْمُرَادُ بِالنَّجْدَيْنِ طَرِيقُ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ، وَضَعَّفَ قَوْلَ مَنْ قَالَ : اَلْمُرَادُ بِهِمَا الثَّدْيَانِ فَقَطْ ، وَضَعَّفَ إِسْنَادَهٗ عَنْ عَلِيٍّ وَغَيْرِهٖ .

”پہلے اور بعد کے اکثر علما نے کہا ہے کہ نجدین سے مراد خیر اور شر کا راستہ ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان مفسرین کے قول کو کمزور قرار دیا، جن کا کہنا ہے کہ یہاں نجدین سے مراد فقط ماں کی چھاتی ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس قول کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرف نسبت کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔“

(اختيارات شيخ الإسلام ابن تيمية لابن عبد الهادي، ص 65)

سوال: آبِ زمزم سے وضو کرنا کیسا ہے؟

جواب: آب زمزم سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔ ممانعت یا کراہت کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ آب شفاء ہے، جو اندرونی و بیرونی بیماریوں کے لیے اکسیر ہے۔ ہر دور کے مسلمان آب زمزم سے وضو کرتے رہے ہیں۔

❀ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

دَعَا بِسَجْلٍ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ، فَشَرِبَ مِنْهُ وَتَوَضَّأَ .

''رسول اللہ ﷺ نے آب زمزم کا ایک ڈول منگوایا، اس سے پیا اور وضو کیا۔''

(زوائد مُسند الإمام أحمد :76/1، وسندہٗ حسنٌ)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(فتح الباري :240/1)

❀ علامہ حطاب رحمہ اللہ (۹۵۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَاءَ زَمْزَمَ يُتَوَضَّأُ بِهِ وَتُزَالُ بِهِ النَّجَاسَةُ وَلَا خِلَافَ فِيهِ .

''آب زمزم سے وضو بھی کیا جا سکتا ہے اور نجاست بھی زائل کی جا سکتی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(واهب الجليل :46/1)

سوال: کیا مقلد فتویٰ دے سکتا ہے؟

جواب: فتویٰ نویسی بڑی اہم ذمہ داری ہے، ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ تقلید چونکہ جہالت کا دوسرا نام ہے، مقلد جاہل ہوتا ہے، مقلد کو اپنے علم پر بھروسا نہیں ہوتا، مقلد تقلید کر کے یہ اعتراف کرتا ہے کہ اسے نصوص شرعیہ پر دسترس نہیں، پھر بھلا وہ فتویٰ کیسے دے سکتا ہے؟ کیونکہ مفتی کے لیے احکام شرعیہ کی نصوص پر دسترس ہونا ضروری ہے۔

اہل علم کا اجماع ہے کہ مقلد فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ لِلْمُقَلِّدِ أَنْ يُفْتِيَ فِي دِينِ اللّٰهِ بِمَا هُوَ مُقَلِّدٌ فِيهِ وَلَيْسَ عَلٰى بَصِيرَةٍ فِيهِ سِوٰى أَنَّهٗ قَوْلُ مَنْ قَلَّدَهٗ دِينَهٗ، هٰذَا إِجْمَاعٌ مِنَ السَّلَفِ كُلِّهِمْ .

''مقلد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دین کے اس مسئلہ میں فتویٰ دے، جس میں وہ کسی کی تقلید کر رہا ہے اور اس مسئلہ میں اسے کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، اس کے پاس صرف اپنے مقلَّد امام کا قول ہے۔اس پر تمام سلف کا اجماع ہے۔''

(إعلام الموقعين : 149/4)

سوال: کیا کتابوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، یا انسانی حفظ پر ہی اعتماد ہونا چاہیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس کے لیے افراد پیدا کیے ہیں۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے علم کی حفاظت کرتے رہے ہیں اور دین کو اگلی نسل میں منتقل کرتے رہے ہیں۔

علم کی حفاظت کے دو طریقے ہیں؛ ① حفظ صدر ② حفظ کتاب۔

❁ خطیب ابوبکر بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ جَعَلَ لِلْعُلُومِ مَحِلَّيْنِ : أَحَدُهُمَا الْقُلُوبُ، وَالْآخَرُ الْكُتُبُ الْمُدَوَّنَةُ، فَمَنْ أُوتِيَ سَمْعًا وَاعِيًا، وَقَلْبًا حَافِظًا، فَذَاكَ الَّذِي عَلَتْ دَرَجَتُهٗ، وَعَظُمَتْ فِي الْعِلْمِ

مَنْزِلَتُهٗ، وَعَلٰی حِفْظِهٖ مُعَوَّلُهٗ؛ وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْحِفْظِ قَلْبُهٗ، فَخَطَّ عِلْمَهٗ وَكَتَبَهٗ، كَانَ ذٰلِكَ تَقْيِيدًا مِنْهُ لَهٗ، إِذْ كِتَابُهٗ عِنْدَهٗ آمِنٌ مِنْ قَلْبِهٖ، لِمَا يَعْرِضُ لِلْقُلُوبِ مِنَ النِّسْيَانِ.

”اللہ تعالیٰ علوم کی حفاظت کے لیے دو چیزیں بنائی ہیں: ① دل ② کتابیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اچھی سمجھ بوجھ اور حفظ کرنے والا دل عطا کیا ہو، تو اس کا مرتبہ بلند ہے اور علمی میدان میں اس کا مقام عظیم ہے، اس کے حفظ پر اعتماد کیا جائے گا۔ جس کا دل حفظ کرنے سے عاجز آ جائے، تو وہ اپنے علم کو احاطہ تحریر میں لے آئے، یہ اس کی طرف سے علم کی حفاظت ہے، کیونکہ اس کی لکھی ہوئی کتاب اسے زبانی حفظ کے نسیان سے محفوظ رکھے گی۔“

(تقیید العلم، ص 28)

❀ علامہ صرصری رحمہ اللہ (۷۱۶ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحِفْظُ هُوَ ضَبْطُ الشَّيْءِ وَمَنْعُهٗ مِنَ الضِّيَاعِ، فَتَارَةً يَكُونُ حِفْظُ الْعِلْمِ بِالْقَلْبِ وَإِنْ لَمْ يَكْتُبْ، وَتَارَةً فِي الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ يَحْفَظْ بِقَلْبِهٖ.

”حفظ کسی شے کو ضبط کرنے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کو کہتے ہیں۔ علم کی حفاظت زبانی یاد کرنے سے بھی ہوتی ہے، خواہ اسے لکھا نہ بھی جائے اور کبھی کتاب میں درج کرنے سے بھی حفاظت ہوتی ہے، خواہ اسے زبانی یاد نہ بھی کیا جائے۔“

(التّعیین، ص 15)

علم کو محفوظ کرنے کا سب سے معتبر ذریعہ کتابت (لکھنا) ہے۔ کتابت قلم اور ورق سے بھی کی جاسکتی ہے اور جدید وسائل مثلاً کمپیوٹر اور موبائل وغیرہ سے بھی کی جاسکتی ہے۔ جب سے علم کی ابتدا ہوئی، اسی وقت سے اسے لکھنے کا آغاز ہو چکا تھا۔ عالم کا حافظہ غلطی کھا سکتا ہے، اگر علم تحریری شکل میں موجود ہو، تو اس کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

کتابوں پر اعتماد کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا جائز اور صحیح ہے۔ یہ کہنا کہ علم اور دین کی جو بات زبانی ملے وہی معتمد ہے، کتابی شکل میں ہو، اس پر عمل کرنا قابل اعتبار نہیں، بالکل غلط بات ہے، بلکہ پوری شریعت کو معطل کرنے والی بات ہے، کیونکہ اسلامی شریعت جس طرح زبانی نقل ہوتی آئی ہے، اسی طرح کتابوں کے ذریعے بھی نقل ہوتی رہی ہے اور ہر دور کے مسلمان کتابوں میں لکھے ہوئے کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں۔

البتہ یہ یاد رہے کہ محض کتاب میں لکھا جانا کافی نہیں، اس کتاب کی تحقیق اور اس کے رواۃ کا ثقہ اور معتبر ہونا ضروری ہے۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ تَزَلِ الْأُمَّةُ تَعْمَلُ بِالْكُتُبِ قَدِيمًا وَحَدِيثًا، وَأَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلَى الْعَمَلِ بِالْكُتُبِ، وَكَذٰلِكَ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُمْ، وَلَيْسَ اعْتِمَادُ النَّاسِ فِي الْعِلْمِ إِلَّا عَلَى الْكُتُبِ فَإِنْ لَمْ يُعْمَلْ بِمَا فِيهَا تَعَطَّلَتِ الشَّرِيعَةُ، وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتُبُ كُتُبَهٗ إِلَى الْآفَاقِ وَالنَّوَاحِي فَيَعْمَلُ بِهَا مَنْ تَصِلُ إِلَيْهِ، وَلَا يَقُولُ : هٰذَا كِتَابٌ، وَكَذٰلِكَ خُلَفَاؤُهٗ بَعْدُ،

وَالنَّاسُ إِلَى الْيَوْمِ، فَرَدُّ السُّنَنِ بِهٰذَا الْخَيَالِ الْبَارِدِ الْفَاسِدِ مِنْ أَبْطَلِ الْبَاطِلِ، وَالْحِفْظُ يَخُونُ، وَالْكِتَابُ لَا يَخُونُ .

''اُمت کے پہلے اور بعد کے سبھی لوگ کتابوں کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں، صحابہ کا بھی اس پر اجماع ہے، اسی طرح ان کے بعد والے خلفا بھی کتابوں کے مطابق عمل کرتے رہے۔ علم کے لیے لوگوں کا اعتماد کتابوں پر ہی رہا ہے، اگر کتابوں کے مطابق عمل نہ ہو، تو شریعت معطل ہو کر رہ جائے گی، رسول اللہ ﷺ مختلف علاقوں کی طرف کتابیں (خطوط اور تحاریر) لکھتے تھے اور جن تک وہ تحاریر پہنچتی تھیں، وہ ان تحریروں کے مطابق عمل کرتا تھا، یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ تو فقط کتاب ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے اور آج تک کے لوگ کتابوں پر ہی عمل کر رہے ہیں۔ لہٰذا سنتوں کو اس کمزور اور فاسد خیال سے رد کرنا سب سے بڑی باطل بات ہے۔ جبکہ انسانی حافظہ خیانت کر سکتا ہے، مگر کتاب خیانت نہیں کرتی۔''

(إعلام الموقعين : 96/2)

سوال: خلع کی عدت کتنی ہے؟

❁ سیدہ ربیع رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّهَا اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ .

''انہوں نے نبی کریم ﷺ کے عہد میں خلع لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ

ایک حیض عدت گزاریں۔“

(سنن الترمذي : 1185، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۳۰۷ھ) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”بعض ائمہ کے نزدیک تو عدۃ خلع ایک ہی حیض ہے، جیسا کہ ظہار حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں اور تنوین حیضۃ میں نوعی ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک تنوین افرادی ہے۔“

(تقریر ترمذی، ص353)

❀ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”جمہور کے نزدیک حدیثِ باب میں حیضۃ سے مراد جنس حیض ہے۔ اس پر بعض ان روایات سے اشکال ہوتا ہے، جن میں حیضۃ کے ساتھ واحدۃ کی قید مصرح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہے۔ دراصل اس حیضۃ میں ۃ تاءِ وحدت نہیں، بلکہ بیانِ جنس کے لئے ۃ لائی گئی ہے۔“

(درسِ ترمذی: 2/496)

جواب: خلع فسخ نکاح ہے، طلاق نہیں، لہٰذا اس کی عدت ایک حیض ہے۔ اس پر کئی دلائل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف ہے۔

❀ امام ابو جعفر نحاس (۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ خِلَافُهٗ.

”کسی صحابی سے بھی اس کے خلاف ثابت نہیں۔“

(النّاسخ والمَنسوخ، ص 229، زاد المَعاد لابن القيّم : 594/5)

❀ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی جمیلہ بنتِ عبداللہ بن اُبَی کو مارا اوران کا ہاتھ توڑ دیا۔ان کا بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف ایک آدمی بھیجا اور فرمایا:

خُذِ الَّذِي لَهَا عَلَيْكَ، وَخَلِّ سَبِيلَهَا .

”حق مہر لے لیں اور اس کا راستہ جدا کر دیں۔“

اس کے بعد:

فَأَمَرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَتَرَبَّصَ حَيْضَةً وَّاحِدَةً، فَتَلْحَقَ بِأَهْلِهَا .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک حیض انتظار کریں، پھر گھر والوں کے پاس چلی جائیں۔“

(سنن النّسائي : 3497، وسندهٗ صحيحٌ)

اوپری عبارت میں مفتی تقی عثمانی صاحب کا یہ انداز شاید علمی نہیں، اپنے موقف کے خلاف حدیث کو بغیر دلیل راوی کا تصرف کہہ کر مطعون ومشکوک بنا دینا اہل علم کے شایان شان نہیں۔

حيضةٌ، يَحِيضُ کا مصدر ہے،اصل میں حيضٌ تھا،اس میں ۃ وحدت کی ہے۔ ثلاثی مجرد کا مصدر فَعْلَةٌ کے وزن پر آئے،تو وحدت کا فائدہ دیتا ہے۔ثلاثی مجرد کا مصدر یا تو ۃ سے خالی ہوتا ہے یا ۃ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے، جیسے رحمةٌ ہے۔اگر ۃ سے خالی ہو

اور اس سے وحدت مراد لینی ہو، تو ۃ لائی جاتی ہے اور اگر پہلے سے ۃ کے ساتھ مستعمل ہو، تو وحدت مراد لینے کے لئے واحدۃ کی قید بڑھائی جاتی ہے، جیسے رَحِمْتُهٗ رَحْمَةً وَّاحِدَةً.

بالفرض ان کی بات تسلیم کر لی جائے کہ حیضۃٌ میں ۃ جنس کے لئے اور جنس واحد، تثنیہ اور جمع کو شامل ہوتی ہے تو ہم روایت کے لفظ واحدة کے ساتھ جنس سے وحدت مراد لے لیں گے، کیونکہ واحد بھی جنس کے افراد میں سے ہے۔

سوال: کیا مدبر غلام کی خرید و فروخت جائز ہے؟

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَعْتَقَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَّهٗ لَيْسَ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهٗ عَنْ دُبُرٍ مِّنْهُ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ يَّبْتَاعُهٗ مِنِّي، فَقَالَ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : أَنَا أَبْتَاعُهٗ فَابْتَاعَهٗ.

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی موت کے بعد اپنے غلام کو آزاد کرنے کا کہا، اس کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی اور مال نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا؟ نُعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں خریدوں گا، چنانچہ انہوں نے خرید لیا۔“

(صحيح البخاري : 2534، صحيح مسلم : 997، المُنتقٰى لابن الجارود : 984)

❀ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”مدبر کی بیع میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور ان کے نزدیک مدبر مقید اور مدبر مطلق کا ایک حکم

ہے۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدبر کی دو قسمیں ہیں؛ مقید اور مطلق؛ پہلے کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر میں اس مرض میں مر جاؤں، تو تو آزاد ہے، پاس اس کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں اور اس حدیث کو امام صاحب نے بیع مدبر مقید پر محمول کیا ہے کہ وہ مولیٰ اسی مرض میں مر گیا......۔“

(تقریر ترمذی، ص362)

جواب: مدبر غلام اس غلام کو کہتے ہیں، جس کے مالک نے اسے بایں صورت آزاد کیا ہو، کہ اس کی وفات کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا، اب جیسے ہی مالک فوت ہو جائے گا، تو غلام کو آزادی مل جائے گی۔

مدبر بھی غلام ہی ہوتا ہے، اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔اس پر احادیث وآثار دلیل ہیں۔

یہ کہنا کہ مدبر مقید کی خرید وفروخت جائز ہے، مگر مطلق کی جائز نہیں، بے دلیل ہے، اس فرق پر کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں آسکی، بلکہ اس کے برخلاف مدبر مطلق غلام کے فروخت ہونے پر کئی دلائل موجود ہیں، جیسا کہ مذکورہ حدیث ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

أَصَابَهَا مَرَضٌ وَأَنَّ بَعْضَ بَنِي أَخِيهَا ذَكَرُوا شَكْوَاهَا لِرَجُلٍ مِنَ الزُّطِّ يَتَطَيَّبُ، وَأَنَّهُ قَالَ لَهُمْ : إِنَّكُمْ لَتَذْكُرُونَ امْرَأَةً مَسْحُورَةً سَحَرَتْهَا جَارِيَةٌ لَّهَا فِي حِجْرِ الْجَارِيَةِ الْآنَ صَبِيٌّ قَدْ بَالَ فِي حِجْرِهَا، فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

فَقَالَتْ : ادْعُوا لِي فُلَانَةً، لَجَارِيَةٍ لَهَا، قَالُوا : فِي حِجْرِهَا فُلَانٌ لِصَبِيٍّ لَّهُمْ، قَدْ بَالَ فِي حِجْرِهَا فَقَالَتْ : إِيْتُونِي بِهَا فَأُتِيَتْ بِهَا فَقَالَتْ : سَحَرْتِنِي؟ قَالَتْ : نَعَمْ، قَالَتْ : لِمَهْ؟ قَالَتْ : أَرَدْتُ أَنْ أُعْتَقَ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَعْتَقَتْهَا عَنْ دُبُرٍ مِّنْهَا، فَقَالَتْ : إِنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ لَا تُعْتَقِي أَبَدًا انْظُرُوا أَسْوَأَ الْعَرَبِ مَلَكَةً فَبِيعُوهَا مِنْهُمْ، وَاشْتَرَتْ بِثَمَنِهَا جَارِيَةً فَأَعْتَقَتْهَا .

’’آپ رضی اللہ عنہا سخت بیمار ہو گئیں، آپ رضی اللہ عنہا کے بھانجوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی بیماری کا تذکرہ کسی طبیب کے گوش گزار کیا، (پوری صورت حال سننے کے بعد) اس نے انہیں کہا: تم جس خاتون کے متعلق بیان کر رہے ہو، ان پر جادو کیا گیا ہے، ان پر جادو انہیں کی لونڈی نے کیا ہے، جس کی گود میں ابھی بچہ ہے اور بچے نے اس کی گود میں پیشاب کر دیا ہے۔ (بھانجوں نے آ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا، تو) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میری فلاں لونڈی کو بلا لائیں، بھانجوں نے عرض کیا: اس کی گود میں ایک بچہ بھی ہے، جس نے اس کی گود میں پیشاب کر دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اسے میرے پاس لے آئیں، تو اسے لایا گیا، سیدہ نے پوچھا: تم نے مجھ پر جادو کیا ہے؟ کہنے لگی: ہاں، سیدہ نے فرمایا: کیوں؟ کہنے لگی: میں چاہتی تھی کہ میں آزاد ہو جاؤں۔ دراصل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے مدبر بنایا ہوا تھا (مدبر اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں، جو

مالک کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتا یا جاتی ہے۔) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کبھی آزادی نہ ملے۔ (پھر بھانجوں سے فرمایا:) عرب کے برے آدمی کو دیکھیں اور اس لونڈی کو اسے فروخت کر دیں، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لونڈی کی قیمت کے بدلے دوسری لونڈی خریدی، پھر اسے آزاد کر دیا۔''

(مسند الإمام أحمد : 24126، الأدب المفرد للبخاري : 162، سنن الدّارقطني : 4267، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 16506، وسندهٗ صحيحٌ)

اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ (۷۵۱٦) نے شیخین کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

سوال: کیا نماز کی ہر رکعت میں سورت اخلاص پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب: نہیں۔

سوال: ایک شخص نے ایک ہی رکعت میں بھول کر دو مرتبہ سورت فاتحہ پڑھ لی، اب کیا کرے؟

جواب: کوئی حرج نہیں، اس کی نماز صحیح ہے۔

سوال: ایک شخص نماز میں کچھ سوچ رہا تھا، اسے جمائی آئی، تو وہ جو سوچ رہا تھا، اس کے الفاظ بے اختیار زبان سے نکل گئے، اب نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس نے غلطی سے الفاظ زبان سے نکالے، اس لیے نماز صحیح ہے، وہ نماز جاری رکھے۔ البتہ اگر اس نے ایسا جان بوجھ کر کیا، تو نماز باطل ہے۔

سوال: ایک شخص ظہر اور عصر کی نماز پڑھنا بھول گیا، اسے اس وقت یاد آیا، جب سورج غروب ہونے میں صرف اتنے منٹ رہ گئے کہ اب اس میں صرف چار رکعات ہی ادا

ہوسکتی ہیں، وہ اس وقت میں کون سی نماز ادا کرے ظہر یا عصر؟

جواب: وہ کوئی بھی نماز پہلے پڑھ سکتا ہے، البتہ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب مستحب ہے، لہٰذا وہ پہلے ظہر پڑھ لے، بعد میں عصر ادا کرلے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ : ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طه : ١٤)

”جو نماز پڑھنا بھول جائے، تو وہ یاد آنے پر پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طه : ١٤) ”میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

(صحیح مسلم : 680)

سوال: ایک شخص نے نماز عید کی تین رکعات پڑھا دیں، اب کیا کرے؟

جواب: سجدہ سہو کرلے، اس کی نماز صحیح ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

سوال: مسجد میں بیٹھ کر ناخن کاٹنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کی نظافت کا رکھا جائے۔

سوال: مسجد میں بیٹھ کر حجامہ لگانا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے، البتہ مسجد کو آلائشوں سے بچایا جائے۔

سوال: مسجد میں سانپ آگیا، اب کیا کریں؟

جواب: اسے مار دیا جائے، اگر سانپ سے کچھ مادہ خارج ہوا ہو، تو مسجد کے اس حصہ کو دھو کر پاک صاف کرلیا جائے۔

سوال: فریقین میں اختلاف ہوا، کیا وہ مسجد میں حلف اٹھانے کے لیے داخل ہو

سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: مسجد میں کسی شخص سے قرض مانگنا کیسا ہے؟

جواب: کوئی حرج نہیں۔

سوال: قرض کی ادائیگی مسجد میں کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔

سوال: نجس لباس پہن کر مسجد میں آنا کیسا ہے؟

جواب: اگر ایسی نجاست ہے، جو مسجد کو گندہ کر سکتی ہے، تو ایسے لباس میں مسجد میں داخل ہونا درست نہیں۔

سوال: بچوں کو مسجد میں ناظرہ قرآن کے لیے جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ مسجد بہترین تربیت گاہ ہے۔

سوال: فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: فرشتوں کی تعداد کا علم اللہ کے پاس ہے۔ فرشتوں پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان لایا جائے گا، جن فرشتوں کا ہم جانتے ہیں، ان پر اس تفصیل کے ساتھ اور جنہیں ہم نہیں جانتے، ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک فرشتے کا انکار تمام فرشتوں کا انکار ہے اور فرشتوں کا انکار صریح کفر ہے۔

فرشتوں کا معاملہ انبیائے کرام علیہم السلام جیسا ہے۔ جن نبیوں کو ہم جانتے ہیں، ان پر تفصیلاً ایمان لایا جائے گا، جن کا ہمیں علم نہیں، ان پر اجمالاً ایمان لایا جائے گا، الغرض جو نبی ہے، اس پر ایمان ضروری ہے۔

جس طرح کسی ایک نبی کا انکار کفر ہے، اسی طرح کسی ایک فرشتے کا انکار بھی کفر ہے۔جس طرح کسی نبی کی اہانت اور استخفاف واستحقار کفر ہے، بعینہٖ معاملہ فرشتوں کا ہے۔

❁ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) فرماتے ہیں:

أَشْبَهَ الْإِيمَانَ بِالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ .

"فرشتوں پر ایمان لانا نبیوں پر ایمان لانے کے مشابہ ہے۔"

(الهداية: 54/1)

سوال: مسجد کے صحن میں پودے لگانا کیسا ہے؟

جواب: صف بندی میں خرابی نہ ہو، تو کوئی حرج نہیں۔

سوال: مسجد میں گوشت لانا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔

سوال: مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف، کیا کسی کام کی غرض سے دوسری گلی میں جانے کے لیے مسجد کو گزرگاہ بنانا جائز ہے؟

جواب: اگر مسجد کی انتظامیہ کو اعتراض نہیں، تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

سوال: مسجد میں چندہ کے لیے ڈبہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔مساجد و مدارس کے غلے بنانا درست اقدام ہے، بہتر ہے کہ یہ غلے مسجد کے باہر گلی میں لگائے جائیں، تاکہ گزرنے والے لوگ بھی اس میں چندہ ڈال سکیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۱۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: جو مسجد کھنڈر بن چکی ہو، وہاں نماز اور جمعہ نہ ہوتا ہو، صرف بوسیدہ عمارت باقی ہو، کیا اس میں داخل ہونے پر بھی تحیۃ المسجد پڑھی جائے گی؟

جواب: اگر کوئی مسجد بے آباد ہو چکی ہو اور وہاں اب کوئی نمازی نہ رہا ہو، ایسی عمارت میں تحیۃ المسجد نہیں۔

سوال: مسافر کو الوداع کرتے ہوئے سورت فاتحہ کی قرأت کرنا کیسا ہے؟

جواب: ثابت نہیں۔

سوال: خطبہ جمعہ میں حاضر ہوا، سپیکر کی خرابی کی وجہ سے دور بیٹھے افراد تک خطیب کی آواز نہیں جا رہی، کیا ان کے لیے دوران خطبہ خاموش اختیار کرنا ضروری ہے؟

جواب: جنہیں امام کی آواز نہیں آ رہی، وہ بھی خاموش رہیں، آپس میں بات چیت نہ کریں۔

سوال: ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی، قرأت سے پہلے تکبیرات زوائد کہنا بھول گیا، قرأت کے دوران یاد آیا، اب کیا کرے؟

جواب: تکبیرات زوائد قرأت کے بعد ادا کر لے، نماز صحیح ہے۔

سوال: بیوی فوت ہو گئی، کفن دفن کے اخراجات کون اٹھائے؟

جواب: خاوند کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کے کفن دفن کے اخراجات برداشت کرے،

البتہ اگر بیوی کے میکے میں کوئی یہ ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے، تو حرج نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ شَاسِعُ الدَّارِ، وَلِي قَائِدٌ لَا يُلَائِمُنِي فَهَلْ لِي رُخْصَةٌ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي؟، قَالَ : هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ، قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً .

''آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے رسول! میں نابینا ہوں، میرا گھر مسجد سے دور ہے، مجھے پکڑ کر لانے والا کوئی نہیں، کیا مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے؟ فرمایا: کیا آپ اذان سنتے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: پھر میں آپ کو رخصت نہیں دے سکتا۔''

(مُسند الإمام أحمد : 15490، سنن أبي داود : 552، سنن ابن ماجه : 792، صحيح ابن خزيمة : 1480، المُستدرك للحاكم : 247/1)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ابورزین کا عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو رَزِينَ عَنِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ مُرْسَلٌ .

''ابورزین اسدی کی سیدنا ابن اُم مکتوم سے روایت مرسل ہے۔''

(تاريخ ابن أبي خيثمة، ص 107)

سوال: کیا تحفہ کو واپس لینا جائز ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک رجوع عن الہبہ جائز ہے غیر قرابت محرمیہ اور زوجیہ میں بشروط مذکورہ فی الفقہ۔ اور یہاں تشبیہ غیر مکلّف کے فعل سے دی گئی ہے کہ کتا ایسا کیا کرتا ہے، پس یہ مثال تنفیر کے لیے ہے اور کراہت طبعیہ ہے نہ کہ شرعیہ۔''

(تقریر ترمذی، ص388)

جواب: ہبہ، تحفہ، عطیہ، صدقہ یا گفٹ دے کر واپس لینا جائز نہیں۔ حدیث میں اس کی مثال اس کتے کی سی دی گئی ہے، جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ یہ بری مثال ہے، ایسی مثال مذموم اور حرام فعل پر ہی دی جاتی ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اکتفا کیا جائے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْعَائِدُ فِي هِبَتِهٖ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهٖ .

''ہبہ کرنے کے بعد واپس لینے والا اس شخص کی طرح ہے، جو قے کرنے کے بعد دوبارہ نگل لے۔''

(صحيح البخاري : 2621، صحيح مسلم : 1622، المُنتقٰى لابن الجارود : 993)

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ .

''اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(شرح السّنة : 295/8)

❁ علامہ اسمندی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُتَّفَقٌ عَلٰی صِحَّتِہٖ .

''اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(طريقة الخلاف، ص 295)

❁ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُتَّفَقٌ عَلٰی صِحَّتِہٖ .

''اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(مُعجم ابن عساكر :15/1)

❁ علامہ ابن رشد قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْحَدِيثُ مُتَّفَقٌ عَلٰی صِحَّتِہٖ .

''اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(بداية المُجتهد : 118/4)

❁ علامہ ابن ظاہری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ مُتَّفَقٌ عَلٰی صِحَّتِہٖ .

''یہ حدیث صحیح ہے، اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(مَشيخة ابن البخاري :548/1)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا

يُعْطِي وَلَدَهٗ، وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ فَيَرْجِعُ فِيهَا كَالْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا تَمَّ، وَقَالَ عَلِيٌّ : شَبِعَ، قَاءَ ثُمَّ رَجَعَ فِي قَيْئِهٖ .

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو تحفہ دے کر اس سے واپس لے لے، بجز والد کے، جو وہ اپنے بیٹے کو دیتا ہے، جو تحفہ دے کر واپس لیتا ہے، اس کی مثال کتے جیسی ہے، جو کھاتا ہے، جب سیر ہو جاتا ہے، تو قے کرتا ہے، پھر اسے چاٹ لیتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 78,27/2، سنن أبي داوٗد : 3539، سنن النّسائي : 3720، سنن التّرمذي : 2132، سنن ابن ماجه : 2377، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح''، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۹۹۴) نے ''صحیح''، امام حاکم رحمہ اللہ (۴۶/۲) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

سوال: شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا کیسا ہے؟

جواب: شوہر نے اگر عمومی طور بیوی کو اجازت دے رکھی ہو کہ آپ اتنی اتنی مقدار خرچ کرسکتی ہیں، تو عورت کو ہر خرچ کے وقت اجازت لینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسے عمومی اجازت ملی ہوئی ہے۔ البتہ وہ اس مقدار سے زائد خرچ نہ کرے، جتنی کی اجازت اس کے شوہر نے دی ہے۔ اس خرچ پر بیوی اور شوہر کو آدھا آدھا اجر ملے گا۔

جن روایات میں بغیر اجازت خرچ کرنے کی ممانعت آئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر نے اسے بالکل اجازت نہ دی ہو، نہ عمومی اور نہ خصوصی۔ اور جن روایات میں بغیر اجازت خرچ کرنے کی اجازت ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ شوہر نے عمومی اجازت دے رکھی ہے، مگر عورت خاص اس خرچ کے لیے اجازت نہیں لیتی اور سابقہ عمومی اجازت کی بنا پر

خرچ کرتی ہے، تو شوہر اور بیوی دونوں کو آدھا اجر ملے گا۔

❁ سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَلَا الطَّعَامُ، قَالَ : ذَاكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا .

''کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر خاوند کے گھر سے کچھ بھی (صدقہ وخیرات میں) خرچ نہیں کر سکتی۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کیا کھانے بھی نہیں؟ فرمایا: کھانا تو ہمارے اموال میں بہترین شے ہے (اسے خرچ کرنے کے لیے بالاولیٰ اجازت ضروری ہے)۔''

(سنن التّرمذي : 670، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۱۰۲۳) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَالَ : «يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ»، فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَكَيْنِ، فَلَمْ يَدْرِيَا كَيْفَ يَكْتُبَانِهَا، فَصَعِدَا إِلَى السَّمَاءِ، وَقَالَا : يَا رَبَّنَا، إِنَّ عَبْدَكَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لَا نَدْرِي كَيْفَ نَكْتُبُهَا، قَالَ اللّٰهُ

عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟ قَالَا: يَا رَبِّ إِنَّهُ قَالَ: «يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ»، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمَا: اكْتُبَاهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي، حَتّٰى يَلْقَانِي فَأَجْزِيَهُ بِهَا.

''اللہ کے کسی (نیک) بندے نے کہا: «يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ» ''میرے رب! تیرے لیے وہ تعریف ہے، جو تیرے چہرے کی جلالت وشان اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے۔'' یہ کلمات دو (لکھنے والے) فرشتوں کے لیے مشکل ہو گئے، وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ان کلمات (اتنے زیادہ اجر) کو کیسے لکھیں؟ چنانچہ وہ دونوں فرشتوں آسمان کی طرف گئے، (رب تعالیٰ کے حضور) عرض گزار ہوئے: ہمارے رب! تیرے بندے نے ایسے کلمات کہے ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہم انہیں کیسے لکھیں؟ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کلمات کو بخوبی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ فرشتوں نے عرض کیا: رب کریم! اس نے کہا ہے: «يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ» ''میرے رب! تیرے لیے وہ تعریف ہے، جو تیرے چہرے کی جلالت وشان اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے دونوں فرشتوں سے فرمایا: تم ان کلمات کو ایسے ہی لکھ دو، جیسے میرے بندے نے کہے ہیں، جب

میرے بندے کی مجھ سے ملاقات ہوگی، تو میں خود ہی اسے ان کلمات کا اجر دے دوں گا۔“

(سنن ابن ماجه: 3801)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① قدامہ بن ابراہیم جمحی مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”الثقات: ۵/ ۳۱۹“ میں ذکر کیا ہے۔

② صدقہ بن بشیر مجہول الحال ہے۔

✿ حافظ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَاد فِيهِ مَقَالٌ .

”اس کی سند میں کلام ہے۔“

(مصباح الزّجاجة: 130/4)

سوال: درج ذیل روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ بارش کے لیے صرف استغفار ہے، نماز نہیں۔

✿ ابو مروان اسلمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ نَسْتَسْقِي، فَمَا زَادَ عَلَى الْاِسْتِغْفَارِ .

”ہم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ استسقاء کے لیے نکلے، تو آپ رضی اللہ عنہ سے استغفار سے زائد کچھ نہیں کیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة: 29486، وسندهٗ صحيحٌ)

اس استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: استسقاء کے لیے نماز پڑھنا مسنون و مستحب ہے، کئی صحیح احادیث اور آثار سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

رہی مذکورہ روایت، تو وہ مختصر ہے، اسی روایت کے دوسرے الفاظ سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، ملاحظہ ہو؛

❀ ابو مروان اسلمی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

خَرَجَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَسْتَسْقِي فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يَقُولُ مِنْ حِينَ خَرَجَ مِنْ مَنْزِلِهِ : «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا»، يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ حَتَّى انْتَهٰى إِلَى الْمُصَلّٰى .

''آپ رحمہ اللہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ استسقاء کے لیے نکلے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب گھر سے نکلے، اس وقت سے ہی لگاتار یہ کلمات کہتے رہے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا» ''اللہ! ہمیں معاف فرما، بلاشبہ تو خوب معاف کرنے والا ہے۔'' آپ رضی اللہ عنہ بلند آواز سے یہی کلمات پڑھتے رہے، یہاں تک کہ نماز گاہ میں پہنچ گئے۔''

(الأوسط لابن المُنذر : 315/4، وسندهٗ حسنٌ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راستے میں بلند آواز کے ساتھ استغفار کرتے رہے، استغفار سے زائد کچھ نہیں پڑھا، یہاں تک کہ نماز گاہ میں پہنچ گئے۔ یقیناً نکلنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ نماز استسقاء ادا کی جائے۔ اس میں نماز استسقاء کی نفی یا عدم جواز کا ثبوت نہیں۔

تنبیہ:

اس باب میں چند ضعیف روایات بھی ہیں۔

❁ عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ: ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ❁ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ❁ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ، وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَّيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾(نوح: ۱۰-۱۲)، ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾(نوح: ۱۰) ثُمَّ نَزَلَ، فَقَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، لَوِ اسْتَسْقَيْتَ، فَقَالَ: لَقَدْ طَلَبْتُهُ بِمَجَادِيحِ السَّمَاءِ الَّتِي يُسْتَنْزَلُ بِهَا الْمَطَرُ.

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: (لوگو!) ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ❁ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ❁ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ، وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَّيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾(نوح: ۱۰-۱۲) ''اپنے رب سے استغفار کرو، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، مال ومتاع اور بیٹوں کے ذریعے تمہارے امداد کرے گا اور تمہارے لیے باغات اور نہریں تیار کرے گا۔'' (لوگو!) ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾(نوح: ۱۰) ''اپنے رب سے استغفار کرو، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بڑا معاف کرنے والا ہے۔'' پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر سے

نیچے اتر آئے، لوگوں نے عرض کیا: امیر المومنین! برائے کرم! آپ دعائے استسقاء کرا دیں۔ فرمایا: یقیناً میں نے رب تعالیٰ سے آسمان کے پچھتروں کا سوال کیا ہے، جن سے بارش نازل ہوتی ہے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة: 8343، السّنن الكبرىٰ للبيهقي: 490/3)

سند ضعیف ہے۔ عامر شعبی کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لٰكِنَّهٗ مُرْسَلٌ، لَمْ يُدْرِكِ الشَّعْبِيُّ عُمَرَ.

''یہ روایت مرسل ہے، شعبی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔''

(خلاصة الأحكام: 880/2)

❁ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي: 490/3)

سند ضعیف ہے۔

① قریب بن اصمع کی توثیق نہیں۔

② عبید سعدی کے حالات نہیں ملے۔

❁ اس کی تیسری سند بھی ہے۔

(معرفة السّنن والآثار للبيهقي: 7199)

سند ضعیف ہے۔ مطلب بن سائب کی توثیق نہیں۔

سوال: کیا عمر بلوغ اٹھارہ اور سترہ سال ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک جبکہ علامات ظاہر نہ ہوں، تو اٹھارہ

سال کی عمر میں بلوغ کا حکم دیا جائے گا لڑکے کے لیے اور سترہ سال میں لڑکی کے لیے۔

اور حدیث کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ احتمال ہے وہ پندرہ برس میں بھی بالغ نہ ہوئے ہوں اور پہلے سال آپ ﷺ ان کو اس وجہ سے نہ لے گئے ہوں کہ وہ اس وقت تیار اور مستعد نہ ہوں۔"

(تقریر ترمذی، ص 407)

جواب: بے دلیل مؤقف ہے۔ صحیح احادیث اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔

❁ **امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:**

كَانَ النُّعْمَانُ يَقُولُ : حَدُّ بُلُوغِ الْغُلَامِ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً، وَالْجَارِيَةِ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً، وَهٰذَا خِلَافُ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ السُّنَنِ الثَّابِتَةِ، وَقَوْلِ مَنْ ذَكَرْنَا عِنْدَ ذٰلِكَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا سَبَقَهُ إِلٰى هٰذَا الْقَوْلِ، وَلَيْسَ لَهُ فِيمَا قَالَ حُجَّةٌ .

"نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بچے کے لیے حد بلوغ اٹھارہ برس ہے اور بچی کے لیے سترہ برس۔ یہ ان ثابت احادیث کے خلاف ہے، جو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، نیز اہل علم کے اقوال کے خلاف ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ بات کی ہو اور نہ ہی ان کے مؤقف پر کوئی دلیل موجود ہے۔"

(الأوسَط في السّنن والإجماع والاختلاف : 389/4)

❁ **سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:**

عَرَضَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْقِتَالِ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ، فَلَمْ يُجِزْنِي، فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ عَرَضَنِي وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَأَجَازَنِي، قَالَ : فَقَدِمْتُ عَلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَعُمَرُ يَوْمَئِذٍ خَلِيفَةٌ، فَحَدَّثْتُهُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ : إِنَّ هٰذَا لَحَدٌّ بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، فَكَتَبَ إِلٰى عُمَّالِهِ أَنِ افْرِضُوا لِابْنِ خَمْسَ عَشْرَةَ وَمَا كَانَ دُونَ ذٰلِكَ فَأَلْحِقُوهُ بِالْعِيَالِ .

’’غزوہ احد کے دن میں چودہ برس کا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنگ کے لیے پیش ہوا، تو آپ نے مجھے اجازت نہیں دی، پھر غزوہ خندق کے دن میں پندرہ برس کا تھا، میں آپ کے سامنے پیش ہوا، تو آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے دوران میں ان کے پاس آیا اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی، تو انہوں نے فرمایا: یہ بچے اور جوان کے درمیان حد ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے عاملین (گورنروں) کو لکھ بھیجا کہ پندرہ سال کے بچے کا وظیفہ لگا دو اور جو اس سے چھوٹا ہے، اسے گھر والوں کے ساتھ ہی رہنے دو۔‘‘

(صحيح البخاري : 2664، صحيح مسلم : 1868، المُنتقٰى لابن الجارود : 809)

اس حدیث سے تھانوی صاحب کی تاویل کا رد ہو جاتا ہے، کیونکہ امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہر اس بچے اور بچی کے

لیے حد بلوغ ہے، جس میں بلوغت کی نشانی ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اسی لیے آپ رحمہ اللہ نے اپنے عاملین کو خط لکھا۔ ائمہ حدیث اور محدثین نے بھی حدیث سے یہی سمجھا ہے۔

اب اس فہم کے مقابلہ میں تھانوی صاحب کی تاویل اور احتمال کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ صحیح اور صریح حدیث اور اُمت کا اجماع اس احتمال اور تاویل کی نفی کرتے ہیں۔

سوال: قرعہ اندازی کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''قرعہ کا معتد بہا عند الشریعہ ہونا مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تو اس کے اعتداد کے قائل ہیں اور امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) اس منکر۔ اور حدیث کا امام صاحب یہ جواب دیتے ہیں کہ اس وقت حضور زندہ تھے محتمل ہے کہ کسی مصلحت سے آپ نے یہ عمل فرمایا ہو اور اس زمانہ ہر جزئی کا سوال آپ سے واجب تھا اور اب آپ کے مقرر کردہ قوانین کلیہ پر عمل کیا جائے گا اور کوئی دلیل احتجاج بالقرعہ پر قائم نہیں۔ نیز حنفیہ کی طرف سے یہ بھی جواب ہے کہ قرعہ منسوخ ہے۔''

(تقریر ترمذی، ص409-410)

جواب: قرعہ اندازی کی مشروعیت و جواز پر قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔ اہل سنت کے ائمہ بھی اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔

❁ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا،

ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِيدًا .

''ایک شخص نے موت کے وقت اپنے چھے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کوئی مال بھی نہیں تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کو بلا کر تین ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔ (جس ٹولی کے نام قرعہ نکلا، ان) دو کو رہا کر دیا اور باقی چار کو غلامی میں برقرار رکھا۔ ان کے مالک کے بارے میں بھی سخت بات فرمائی۔''

(صحيح مسلم : 1668)

یہ حدیث نص ہے کہ قرعہ مشروع اور جائز ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، يَرَوْنَ اسْتِعْمَالَ الْقُرْعَةِ فِي هٰذَا وَفِي غَيْرِهٖ، وَأَمَّا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ، وَغَيْرِهِمْ، فَلَمْ يَرَوْا الْقُرْعَةَ .

''نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم میں سے بعض کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ یہ سب اہل علم اس جیسے مواقع پر قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے۔ البتہ اہل کوفہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم قرعہ کو جائز نہیں سمجھتے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 1364)

تھانوی صاحب کی تاویل درست نہیں، بغیر دلیل نبی کریم ﷺ کے عمل پر احتمال ظاہر

کرنا علمی رَوش نہیں۔

باقی رہا یہ دعویٰ کہ قرعہ منسوخ ہو چکا ہے، یہ بالکل بے دلیل بات ہے، کسی ایک بھی حدیث سے قرعہ کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔اس پر طرہ یہ ہے کہ ائمہ محدثین قرعہ کے قائل و فاعل ہیں، اس پر متعدد دلائل ہیں۔اس لیے نسخ والی بات خلاف حقیقت ہے۔

کسی شرعی حکم کو منسوخ قرار دینا ائمہ و محدثین کا کام تھا، جب انہوں نے منسوخ قرار نہیں دیا، تو بعد والوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس حکم کو منسوخ قرار دیں، بالخصوص وہ لوگ، جن کا محدثین سے تعلق نہیں۔

سوال: شفعہ کا حق کب تک ہے؟

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّمَا جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا حق دیا تھا، جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو، لیکن جب حدود مقرر ہو جائیں اور راستے بدل دیے جائیں، تو پھر حق شفعہ باقی نہیں رہتا۔“

(صحيح البخاري : 2213، المُنتقٰى لابن الجارود : 643)

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”(جب حدود مقرر کر دی جائیں اور راستے بدل جائیں، تو) جمہور کے نزدیک تو اس صورت میں شفعہ نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ظاہر حدیث کا مقتضی ہے، لیکن امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک اب بھی شفعہ کا استحقاق ہے اور حدیث

کے یہ معنی ہیں کہ اس درجہ کا استحقاق اب نہیں ہے، جیسا کہ قبل وقوع حدود وغیرہ تھا۔‘‘

(تقریر ترمذی، ص413)

جواب: جب تک جائیداد کو تقسیم نہ کر دیا جائے، پڑوسی کو حق شفعہ حاصل رہتا ہے، جب فروخت ہونے کے بعد اس غیر منقولہ جائیداد کے راستے بدل جائیں، اس کی حدود وقیود مقرر ہو جائیں، تو اب پڑوسی کو حق شفعہ حاصل نہیں رہتا۔ اس پر حدیث بالکل واضح ہے۔

احناف کے طرف سے اس حدیث میں جو تاویل کی گئی ہے، وہ بعید از کار ہے۔ اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کو حرز جاں بنایا جائے۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے۔

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

’’باہم علما میں اس باب میں گفتگو ہوئی ہے کہ تغریب عام داخل حد ہے یا خارج از حد اور محض سیاست کے لیے تجویز کی گئی ہے۔ سو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو تغریب داخل حد ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک خارج از حد ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے تغریب عام فرمائی تھی، تو وہ شخص مغرب کفار سے جا ملا ...... پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تغریب فتنہ کے لیے کافی ہے، سو اگر تغریب داخل حد ہوتی، تو وہ منقوص نہیں کی جا سکتی تھی کہ حد میں تنقیص جائز نہیں۔‘‘

(تقریر ترمذی، ص428)

جواب: کنوارے زانی کی حد سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ اس پر کئی صحیح

احادیث و آثار ہیں، ائمہ اہل سنت کا اجماع بھی ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَنْشُدُكَ اللّٰهَ! إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ، وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ، فَقَالَ: اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأْذَنْ لِي؟ قَالَ: قُلْ، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا، فَزَنٰى بِامْرَأَتِهٖ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ رِجَالًا مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ، وَعَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهٗ، الْمِائَةُ شَاةٍ وَّالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا.

''ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! آپ کو اللہ کا واسطہ، ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے۔ اس کا مدمقابل کھڑا ہوا، وہ اس سے زیادہ سمجھ دار بھی تھا۔ اس نے کہا: ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بولیے۔ اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری کرتا تھا، اس نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کر

لیا۔ میں نے ایک سو بکری اور ایک غلام اس کے فدیے کے طور پر دیا۔ پھر میں نے اہل علم لوگوں سے سوال کیا، تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ملے گی، جبکہ اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں آپ کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام آپ کو لوٹا دیے جائیں گے۔ آپ کے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ اے اُنَیس! اِن کی بیوی کے پاس جائیے، اگر وہ اعترافِ جرم کرے، تو اسے رجم کر دیں۔‘‘

(صحيح البخاري: 6827، صحيح مسلم: 1697)

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ صَحَّ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّفْيُ، رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَزَيْدُ بْنُ خَالِدٍ، وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، وَغَيْرُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعَلِيٌّ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأَبُو ذَرٍّ، وَغَيْرُهُمْ، وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِّنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

”نبی اکرم ﷺ سے (کنوارے زانی کو) جلاوطن کرنا ثابت ہے۔آپ ﷺ سے اس عمل کو سیدنا ابوہریرہ، سیدنا زید بن خالد، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام، جن میں سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا ابوذر وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں، کا اسی حدیث کے مطابق عمل ہے۔ بہت سے تابعین فقہائے کرام سے یہی بات مروی ہے۔امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی فتویٰ ہے۔“

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 1438)

① تھانوی صاحب نے مذکورہ حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ اس حدیث میں جلاوطنی شرعی سزا نہیں، بلکہ سیاسی اور تعزیری تھی، یہ بات بالکل بے دلیل اور بے بنیاد ہے۔ کیا یہ فیصلہ مقلدین کریں گے کہ نبی کریم ﷺ کے احکامات میں سے شرعی کون سے ہیں اور سیاسی و تعزیری کون سے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کنوارے زانی کو جس طرح سو کوڑوں کی سزا دیتے تھے، اسی طرح جلاوطنی کی بھی سزا دیتے تھے۔صحابہ کرام شرعی احکامات کو بخوبی سمجھنے والے تھے، ان میں سے کسی نے جلاوطنی کو سیاسی یا تعزیری سزا قرار نہیں دیا۔

② حضرت تھانوی صاحب نے احناف کی ایک مرفوع حدیث کو بطور دلیل بایں الفاظ ذکر کی ہے:”امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے تغریب عام فرمائی تھی، تو وہ شخص مغرب کفار سے جاملا ...... پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تغریب فتنہ کے لیے کافی ہے۔“

عرض: کتب حدیث میں اس طرح کی کسی روایت پر دسترس نہیں ہوسکی، کیا احناف میں سے کوئی ہے، جو اس حدیث کا حوالہ بتا سکے؟

اس سے ملتی جلتی ایک روایت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے موقوف آئی ہے، مگر وہ بھی ضعیف وغیر ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ جلاوطنی کی عدم مشروعیت پر احناف کے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: یوتھ کلب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یوتھ کلب (YOUTH CLUB) سلفی نوجوانوں کی تنظیم ہے۔ زیادہ فعال تو نہیں ہے، مگر کام کر رہی ہے۔ ہمارا ماننا ہے کہ نسل نو کی تربیت اسلامی نہج پر کرنا نہایت اہم ہے اور وقت کی ضرورت بھی ہے، کیونکہ فی زمانہ فتنوں کی یلغار ہے اور الحاد کی بھرمار ہے۔ گو ہمارے مدارس ان فتنوں کی سرکوبی کے لئے خاطر خواہ کام کر رہے ہیں، لیکن اہل حق کے مدارس کی تعداد کم ہونا اور دوسرے بعض اہل مدارس کے ہاں جدید فتنوں سے لاعلمی یا کوتاہی کا رویہ ایسے فیکٹر ہیں، جو فتن پر کام کو انتہائی سست کر چکے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کی میڈیا تک رسائی نہ ہونے کے برابر ہے، اور میڈیا پر قابض گروہ کا تعلق ملحدین اور گمراہ لوگوں کے ساتھ ہے۔ جو لوگ اسے گمراہی پھیلانے کے لئے پوری یکسوئی سے استعمال کر رہے ہیں۔ لہٰذا عام آدمی تک علم اور اہل علم کی رسائی کا نہ ہونا بجائے خود دور حاضر کی مصیبت ہے۔

اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ میڈیا پر دفاع دین کام از حد ضروری ہے اور اس کے لئے جو بھی لوگ میسر ہوں، وہ علماء کی رہنمائی میں اپنا کردار ادا کریں۔

چونکہ نوجوانوں میں کچھ کرنے کا خاص جذبہ ہوتا ہے، اگر اس جذبے کی تحسین ہو، تو نوجوان معاشرے کی صلاح و فلاح میں بنیادی اور اساسی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اسی لئے ہم نوجوانوں کو اس ماحول کے خلاف تیار کرنا وقت کا اہم فریضہ جانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اہل علم کی رہنمائی کو فرض جانتے ہیں، کیونکہ بغیر علم کے کوئی دنیوی کام بھی کیا جائے، تو وہ ضرور خرابی ہی لاتا ہے۔ پھر دین کا کام تو انتہائی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ قدم قدم شیطان کے آلہ کار کھڑے ہیں، جگہ جگہ شیطان کے جال پڑے ہیں، شیطانی قوتیں کس کس رنگ میں کسی کو بنام دین بھٹکانے کو تیار بیٹھی ہوتی ہیں، عام آدمی تو کجا بسا اوقات اہل علم بھی سمجھنے میں کافی مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جدید دور نے کچھ نئے عقائد ونظریات پیدا کر دیئے ہیں، وحی کی اہمیت ذہنوں سے کھرچی جا رہی ہے۔ دین کے غیرت دکھانا قصہ پارینہ ہو چکا، کسی گمراہ کی گمراہی واضح کرنے پر لوگ آپ کو گالم گلوچ شروع کر دیتے ہیں۔ ذہنی ساخت بدل گئی ہے۔ فرقہ واریت کی تعبیریں بدلی جا چکی ہیں۔ اب قرآن وسنت سے ہٹ کر نئی راہ ایجاد کرنے والوں کو فرقہ کہنے کی بجائے انہیں منع کرنے والوں کو فرقہ قرار دیا جانے لگا ہے۔ ایسے عالم میں اگر آپ دین کے کام کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور اہل علم کو اگنور کرتے ہیں، تو آپ بجائے خود گمراہی کا ایک نیا راستہ کھول دیں گے۔ جسے آپ گمراہی کا رد سمجھ رہے ہوں گے، جسے آپ الحاد کا رد قرار دیتے ہوں گے، وہی چیز الحاد کو پھیلانے کا ذریعہ بن جائے گی۔

ہمارے زمانے کے بہت سے منکرین حدیث نے رسول اللہ ﷺ کی بیسیوں احادیث کو فقط اس لئے ٹھکرایا کہ جدید ذہن ان روایات کو تسلیم نہیں کرتا اور وہ اسے الحاد کے رد کا نام دیتے ہیں، مگر انہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کی اہمیت ختم کرنا تو بجائے خود الحاد ہے، اس کے بعد آپ الحاد کا رد کیا خاک کریں گے؟ الحاد تو خود آپ پھیلا رہے ہیں۔ سرسید نے نیچریت کا مذہب ملحدین کے رد کے جذبے سے اپنایا تھا، مگر اس کا مذہب تو اپنے

آپ میں الحاد تھا۔ فلہٰذا یہ بات سمجھنے کی شدید ضرورت ہے کہ دین کے کام کے لئے، رد الحاد کے لئے اور جدید فتن سے آگہی کے لئے علماء کی رہنمائی بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر آپ گمراہی میں اضافہ تو کریں گے، اس میں کمی نہیں لا سکیں گے۔

جہاں تک یوتھ کلب کا تعلق ہے، تو اس کے بانی راجہ ضیاء الحق صاحب ہیں۔ جو ایک حادثے کا شکار ہونے کے بعد دین کی طرف آئے۔ اور پھر انہوں نے نوجوانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، لیکن چونکہ وہ خود دینی علوم سے بہرہ مند نہ تھے اور نہ دین کی حساسیت اور نزاکت سے آشنا تھے، اسی لئے ان کو اہل دین سے خود بھی سیکھنے کی بہت ضرورت تھی، مگر انہوں نے خود سیکھنے کی بجائے اگلوں کو سکھانا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خود ان کے اپنے منہج میں گمراہی در آئی۔ اسلاف کے عقیدے سے انحراف کر بیٹھے، بلکہ ان کے بہت سے افکار و نظریات کے ڈانڈے تو خود ملحدین سے ملنے لگے ہیں، گویا وہ جو اصلاح کا جذبہ تھا، ایک گمراہی پر منتج ہونے لگا ہے۔

راجہ صاحب دور حاضر کے میڈیائی فتنوں کا حصہ بن چکے ہیں۔ شاید ان کی کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہم سے جڑ جائیں، میڈیا پر ریٹنگ بڑھ جائے۔ ویسے بھی ریٹنگ بڑھانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، ہر شخص دوسرے سے بڑھنے کی کوشش میں ہے، خواہ کسی طور بڑھ جائے۔

ہم نے راجہ صاحب کو نادر علی کے پوڈ کاسٹ **PODCAST** میں سنا، جس میں انہوں نے اپنی منہجی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ اس پوڈ کاسٹ میں راجہ صاحب نے گمراہوں کی زبان میں گفتگو کی ہے۔ اور بہت سارے ملحدین و بے دین لوگوں کی تعریف کرتے نظر آئے، انہوں نے گمراہوں کی کوششوں کو سراہا، انہیں خراج تحسین پیش کیا، ان سے اظہار ہم

آہنگی کیا، بلکہ بعض ایسے افراد کی بھی تحسین کر دی، جو اہل حق اور اہل سنت والجماعت کے دشمن اور مخالف ہیں، ان سے نفرت کرنا اپنا دین سمجھتے ہیں۔ بعضے ان میں ایسے ہیں، جن کے عقائد شرکیہ وکفریہ ہیں اور وہ گمراہی کے سرغنے ہیں۔ مگر راجہ صاحب ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

اب ہمارا سوال ہے کہ راجہ صاحب اس عمل سے نوجوانوں کو کیا سکھانا چاہتے ہیں؟ یہ اختلاف کی بنیادی وجہ ہے کہ ہر جاہل جسے میڈیا نے عالم بنایا، وہ نوجوانوں کو شکار کرتا نظر آتا ہے۔ بعض لوگ دین کی سرسری معلومات رکھتے ہیں، مگر وہ اپنے تئیں علامہ فہامہ سمجھتے ہیں، ان کی نظر میں علمائے حق ناکام ہیں اور اپنے کام کو برتری دلانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر لیتے ہیں۔ مانا کہ راجہ صاحب کا بعض علمائے اہل حدیث سے تعلق ہوگا، مگر اس کا اثر ان پر نظر نہیں آتا۔

اس بنیاد پر ہم علمائے اہل حدیث سے درخواست کرتے ہیں کہ ایسے گمراہوں کو اپنے قریب نہ آنے دیں، جو ہمارے نوجوانوں میں غیر محسوس طریقہ سے گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض گمراہ علمائے اہل حدیث سے رابطہ میں رہتے ہیں، یا ان سے کچھ سیکھتے ہیں، جس سے علما سمجھتے ہیں کہ شاید وہ لوگ دین کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اس لیے وہ نرم گوشہ اختیار کرتے ہیں، جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ان گمراہوں کا مقصد لیبل لگوانا ہے کہ میں فلاں اہل حدیث عالم کا شاگرد ہوں۔

تبلیغ دین کا معاملہ انتہائی احتیاط کا متقاضی ہے۔ لہٰذا اہل حدیث نوجوانوں کو چاہیے کہ دین کی بنیادوں کو سیکھیں، ان پر عمل پیرا ہوں اور علمائے حق کی راہنمائی میں دین کی تبلیغ کریں۔ نیز اپنے خاص جتھے نہ بنائیں، اس میں علم اور اہل علم کا نقصان ہے۔ عام طور پر یہ

بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی گمراہوں نے مسلک اہل حدیث کا لبادہ اوڑھ کر اہل حدیث مسلک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، مگر ان کی نہ چل سکی۔ علمائے حق کی کوششوں سے انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ یہ ضرور ہے کہ عمومی طور پر ملحدین کا حملہ اہل حدیث پر ہوتا ہے، کیونکہ ان کے پاس خالص دین ہے، بعض ناپختہ ذہن نوجوان ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور منہجی طور پر بھٹک جاتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ یہ تو سنت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے، ہم بھی ایسی ہی نماز پڑھتے ہیں، یقیناً یہ اچھا انسان ہوگا، حقیقت میں وہ گمراہ ہوتا ہے اور مسنون نماز کو فقط ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس پر سہاگہ یہ کہ وہ سبھی لوگ بشمول راجہ صاحب اپنے آپ کو اہل حدیث بھی نہیں کہلواتے اور ماحول میں یہ ذہن دیتے ہیں کہ فرقہ بندی نہیں ہونی چاہیے کہ اہل حدیث نام سے فرقہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوائیں گے، تو لوگ ہمارے قریب نہیں آئیں گے، یوں اپنے باطل نظریات کو پروان چڑھاتے ہیں۔ ہماری رائے میں جب کوئی گمراہ ہو جاتا ہے، تو وہ اہل حدیث کہلوانا چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ مسلک اہل حدیث گمراہی کو قبول نہیں کرتا۔

راجہ صاحب اتحادِ اُمت کا آوازہ بلند کرتی ہے، اور اس بات سے ہر اہل علم واقف ہے کہ فی زمانہ اتحاد امت کا نعرہ حق و باطل کو ایک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اتحاد امت کا مفہوم ہمارے زمانے میں سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی گمراہ کی گمراہی پر رد نہ کرو، بلکہ اس کی گمراہی کو قبول کرلو، جو جہاں جس طرح لگا ہے اسے لگا رہنے دو، اپنا مذہب چھوڑو نہ کسی کے مذہب کو چھیڑو نہ، یہ سب باتیں کیا ہیں، بدعت کو نارملائز کرنے کی کوشش، الحاد کو رستہ دینے کی جہد اور بس!

جبکہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہی حق اور باطل کو جدا جدا کرنا ہے۔ ہمیں انتہائی تاسف

سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ یوتھ کلب بھی اسی ٹائپ کے اتحادِ اُمت کے علمبردار ہیں، جس کی عملی تصویر یوتھ کلب سے متعلق افراد میں نظر آ جاتی ہے۔

اس لیے ہم سب سے پہلے تو یوتھ کلب کے ممبران سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت والجماعت کے منہج کی طرف آ جائیں اور علمائے حق علمائے اہل حدیث کی راہنمائی میں رہیں، کہ اسی میں عافیت اور خیر ہے۔

اہل حدیث عوام سے گزارش ہے کہ یوتھ کلب جب تک اپنے معاملات اہل علم کے سپرد نہیں کرتا یا اہل علم سے مکمل رہنمائی کا رویہ نہیں اپناتا، تو ان سے لاتعلقی کریں، ان کے پروگرامز کا بائیکاٹ کریں، اپنی مساجد میں ان کے پروگرامز پر پابندی لگائیں کہ ان کا منہج اہل سنت والجماعت والا نہیں ہے۔ اور فتن سے آگہی کے لئے علماء کے ساتھ ربط رکھیں۔ راجہ صاحب کو سننے کی بجائے علماء کو سنیں کہ متاع دین بہت قیمتی ہے۔ اسے بچا کر لے جانا ہی اصل ایمان ہے۔

سوال: کیا نبی کریم ﷺ نے سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ پر لعنت کی ہے؟

جواب: سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، نبی کریم ﷺ کا ان پر لعنت کرنا یا انہیں مدینہ سے جلا وطن کرنا ثابت نہیں۔ اس سلسلہ میں مروی روایات ضعیف و غیر ثابت اور منکر ہیں، ملاحظہ ہو؛

❁ ابو یحیٰی النخعی سے مروی ہے:

كُنْتُ بَيْنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَالْحُسَينِ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، وَالْحُسَيْنُ يُسَابُّ مَرْوَانَ، فَجَعَلَ الْحَسَنُ يَنْهَى الْحُسَيْنَ حَتّٰى قَالَ مَرْوَانُ : إِنَّكُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مَلْعُونُونَ، قَالَ : فَغَضِبَ

الْحَسَنُ، وَقَالَ : وَيْلَكَ قُلْتَ أَهْلَ بَيْتٍ مَلْعُونِينَ، فَوَاللّٰهِ لَقَدْ لَعَنَ اللّٰهُ أَبَاكَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ وَأَنْتَ فِي صُلْبِهٖ .

''میں سیدنا حسن بن علی، سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم اور مروان بن حکم کے بیچ تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مروان کو برا بھلا کہنے لگے، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کو منع کرنے لگے، یہاں تک کہ مروان نے کہا: تم اہل بیت ملعون ہو۔ یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ غصے ہوئے اور فرمایا: تمہارا برا ہو، کیا تم اہل بیت کو ملعون کہتے ہو، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ پر اپنے نبی کی زبانی لعنت کر دی تھی، جبکہ تم ابھی اپنے باپ کی صلب میں تھے۔''

(طبقات ابن سعد : 411/6، ط الخانجي)

روایت ضعیف ہے۔

① ابو یحییٰ النخعی مجہول ہے۔

② عطاء بن سائب مختلط ہیں۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ بَنِي الْحَكَمِ يَنْزُونَ عَلٰى مِنْبَرِهٖ وَيَنْزِلُونَ، فَأَصْبَحَ كَالْمُتَغَيِّظِ وَقَالَ : مَا لِي رَأَيْتُ بَنِي الْحَكَمِ يَنْزُونَ عَلٰى مِنْبَرِي نَزْوَ الْقِرَدَةِ؟، قَالَ : فَمَا رُئِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا بَعْدَ ذٰلِكَ حَتّٰى مَاتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

’’رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ کے منبر پر بنوامیہ اچھل کود کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے صبح کی، تو بہت غصے میں تھے، فرمایا: میں نے بنوامیہ کو دیکھا کہ وہ میرے منبر پر بندروں کی طرح اچھل کود کر رہے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو وفات تک کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔‘‘

(مسند أبي يعلى :6461)

روایت منکر (ضعیف) ہے، علاء بن عبدالرحمٰن کی بعض روایات منکر اور شاذ ہیں۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنَا أُنْكِرُ مِنْ حَدِيثِهِ أَشْيَاءَ .

’’میں اس کی بعض احادیث کو ’’منکر‘‘ سمجھتا ہوں۔‘‘

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 358/6)

❀ حافظ جورقانی رحمہ اللہ نے اس حدیث غیر ثابت قرار دیا ہے۔

(الأباطيل والمناكير والصّحاح :412/1)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بے اصل قرار دیا ہے۔

(العِلَل المُتناهية : 213/2)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 407/3)

❀ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي فُلَانٍ يَنْزُونَ عَلٰى مِنْبَرِهِ نَزْوَ الْقُرُودِ فَسَاءَهُ ذٰلِكَ، فَمَا اسْتَجْمَعَ ضَاحِكًا حَتّٰى

مَاتَ ....

’’رسول اللہ ﷺ نے (خواب میں) دیکھا کہ بنوفلاں منبر رسول پر بندروں کی طرح اچھل کود کر رہے ہیں، آپ ﷺ کے لیے یہ خواب پریشان کن تھا، اس کے بعد وفات تک آپ کبھی کھلکھلا کر نہ ہنسے۔‘‘

(تفسیر الطّبري : 77/15)

یہ جھوٹی روایت ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اسے حُدِّثْتُ کہہ کر بیان کیا ہے۔ بیان کرنے والا نامعلوم ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ اور اس کا استاذ عبدالمهیمن بن عباس دونوں متروک و کذاب ہیں۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا السَّنَدُ ضَعِيفٌ جِدًّا؛ فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الْحَسَنِ بْنِ زَبَالَة مَتْرُوكٌ، وَشَيْخَهُ أَيْضًا ضَعِيفٌ بِالْكُلِّيَّةِ .

’’یہ سند سخت ضعیف ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے۔ اس کا استاذ بھی سخت ضعیف ہے۔‘‘

(تفسیر ابن کثیر : 92/5)

❁ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ بَنِي أُمَيَّةَ عَلٰى مِنْبَرِهٖ فَسَاءَهُ ذٰلِكَ ....

’’نبی کریم ﷺ کو خواب آیا کہ بنوامیہ آپ ﷺ کے منبر پر تھے، تو آپ ﷺ نے اسے برا خواب تعبیر کیا۔‘‘

(سنن الترمذي : 3350)

یہ روایت منکر ہے۔

❀ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا لَا يَصِحُّ .

”یہ روایت ثابت نہیں ہے۔“

(القَبَس في شرح مؤطإ مالك بن أنس، ص 538)

❀ امام حاکم رحمہ اللہ کے تعاقب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَدْرِي آفَتُهٗ مِنْ أَيْنَ؟

”معلوم نہیں کہ یہ آفت کس کی ڈھائی ہوئی ہے؟“

(مختصر تلخيص الذهبي : 1662/4)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا يَقْتَضِي اضْطِرَابًا فِي هٰذَا الْحَدِيثِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، ثُمَّ هٰذَا الْحَدِيثُ عَلٰى كُلِّ تَقْدِيرٍ مُنْكَرٌ جِدًّا، قَالَ شَيْخُنَا الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ أَبُو الْحَجَّاجِ الْمِزِّيُّ : هُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

”(راوی کے نام میں) یہ (اختلاف) اس حدیث میں اضطراب کا متقاضی ہے، واللہ اعلم! بہرکیف یہ حدیث سخت منکر ہے۔ ہمارے شیخ امام حافظ حجۃ ابو حجاج مزی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔“

(تفسير ابن كثير : 442/8)

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِذَا أَنَا بِعَلِيٍّ قَدْ جَاءَ بِالْحَكَمِ آخِذًا بِأُذُنِهِ وَلِهَازِمِهِ جَمِيعًا حَتّٰى وَقَفَهُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَعَنَهُ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا.

''میں اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کان سے پکڑ کر لا رہے تھے، ساتھ میں کوڑا بھی تھا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم بن ابی العاص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ پر تین مرتبہ لعنت فرمائی۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني: 439/12)

روایت باطل ہے۔

① حسن بن قیس حنش ضعیف متروک ہے۔

② سلیمان بن طرخان تیمی کا عنعنہ ہے۔

❁ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِسْتَأْذَنَ الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَ كَلَامَهُ، فَقَالَ: ائْذَنُوا لَهُ، لَعَنَهُ اللّٰهُ وَكُلَّ مَا خَرَجَ مِنْ صُلْبِهِ إِلَّا مُؤْمِنِيهِمْ، وَقَلِيلٌ مَا هُمْ، يُسْرِفُونَ فِي الدُّنْيَا، وَيُوضَعُونَ فِي الْآخِرَةِ، ذُو مَكْرٍ وَخَدِيعَةٍ، يُعْطَوْنَ فِي الدُّنْيَا، وَمَا لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ.

''حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی

اجازت چاہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز سے پہچان لیا اور فرمایا: حکم کو آنے دیں، اس پر اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد پر اللہ کی لعنت ہو، سوائے مؤمنوں کے، جبکہ ان کی تعداد بہت کم ہوگی۔ وہ دنیاوی نعمتوں میں اسراف کریں گے اور آخرت میں ان کا بوجھ اٹھائیں گے، مکار اور دھوکے باز ہوں گے، انہیں دنیا میں تو فراوانیاں دی جائیں گی، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔''

(تاریخ ابن عساکر : 268/57، المَطالب العالية لابن حَجَر : 4454)

سند ضعیف ہے۔

① ابوالحسن جزری مجہول ہے۔

❀ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(تهذيب التّهذيب لابن حجر : 73/12)

② ابوالحسن کا سیدنا عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے سماع بھی معلوم نہیں۔

❀ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ وَلَا أَدْرِي سَمِعَ مِنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ أَمْ لَا؟

''میں نہیں جانتا کہ اس نے سیدنا عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے یا نہیں؟''

(تهذيب التّهذيب لابن حجر : 73/12)

❀ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْإِسْنَادُ فِيهِ مَنْ يُجْهَلُ .

''اس سند میں مجہول راوی ہے۔''

(تاریخ ابن عساکر: 268/57)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ يَجْلِسُ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَنْقُلُ حَدِيثَهُ إِلٰى قُرَيْشٍ فَلَعَنَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

”حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (راز کی) باتیں قریش تک پہنچا دیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور قیامت تک ان کی صلب سے پیدا ہونے والی اولاد پر لعنت فرمائی۔“

(الكامل لابن عدي: 239/4)

سند سخت ضعیف ہے۔

① سلیمان بن قرم ضعیف الحفظ رافضی ہے۔

② اعمش کا عنعنہ ہے۔

③ احمد بن حسین صوفی کا تعین نہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا:

وَرَبِّ هٰذَا الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالْبَلَدِ الْحَرَامِ إِنَّ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ وَوَلَدَهُ مَلْعُونُونَ عَلٰى لِسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”بیت حرام اور بلد حرام کے رب کی قسم! بے شک حکم بن ابی العاص اور ان کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملعون ہیں۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني : 121/13)

سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد کا عنعنہ ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِنَّمَا كَانَ نَفْيُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الطَّائِفِ، بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجْرَتِهٖ فَإِذَا هُوَ إِنْسَانٌ يَطَّلِعُ عَلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْوَزَغ، الْوَزَغ فَنظَرَ فَإِذَا هُوَ الْحَكَمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اخْرُجْ لَا تُسَاكِنِّي بِالْمَدِينَةِ مَا بَقِيتُ فَنَفَاهُ إِلَى الطَّائِفِ .

”دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کرنے کا سبب یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آ پہنچا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کمزور آدمی ہے، کمزور آدمی ہے، دیکھا، تو وہ حکم بن ابی العاص تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکل جائیے، جب تک میں زندہ ہوں، آپ مدینہ میں نہ رہنا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني : 148/12)

روایت باطل ہے۔

① عبادۃ بن زیاد اسدی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عُبَادَةُ بْنُ زِيَادٍ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ مِنَ الْغَالِيْنَ فِي الشِّيْعَةِ

وَلَهُ أَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ فِي الْفَضَائِلِ .

”عبادہ بن زیاد کوفی غالی شیعہ تھا، اس نے فضائل میں منکر روایتیں بیان کی ہیں۔“

(الكامل في ضعفاء الرّجال : 349/4)

② مدرک بن سلیمان طائی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَعْرِفْهُ .

”میں اسے نہیں پہچانتا۔“

(مَجمع الزّوائد : 43/8)

③ اجلح بن عبداللہ کی بعض منکر روایات ہیں۔

④ ابوصالح باذام ”ضعیف، متروک الحدیث، مختلط و مدلس“ ہے۔

⑤ ابوصالح نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں کیا۔

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ .

”یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے، اس نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں کیا۔“

(كتاب المجروحين :185/1)

❀ یہی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے:

(تاريخ ابن عساكر : 272/57)

روایت باطل ہے۔

① عبادۃ بن زیاد اسدی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عُبَادَةُ بْنُ زِيَادٍ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ مِنَ الْغَالِيْنَ فِي الشَّيْعَةِ وَلَهُ أَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ فِي الْفَضَائِلِ .

''عبادہ بن زیاد کوفی غالی شیعہ تھا، اس نے فضائل میں منکر روایتیں بیان کی ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرّجال: 349/4)

② مدرک بن سلیمان طائی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَعْرِفْهُ .

''میں اسے نہیں پہچانتا۔''

(مَجمع الزّوائد: 43/8)

③ اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ قرشی ضعیف ہے۔

❀ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجْرِ إِذْ مَرَّ الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَيْلٌ لِأُمَّتِي مِمَّا فِي صُلْبِ هٰذَا .

''ایک دفعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجر میں تھا، کہ وہاں سے حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے ان لوگوں کے لیے تباہی ہے، جو حکم کی صلب سے پیدا ہوں گے۔''

(المُعجم الأوسط للطّبراني: 1520)

سند ضعیف ہے۔ معاذ بن خالد عسقلانی کی توثیق نہیں۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَهٗ مَنَاكِيرُ.

''اس کی منکر روایات ہیں۔''

(میزان الاعتدال : 132/4)

❁ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ مُنكَرٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم :2751)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... فَقَالَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ : لَيَدْخُلَنَّ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ لَعِينٌ فَوَاللّٰهِ مَا زِلْتُ وَجِلًا، أَتَشَوَّفُ دَاخِلًا وَخَارِجًا، حَتّٰى دَخَلَ فُلَانٌ، يَعْنِي الْحَكَمَ .

''ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ ...... نبی کریم ﷺ نے ہماری موجودگی میں فرمایا: اپنے آپ کے پاس لعین شخص آئے گا۔ (راوی کہتے ہیں:) اللہ کی قسم! میں ڈرنے لگا اور ہر آنے جانے والے پر نگاہ دوڑانے لگا، یہاں تک کہ فلاں یعنی حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔''

(مسند الإمام أحمد : 163/2)

روایت منکر ہے۔

❁ امام ابن سکن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُقَالُ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا عَلَيْهِ، وَلَمْ يَثْبُتْ ذٰلِكَ.

”یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ پر بددعا کی، یہ بات ثابت نہیں۔“

(الإصابة لابن حجر: 91/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُرْوٰى فِي سَبِّهٖ أَحَادِيْثُ لَمْ تَصِحَّ.

”حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جتنی احادیث ہیں، وہ ثابت نہیں۔“

(سِير أعلام النُّبلاء: 108/2)

❁ نیز فرماتے ہیں:

قَدْ رُوِيَتْ أَحَادِيثُ مُنْكَرَةٌ فِي لَعْنِهٖ لَا يَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهَا.

”سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کے بارے میں مروی احادیث منکر ہیں، ان سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔“

(تاريخ الإسلام: 198/2)

❁ محمد بن زیاد رحمہ اللہ سے مروی ہے:

لَمَّا بَايَعَ مُعَاوِيَةُ لِابْنِهٖ، قَالَ مَرْوَانُ: سُنَّةُ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: سُنَّةُ هِرَقْلَ وَقَيْصَرَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: هٰذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا﴾ (الأحقاف: ١٧) الْآيَةَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ: كَذَبَ وَاللّٰهِ، مَا

هُوَ بِهِ، وَإِنْ شِئْتُ أَنْ أُسَمِّيَ الَّذِي أُنْزِلَتْ فِيهِ لَسَمَّيْتُهُ، وَلٰكِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ أَبَا مَرْوَانَ، وَمَرْوَانُ فِي صُلْبِهِ، فَمَرْوَانُ فَضَضٌ مِّنْ لَّعْنَةِ اللّٰهِ.

"جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لے رہے تھے، تو مروان کہنے لگا: یہ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے، سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ مروان کہنے لگا: ایسوں کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي﴾ (الأحقاف : ١٧) 'جس نے اپنے والدین سے کہا: اف ہو تم پر، مجھے ڈراتے ہو۔' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر ملی، تو فرمایا: اللہ کی قسم! مروان غلطی پر ہے، اس سے عبدالرحمٰن مراد نہیں، میں چاہوں تو اس کا نام بتا سکتی ہوں۔ ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر لعنت کی تھی، جب کہ مروان ابھی اپنے باپ کی صلب میں تھا، لہٰذا مروان اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ٹکڑا ہے۔"

(السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 11427)

سند ضعیف ہے۔ محمد بن زیاد کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع و لقا نہیں۔

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ انْقِطَاعٌ.

"اس سند میں انقطاع ہے۔"

(تلخيص المُستدرك : 4/528)

❁ عبداللہ بہی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنِّي لَفِي الْمَسْجِدِ حِينَ خَطَبَ مَرْوَانُ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ أَرٰى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي يَزِيدَ رَأْيًا حَسَنًا، وَّإِنْ يَّسْتَخْلِفَهُ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْر: أَهِرْقَلِيَّةٌ؟ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَاللّٰهِ مَا جَعَلَهَا فِي أَحَدٍ مِّنْ وَّلَدِهِ، وَلَا أَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَلَا جَعَلَهَا مُعَاوِيَةُ فِي وَلَدِهِ إِلا رَحْمَةً وَّكَرَامَةً لِّوَلَدِهِ، فَقَالَ مَرْوَانُ: أَلَسْتَ الَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ: أُفٍّ لَكُمَا؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: أَلَسْتَ ابْنُ اللَّعِينُ الَّذِي لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاكَ، قَالَ: وَسَمِعَتْهُمَا عَائِشَةُ فَقَالَتْ: يَا مَرْوَانُ، أَنْتَ الْقَائِلُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ كَذَا وَكَذَا؟ كَذَبْتَ، مَا فِيهِ نَزَلَتْ، وَلٰكِنْ نَزَلَتْ فِي فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، ثُمَّ انْتَحَبَ مَرْوَانُ، ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ حَتّٰى أَتٰى بَابَ حُجْرَتِهَا فَجَعَلَ يُكَلِّمُهَا حَتَّى انْصَرَفَ.

''مروان خطبہ دے رہا تھا، میں بھی مسجد میں تھا: اللہ نے امیر المومنین (معاویہ) کو یزید کے متعلق اچھا فیصلہ کرنے کی توفیق دی ہے۔ اگر انہوں نے اسے خلیفہ بنا دیا، تو سمجھو کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ بنایا۔ سیدنا عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: کیا یہ ہرقلی عادت نہیں؟ اللہ کی قسم! سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی بیٹے یا کسی گھر والے کو خلیفہ نہیں بنایا، جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے

بیٹے کو شفقت اور عزت افزائی کے لیے خلیفہ بنایا ہے۔ مروان بولا: تو وہی نہیں، جس نے اپنے والدین سے کہا تھا: تمہارا برا ہو؟ عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: تو ملعون کا بیٹا نہیں؟ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے باپ پر لعنت کی ہے۔ یہ ساری کاروائی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سن رہی تھیں، فرمانے لگیں: مروان! آپ عبد الرحمٰن کو یہ یہ کہتے ہیں؟ آپ نے غلط کہا، یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، بلکہ فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی، پھر مروان سسکیاں بھرنے لگا، منبر سے نیچے اترا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آیا اور کچھ گفت وشنید کے بعد چلا گیا۔''

(مسند البزّار: 2273، تفسير ابن أبي حاتم: 3295/10)

سند ضعیف ہے۔ عبد اللہ بہی کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں، جیسا کہ امام احمد بن حنبل، امام عبد الرحمٰن بن مہدی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ عبد اللہ بہی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان عروہ کا واسطہ ہے۔

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نَفْسُ الْبَهِيِّ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهٖ، وَهُوَ مُضْطَرِبُ الْحَدِيثِ.

''عبد اللہ بہی کی حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا، کیوں کہ اس کی حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔''

(علل الحديث لابن أبي حاتم: 48/2)

❀ سیدنا عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ فُلَانٌ يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ اخْتَلَجَ وَجْهُهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُنْ كَذٰلِكَ، فَلَمْ يَزَلْ يُخْتَلِجُ حَتَّى مَاتَ .

''فلاں شخص (حکم بن ابی العاص) نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، جب نبی کریم ﷺ کوئی بات کرتے، تو (نقل اتارتے ہوئے) اس کا چہرہ ہلنے لگتا، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: (اللہ کرے) تو ایسا ہی رہے۔ تو موت تک اس چہرہ ہلتا رہا۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 214/3، المُستدرك للحاكم : 4241، دلائل النّبوة للبيهقي : 239/6)

سند باطل ہے۔

① ضرار بن صرد ضعیف و متروک اور منکر الحدیث ہے۔

② اسماعیل بن ابی خالد کا عنعنہ ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بعض روایات میں ہے کہ ”صدقہ کے ساتھ مریضوں کا علاج کریں۔“ ان کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اس مضمون کی کوئی روایت ثابت نہیں، تفصیل ملاحظہ ہو؛

❀ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَأَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ .

”زکوۃ دے کر اپنے مالوں کو محفوظ کریں، صدقہ کے ساتھ مریضوں کا علاج کریں اور مصائب سے بچنے کے لیے دعا کی تیاری کریں۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني : 128/10)

سند باطل ہے۔

① موسیٰ بن عمیر ابو ہارون کوفی متروک و کذاب ہے۔

② حکم بن عتبیہ کا عنعنہ ہے۔

③ ابراہیم نخعی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ .

”یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

(العِلَل المُتناهية : 3/2)

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَاعِدٌ فِي ظِلِّ الْحَطِيمِ بِمَكَّةَ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُتِيَ عَلٰى مَالِ أَبِي فُلَانٍ بِسَيْفِ الْبَحْرِ فَذَهَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا تَلِفَ مَالٌ فِي بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ إِلَّا بِمَنْعِ الزَّكَاةِ، فَحَرِّزُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَادْفَعُوا عَنْكُمْ طَوَارِقَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ، فَإِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، مَا نَزَلَ يَكْشِفُهُ وَمَا لَمْ يَنْزِلْ يَحْبِسُهُ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حطیم کے سائے میں تشریف فرما تھے، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! ساحل سمندر پر موجود ابو فلاں کے مال پر آفت آئی اور وہ تلف ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خشکی اور تری میں مال تلف ہونے کی وجہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنے مالوں کو حفاظت دیں، صدقہ کے ساتھ اپنے مریضوں کا علاج کریں اور دعا کے ساتھ بلاؤں اور آزمائشوں کو دور کریں، کیونکہ دعا اس مصیبت میں بھی نفع دیتی ہے، جو نازل ہو چکی ہے اور اس میں بھی فائدہ پہنچاتی ہے، جو مصیبت ابھی تک نازل نہیں ہوئی، جو مصیبت نازل ہو چکی ہو، اسے دور کر

دیتی ہے اور جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہوتی، اسے ٹال دیتی ہے۔‘‘

(الدّعاء للطّبراني : 34)

سند ضعیف ومنکر ہے۔

① ابراہیم بن ابی عبلہ کا سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سماع ولقاء نہیں۔

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِبْرَاهِيمُ لَمْ يُدْرِكْ عُبَادَةَ .

’’ابراہیم نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔‘‘

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 640)

② عراک بن خالد بن یزید مضطرب الحدیث ہے۔

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

’’یہ حدیث منکر ہے۔‘‘

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 640)

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَحَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، فَإِنَّهَا تَدْفَعُ عَنْكُمُ الْأَعْرَاضَ وَالْأَمْرَاضَ .

’’صدقہ کر کے اپنے مریضوں کا علاج کریں اور زکوۃ کی ادائیگی سے اپنے اموال کی حفاظت کریں، کیونکہ اس سے آپ کو پیش آمدہ عوارض اور امراض دور ہوتے ہیں۔‘‘

(غرائب الملتقطة لابن حَجَر : 449/4)

سند باطل ہے۔

① محمد بن یونس کدیمی ضعیف و متہم ہے۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اُتُّهِمَ بِوَضْعِ الْحَدِيثِ وَبِسَرَقَتِهٖ وَادَّعٰى رُؤْيَةَ قَوْمٍ لَمْ يَرَهُمْ وَرِوَايَةً عَنْ قَوْمٍ لَا يُعْرَفُونَ وَتَرَكَ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا الرِّوَايَةَ عَنْهُ .

''یہ وضع حدیث اور سرقہ حدیث کے ساتھ متہم تھا، اس نے کتنوں کو دیکھنے کا دعویٰ کیا، جنہیں اس نے دیکھا نہیں تھا اور کئی سارے غیر معروف راویوں سے روایت کا دعویٰ ہے۔ ہمارے اکثر مشائخ نے اس سے روایت لینا ترک کر دیا تھا۔''

(الكامل في ضعفاء الرّجال : 553/7)

② ہلال بن مالک ہوائی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

③ یونس بن عبید بصری کا عنعنہ ہے۔

④ حسن بن عبدالرزاق بن محمد سارق الحدیث ہے۔

❁ سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَاسْتَقْبِلُوا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ .

''زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنے مال کی حفاظت کریں، صدقہ کر کے مریضوں کا علاج کریں اور بلاؤں کی موجوں کا دعاء کے ساتھ سامنا کریں۔''

(شُعب الإيمان للبيهقي : 3279)

سند سخت ضعیف ہے۔فضال بن جبیر ضعیف ومنکر الحدیث ہے۔

❁ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَرُدُّوا نائِبَةَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ .

''زکوۃ کی ادائیگی سے اپنے مال کی حفاظت کریں، صدقہ کے ساتھ اپنے مریضوں کا علاج کریں اور دعاؤں کے ساتھ ناگہانی آفات کا سامنا کریں۔''

(شُعب الإيمان للبيهقي : 3280)

سند سخت ضعیف ہے۔

① حسن بن فضل بن سمح غیر معتبر ہے۔

② غیاث بن کلوب کوفی مجہول ہے۔

③ مطرف بن سمرہ بن جندب کی توثیق نہیں۔

❁ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَاسْتَقْبِلُوا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ .

''زکوۃ سے اپنے مال کی حفاظت کریں، صدقہ کر کے مریضوں کا علاج کریں اور بلاؤں کی موجوں کا دعاء اور تضرع (گڑگڑانا) کے ساتھ سامنا کریں۔''

(المَراسيل لأبي داود : 105)

روایت ضعیف ومرسل ہے۔

① عمر بن سلیم بصری کی بعض منکر روایات ہیں۔

(۲) حسن بصری رحمہ اللہ کا ارسال ہے۔

سوال: کیا اہل کتاب پر بھی حد رجم نافذ ہو گی؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''حنفیہ کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے اور اُن کے نزدیک رجم میں احصان شرط ہے اور مشرک و کافر محصن نہیں ہو سکتا۔ اور جمہور کے نزدیک منسوخ نہیں اور وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے اہل کتاب کے ساتھ ان کی کتاب کے موافق حکم پر اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا اور پھر اس کے نسخ کی کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔ اور احصان مختلف معانی میں مستعمل ہے۔

خدا جانے اس موقع پر احصان کے کیا معنی ہیں، اس لیے تصریح اور منطوق محتمل کے مقابل نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

(تقریر ترمذی، ص429)

جواب: شادی شدہ یہودی یا عیسائی زنا کرے، تو اس پر بھی حد رجم نافذ ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْيَهُودِ قَدْ زَنَيَا، فَقَالَ لِلْيَهُودِ : مَا تَصْنَعُونَ بِهِمَا؟، قَالُوا : نُسَخِّمُ وُجُوهَهُمَا وَنُخْزِيهِمَا، قَالَ : ﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾(آل عمران : ٩٣)، فَجَاؤُوا، فَقَالُوا لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَرْضَوْنَ : يَا أَعْوَرُ، اقْرَأْ فَقَرَأَ حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى مَوْضِعٍ مِّنْهَا

فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِ، قَالَ : ارْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهٗ فَإِذَا فِيهِ آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ، فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ عَلَيْهِمَا الرَّجْمَ، وَلٰكِنَّا نُكَاتِمُهٗ بَيْنَنَا، فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا، فَرَأَيْتُهٗ يُجَانِئُ عَلَيْهَا الْحِجَارَةَ .

''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی آدمی اور یہودی عورت کو لایا گیا، دونوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا، نبی کریم ﷺ نے یہود سے فرمایا: تم ایسے زانیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ کہنے لگے: ہم ان کا منہ کالا کر کے انہیں ذلیل ورسوا کرتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾(آل عمران : ٩٣)''پس تم تورات لے آؤ اور اسے پڑھو، اگر سچے ہو۔'' چنانچہ وہ (تورات لے کر) آئے اور انہوں نے اپنے ایک پسندیدہ آدمی سے کہا: اے اعور! اسے پڑھو، پس اس نے پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک مقام پر جا کر رک گیا اور وہاں اپنا ہاتھ رکھ لیا۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے: یہاں سے ہاتھ اٹھاؤ، تو اس نے ہاتھ اٹھا لیا، دیکھا کہ وہاں رجم کی آیت روز روشن کی طرح واضح تھی۔ تو کہنے لگا: محمد! حقیقتاً ان دونوں پر رجم ہے، مگر ہم اس حکم کو باہم چھپا لیتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے دونوں زانیوں کے متعلق حکم فرمایا اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ زانی مرد، زانیہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر گرا ہوا تھا۔''

(صحيح البخاري : 7543، صحيح مسلم : 1699)

جمہور اہل علم کے مطابق اہل کتاب زنا کریں، تو ان پر بھی حد رجم لگے گی، یہ حکم ثابت ہے، منسوخ نہیں، جبکہ احناف اس حکم کو منسوخ کہتے ہیں، دعویٔ نسخ کی بنیاد یہ ہے:

① مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اہل کتاب پر ان کی کتاب کی روشنی میں حد نافذ کی تھی، نہ کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق۔

② حد رجم محصن پر نافذ ہوتی ہے اور محصن کافر اور مشرک نہیں ہوسکتا، محصن ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

احناف کی دونوں بنیادیں ہی کمزور ہیں۔ یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے تورات کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا، نہ کہ شریعت محمدیہ کے مطابق، بے دلیل بات ہے۔ نبی کریم ﷺ کو وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ تورات وانجیل کے مطابق۔

دراصل تورات میں بھی وہی حکم لکھا ہوا تھا، جو شریعت محمدیہ کا حکم تھا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا کہ تم تورات میں کیا حکم لکھا پاتے ہو؟ جبکہ تورات میں رجم ہی تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو ذریعہ بنا کر حکم میں کچھ تخفیف کرلیں، اسی لیے انہوں نے تورات کے حکم کو چھپایا۔

نیز یہ کہنا کہ کافر یا مشرک محصن نہیں ہو سکتے۔ یہ دلیل بھی دعویٰ نسخ کے لیے درست نہیں، کیونکہ احصان کے کئی معانی ہیں، ان میں سے ایک معنی شادی شدہ ہونا بھی ہے، جیسا کہ ان آیات میں ہے؛

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ ......﴾(النّساء : ٢٥)

’’جب وہ (لونڈیاں) نکاح کرلیں اور پھر اگر وہ برائی (زنا) کا ارتکاب کریں......۔‘‘

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾(النّساء : ٢٤)

”شادی شدہ عورتیں (بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں، جو کسی کے نکاح میں ہیں)۔“

احصان کا ایک معنی پاکدامنی بھی ہوتا ہے، حد رجم کے نفاذ میں احصان بمعنی شادی شدہ ہونا ہے، نہ کہ پاکدامن۔

اس لیے احناف نے جن روایات سے استدلال کیا ہے کہ ”جو شرک کرے، وہ محصن نہیں۔“ اس سے مراد پاکدامن ہونا ہے، یعنی ایسی عورت یا مرد جو (اعتقادی) مشرک ہو، اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ وہ محصن نہیں۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ نے احناف کے اٹھائے گئے سبھی اعتراضات کا کافی جواب دیا ہے۔

❀ حافظ خطابی رحمہ اللہ (٣٨٨ھ) فرماتے ہیں:

تَأَوَّلَ بَعْضُهُمْ مَعْنَى الْحَدِيثِ عَلٰى أَنَّهٗ إِنَّمَا رَجَمَهُمَا بِحُكْمِ التَّوْرَاةِ وَلَمْ يَحْمِلْهُمَا عَلٰى أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ وَشَرَائِطِهٖ .

قُلْتُ : وَهٰذَا تَأْوِيلٌ غَيْرُ صَحِيحٍ، لِأَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ يَقُولُ : ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾(المائدة : ٤٩) وَإِنَّمَا جَاءَهُ الْقَوْمُ مُسْتَفْتِينَ طَمْعًا فِي أَنْ يُرَخِّصَ لَهُمْ فِي تَرْكِ الرَّجْمِ لِيُعَطِّلُوا بِهٖ حُكْمَ التَّوْرَاةِ فَأَشَارَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَتَمُوهُ مِنْ حُكْمِ التَّوْرَاةِ ثُمَّ حَكَمَ عَلَيْهِمْ بِحُكْمِ الْإِسْلَامِ عَلٰى شَرَائِطِهِ الْوَاجِبَةِ فِيهِ .

وَلَيْسَ يَخْلُو الْأَمْرُ فِيمَا صَنَعَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ عَنْ أَنْ يَكُونَ مُوَافِقًا لِحُكْمِ الْإِسْلَامِ أَوْ مُخَالِفًا لَهُ فَإِنْ كَانَ مُخَالِفًا فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَحْكُمَ بِالْمَنْسُوخِ وَيَتْرُكَ النَّاسِخَ، وَإِنْ كَانَ مُوَافِقًا لَهُ فَهُوَ شَرِيعَتُهُ وَالْحُكْمُ الْمُوَافِقُ لِشَرِيعَتِهٖ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُضَافًا إِلٰى غَيْرِهٖ وَلَا أَنْ يَكُونَ فِيهِ تَابِعًا لِمَنْ سِوَاهُ.

''بعض نے تاویل کی ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تورات کے فیصلے کے مطابق رجم کیا تھا اوران پر اسلامی احکام اور شرائط کا نفاذ نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾(المائدة : ٤٩)''(اے نبی!) ان کے درمیان اس وحی کے مطابق فیصلہ کیجئے، جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔''
دراصل نبی کریم ﷺ کے پاس (یہود کے) کچھ لوگ یہ طمع لے کر آئے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان کے لیے ترک رجم کی کوئی رخصت دے دیں گے، تاکہ وہ اس رخصت کی بنا پر تورات میں مندرج حکم کو معطل کر سکیں، پس رسول اللہ ﷺ نے انہیں تورات کے اسی حکم کی طرف اشارہ کیا، جو انہوں نے چھپایا تھا، پھر ان پر ضروری شرائط کے ساتھ اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔
رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں جو (تورات کی طرف رجوع کرنے کا فیصلہ) کیا ہے، وہ دو چیزوں سے خالی نہ تھا، یا تو وہ اسلامی حکم کے موافق تھا، یا

اسلامی حکم کے مخالف تھا، اگر تورات میں مندرج حکم اسلامی حکم کے مخالف تھا، تو اس صورت میں منسوخ حکم کے مطابق فیصلہ کرنا اور ناسخ کو ترک کر دینا جائز نہ تھا۔ اگر وہ حکم اسلامی حکم کے موافق تھا، تو وہ نبی کریم ﷺ کی شریعت ہی ہوئی، جو حکم شرع محمدی کے موافق ہو، اسے کسی اور شریعت کی طرف منسوب کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ وہ اس حکم پر عمل کرنے سے کسی غیر کے حکم کا اتباع کرنے والا قرار پائے گا۔''

(مَعالم السّنن : 3/326)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِحْصَانَ قَدْ يَقَعُ بِنِكَاحِ أَهْلِ الْكُفْرِ كَمَا يَقَعُ بِنِكَاحِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَأَنَّ الذِّمِّيَّيْنِ إِذَا زَنَيَا يُرْجَمَانِ كَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّمَا رَجَمَهُمَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَبِمَا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾(المائدة : ٤٩) وَإِنَّمَا احْتَجَّ عَلَيْهِمْ بِالتَّوْرَاةِ اسْتِظْهَارًا بِالْحُجَّةِ، وَإِحْيَاءً لِحُكْمِ اللّٰهِ الَّذِي كَانُوا يَكْتُمُونَهٗ وَيَحْرِمُونَ الْقَوْلَ فِيهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''کافروں کے (باہم) نکاح کرنے سے بھی احصان حاصل ہوتا ہے، جس طرح مسلمانوں کے نکاح کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ دو ذمی زنا کریں، تو مسلمانوں کی طرح انہیں بھی رجم کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ان دو

یہودیوں کو کتاب اللہ اور وحی الٰہی کی روشنی میں رجم کیا تھا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ﴾(المائدۃ : ٤٩)''(اے نبی!) ان کے درمیان اس وحی کے مطابق فیصلہ کیجئے، جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔'' دراصل نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کے خلاف تورات سے حجت اس لیے پکڑی، تاکہ اپنی حجت کو ثابت کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو زندہ کر دیں، جنہیں انہوں نے چھپا لیا تھا اور اسے نافذ کرنے سے گریز کرتے تھے، واللہ اعلم!''

(أعلام الحديث : 1828/3)

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ كَفَرَ بِالرَّجْمِ فَقَدْ كَفَرَ بِالْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ قَوْلُ : ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ﴾(المائدۃ : ١٥) فَكَانَ الرَّجْمُ مِمَّا أَخْفُوا .

''جو رجم کا انکار کرتا ہے، وہ قرآن کا انکار کرتا ہے، کیونکہ وہ اس قول خدا کو نہیں مانتا: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ﴾''اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہیں بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے، جو تم نے کتاب (تورات وانجیل) میں سے چھپا رکھی ہیں۔'' رجم بھی ان احکام میں سے ہے، جو اہل کتاب نے چھپا رکھے تھے۔''

(السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 7124، وسندهٗ حسنٌ)

اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۴۳۰) نے صحیح، امام حاکم رحمہ اللہ (۴/۳۵۹) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

تنبیہ:

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے:

لَا تُحَصِّنُ الْمُسْلِمَ الْيَهُودِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَلَا الْحُرَّ الْأَمَةُ وَلَا الْحُرَّةَ الْعَبْدُ .

''مسلمان کی شادی یہودیہ یا نصرانیہ سے ہو جائے، تو وہ اسے محصن نہیں بناتی، اسی طرح آزاد آدمی کو لونڈی محصن نہیں بناتی، نہ آزاد عورت کو غلام آدمی محصنہ بناتا ہے۔''

(الهداية : 343/2)

❁ علامہ ابن ترکمانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَرَهُ .

''یہ روایت میرے علم میں نہ آسکی۔''

(التّنبيه، ص 418)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔''

(التّنبيه على مشكلات الهداية : 885/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَجِدْهُ .

''مجھے یہ روایت نہیں ملی۔''

(الدّراية : 99/2)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ لَيْسَ لَهٗ أَصْلٌ .

''یہ حدیث بے اصل ہے، اس کی کوئی سند نہیں۔''

(البِناية : 286/6)

الحاصل:

مسلم ریاست میں اگر شادی شدہ یہودی یا عیسائی زنا کریں، تو ان پر بھی حد رجم نافذ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی زانی پر حد نافذ کی۔ یہ حکم ثابت ہے، اس کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: لواطت پر کیا حد ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک تو اس حدیث کے موافق لوطی قتل کیا جائے گا اور اسی طرح مفعول بہ بھی جمہور کے نزدیک قتل کیا جائے گا۔

اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک یہ حدیث سیاست پر محمول ہے، جبکہ لوطی لواطت کی عادت کر لے، سو اس حالت میں امام اس کو قتل کرے، خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن اور یہ تاویل ثبوت حدیث کی صورت میں ہے اور حدیث چونکہ متکلم فیہ ہے۔ اس لیے اس کی بناء پر اثبات حد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ثبوت

حد کے لیے دلیل قوی کی حاجت ہے۔‘‘

(تقریر ترمذی،ص434)

جواب: لواطت کا ارتکاب کرنے والا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ،اس کی حد قتل ہے۔اس پر صحیح حدیث،آثار صحابہ اور اجماع اُمت دلالت کناں ہیں۔

لوطی کی حد کے متعلق حدیث کو سیاست پر محمول کرنا بے دلیل ہے۔احناف میں ایسا دیکھنے کو آیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف بہت سے شرعی احکام کو سیاسی حکم قرار دے دیتے ہیں۔یہ روش انتہائی خطرناک ہے۔

منکرین حدیث بھی شرعی حدود کو سیاسی حدود قرار دیتے ہیں،مثلاً کہتے ہیں کہ زنا کی حد رجم سیاسی ہے،شرعی نہیں،لہٰذا ان کے مطابق آج اگر کوئی ریاست اس حد کو نافذ نہیں کرتی، اس کی جگہ کوئی اور سزا متعین کر دیتی ہے،تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدود اسلامیہ میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی،تعزیر میں حاکم اور قاضی کو حالات وظروف کے اعتبار سے تبدیل کا اختیار حاصل ہے۔

پس لواطت کی حد کو بغیر دلیل سیاسی قرار دینا ملحدین کا طریقہ ہے، جو معلوم نہیں تھانوی صاحب اور دیگر احناف نے کیوں اختیار کر لیا ہے۔

❀ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُ مَنْ أَسْقَطَ الْحَدَّ عَنْهُ يُخَالِفُ النَّصَّ وَالْإِجْمَاعَ.

’’جو کہتا ہے کہ لوطی پر حد نہیں،وہ نص اور اجماع کا مخالف ہے۔‘‘

(المُغني : 61/9)

تھانوی صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ لواطت کی حد پر کوئی صحیح حدیث نہیں۔ یہ

دعویٰ بھی درست نہیں۔ اس حد پر صحیح حدیث بھی ہے اور اجماع بھی۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ.

''جسے آپ لواطت کرتے دیکھیں، تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیں۔''

(مُسند الإمام أحمد : 300/1، سنن أبي داوٗد : 4462، سنن التّرمذي : 1456، سنن ابن ماجه : 1561، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۸۲۰) نے صحیح، امام حاکم رحمہ اللہ (۳۵۵/۴) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ عمرو بن ابی عمرو مولیٰ مطلب کے متعلق حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ. ''جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔''

(الحاوي للفتاوى : 111/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ حَدِيثُهٗ مُخَرَّجٌ فِي الصَّحِيحَيْنِ فِي الْأُصُولِ ... حَدِيثُهٗ صَالِحٌ حَسَنٌ مُنْحَطٌّ عَنِ الدَّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنَ الصَّحِيحِ.

''صدوق ہیں، ان کی حدیث صحیحین کے اصول میں لائی گئی ہے۔...... ان کی حدیث حسن صالح ہے، البتہ صحیح کے عالی درجے سے ذرا نیچے ہے۔''

(ميزان الإعتدال : 282/3)

❁ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ قَتَلَ

فَقُتِلَ، أَوْ رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَمَا أُحْصِنَ، أَوْ رَجُلٌ ارْتَدَّ بَعْدَ إِسْلَامِهٖ، أَوْ رَجُلٌ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ .

''کیا آپ نہیں جانتے کہ مسلمان کا خون صرف چار صورتوں میں بہایا جا سکتا ہے، ① وہ کسی کو قتل کرے، تو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، ② شادی کے بعد زنا کرے، ③ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے ④ کوئی شخص قوم لوط والا عمل کرے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 531/9، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(الحاوي للفتاوى : 112/2)

❁ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَإِنَّهُمْ أَجْمَعُوا عَلٰى قَتْلِهٖ .

''صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ لوطی کو قتل کیا جائے گا۔''

(المُغني : 61/9)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّحِيحُ الَّذِي اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ أَنْ يُقْتَلَ الْاِثْنَانِ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلُ سَوَاءٌ كَانَا مُحْصَنَيْنِ أَوْ غَيْرَ مُحْصَنَيْنِ .

''صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ فاعل و مفعول دونوں کو قتل کیا جائے گا، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔''

(السّياسة الشّرعيّة، ص 84)

سوال: درج ذیل عبارت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”(ذکاۃ الجنین والی حدیث میں) جمہور کے نزدیک تو ظاہری معنی مراد ہیں۔ پس ان کے نزدیک اگر گائے ذبح کی جائے اور اس کے شکم کے اندر سے بچہ نکلے، تو اس کے ذبح کرنے کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ”جنین کا ذبح کرنا اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے۔“ یعنی ماں کا ذبح کرنا کافی ہے، بچہ کے جدا ذبح کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اور امام صاحب (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ بچہ کے ذبح کرنے کا بھی وہی طریق ہے، جو خود اس ماں کے ذبح کرنے کا طریق ہے۔ کوئی نیا طریقہ بچہ کے ذبح کرنے کا نہیں ہے۔“

(تقریر ترمذی، ص438)

جواب: اگر کسی حاملہ جانور کو ذبح کیا جائے، تو اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے، اسے الگ سے ذبح کرنے کی حاجت نہیں اور اگر وہ بچہ کھانے کے لائق ہو، تو اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے مقلدین کے نزدیک ایسے بچے کا کھانا حرام ہے، ان کے نزدیک جانور کے ذبح ہونے سے پیٹ کا بچہ ذبح نہیں ہوگا، اسے کھانا ناجائز ہے۔

یہ موقف صحیح حدیث، اجماعِ امت اور فہم محدثین کے خلاف ہے۔ یہ بے اصل اور بے دلیل بات ہے۔

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ .

”جانور کے ذبح ہونے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 39/3، سنن الدّارقُطني : 274/4، السّنن الكبرٰى للبَيْهقي : 335/9، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۹۰۰) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۸۸۹) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❁ حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(مُختصر السّنن : 120/4)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(المَجموع : 562/2)

❁ نیز ”حسن“ بھی کہا ہے۔

(تهذيب الأسماء واللّغات : 111/3)

❁ علامہ غزالی اور امام الحرمین جوینی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(التّلخيص الحبير لابن حَجر : 157/4)

❁ علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

(التّلخيص الحبير لابن حَجر : 157/4)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَقُّ أَنَّ فِيهَا مَا تَنْتَهِضُ بِهِ الْحُجَّةُ .

”حق بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حجت پکڑنا جائز ہے۔“

(التّلخيص الحَبير : 157/4)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِذَا نُحِرَتِ النَّاقَةُ فَذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِهَا فِي ذَكَاتِهَا، إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، نَبَتَ شَعَرُهُ.

''جب اونٹنی کو ذبح کیا جائے، تو اس کے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے، اگر اس کی تخلیق مکمل ہو گئی ہو اور جسم پر بال اُگ آئے ہوں۔''

(مؤطأ الإمام مالك : 490/2، وسندهٗ صحيحٌ)

اس صحیح حدیث اور اثر سے ثابت ہوا کہ اگر بکری، گائے، اونٹنی وغیرہ کو ذبح کیا جائے، تو اس کے پیٹ میں جو بچہ ہوگا، وہ بھی ذبح ہو جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ یہ اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہے۔

❁ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَا يُعَوَّلُ عَلٰى مَا خَالَفَهُ، وَلِأَنَّ الْجَنِينَ مُتَّصِلٌ بِهَا اتِّصَالَ خِلْقَةٍ، يَتَغَذّٰى بِغِذَائِهَا، فَتَكُونُ ذَكَاتُهُ ذَكَاتَهَا، كَأَعْضَائِهَا، وَلِأَنَّ الذَّكَاةَ فِي الْحَيَوَانِ تَخْتَلِفُ عَلٰى حَسَبِ الْإِمْكَانِ فِيهِ وَالْقُدْرَةِ، بِدَلِيلِ الصَّيْدِ الْمُمْتَنِعِ وَالْمَقْدُورِ عَلَيْهِ وَالْمُتَرَدِّيَةِ، وَالْجَنِينُ لَا يُتَوَصَّلُ إِلٰى ذَبْحِهٖ بِأَكْثَرَ مِنْ ذَبْحِ أُمِّهٖ، فَيَكُونُ ذَكَاةً لَهُ.

''صحابہ کرام اور بعد والے اہل علم کا اجماع ہے (کہ ماں کے ذبح ہونے سے

اس کے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے)، لہٰذا اس کے خلاف کسی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ تخلیقی حوالے سے متصل ہوتا ہے، اسی کی غذا سے وہ غذا پاتا ہے۔ یوں ماں کے ذبح ہونے سے اس کے دوسرے اعضاء کی طرح وہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جانوروں میں ذبح کا طریقہ امکان و قدرت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شکار کو زندہ پکڑنے پر انسان قادر نہ ہو اور جس کو زندہ پکڑ لینے پر قادر ہو اور کنویں وغیرہ میں گر گیا ہو، ان کو ذبح کا طریقہ الگ الگ ہے۔ اسی طرح پیٹ کے بچے کو صرف اسی طرح ذبح کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر دیا جائے۔ یوں اس کی ماں کو ذبح کرنے سے وہ بھی ذبح ہو جائے گا۔''

(المُغني: 401/9)

❁ نیز امام ابن منذر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ عَلٰى إِبَاحَتِهٖ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْهُمْ خَالَفَ مَا قَالُوا إِلٰى أَنْ جَاءَ النُّعْمَانُ، فَقَالَ: لَا يَحِلُّ، لِأَنَّ ذَكَاةَ نَفْسٍ لَّا تَكُونُ ذَكَاةَ نَفْسَيْنِ.

''لوگ (صحابہ و تابعین اور اہل علم) اس (جانور کے پیٹ کے بچے) کو حلال ہی سمجھتے تھے۔ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے صحابہ و تابعین اور اہل علم کی اس بات میں مخالفت کی ہو، حتی کہ نعمان (امام ابوحنیفہ) آئے اور کہا کہ یہ حلال نہیں، (اور یہ عقلی دلیل دی) کہ ایک جان کو ذبح کرنے سے دو جانیں

ذبح نہیں ہوتیں۔‘‘

(المُغني : 401/9)

❁ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

بِالْجُمْلَةِ فَقَوْلُ مَنْ قَالَ بِمُوَافَقَةِ الْحَدِيثِ أَقْوٰی.

’’الحاصل جس کا قول حدیث کے موافق ہے، وہی زیادہ قوی ہے۔‘‘

(التّعليق المُمجّد : 287)

بعض احناف نے اس صحیح حدیث کو اپنے مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور کہہ دیا ہے کہ اس حدیث میں ذَكَاةُ أُمِّهٖ کو ذَكَاةَ أُمِّهٖ یعنی زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا، یوں اس کا معنی یہ ہوگا کہ بچے کو بھی اس کی ماں کی طرح ذبح کیا جائے۔ یہ ایسی غلط تاویل ہے، جو صحابہ وتابعین اور محدثین کرام کے متفقہ فہم کے خلاف ہے۔

❁ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۶۲ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي مُخْتَصَرِهٖ : وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ بَعْضُهُمْ لِغَرَضٍ لَّهٗ : [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةَ أُمِّهٖ]، بِنَصْبِ [ذَكَاة] الثَّانِيَةِ، لِتُوجِبَ ابْتِدَاءَ الذَّكَاةِ فِيهِ إِذَا خَرَجَ، وَلَا يُكْتَفٰى بِذَكَاةِ أُمِّهٖ، وَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا هُوَ بِالرَّفْعِ، كَمَا هُوَ الْمَحْفُوظُ عَنْ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ، وَأَبْطَلَهٗ بَعْضُهُمْ بِقَوْلِهٖ : «فَإِنَّ ذَكَاتَهٗ ذَكَاةُ أُمِّهٖ»، لِأَنَّهٗ تَعْلِيلٌ لِّإِبَاحَتِهٖ، مِنْ غَيْرِ إِحْدَاثِ ذَكَاةٍ.

’’علامہ منذری رحمہ اللہ نے ’’مختصر السنن‘‘ میں فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے

خاص مقصد کے تحت اس حدیث کو دوسرے لفظ ذَكَاةَ کے نصب کے ساتھ [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةَ أُمِّهٖ] نقل کیا ہے، تاکہ اس حدیث سے بچے کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسے دوبارہ ذبح کرنا ضروری قرار دیا جائے اور اس کی ماں کے ذبح ہونے کو اس کے لیے کافی نہ سمجھا جا سکے۔ لیکن یہ فضول حرکت ہے۔ یہ حدیث لفظِ ذَكَاة کے رفع کے ساتھ ہی ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث سے ثابت ہے۔ بعض محدثین کرام نے اس بات کا ردّ حدیث میں موجود ان الفاظ سے کیا ہے: «فَإِنَّ ذَكَاتَهٗ ذَكَاةُ أُمِّهٖ»، کیونکہ یہ الفاظ تو بغیر ذبح کیے جانے والے بچے کے حلال ہونے کی علت کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔‘‘

(نصب الرّاية : 4/191-192)

✿ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّ الْمَحْفُوظَ عَنْ أَئِمَّةِ الشَّأْنِ الرَّفْعُ، صَرَّحَ بِهِ الْمُنْذِرِيُّ.

’’یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ ائمہ حدیث سے رفع ہی منقول ہے۔ علامہ منذری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے۔‘‘

(التّعليق المُمجّد ص 287)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۱۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بغیر رجوع کے دوسری یا تیسری طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: عدت کے اندر اندر دوسری یا تیسری طلاق کے لیے رجوع کرنا ضروری نہیں، اگر کوئی عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے دوسری یا تیسری طلاق دے دے، تو وہ واقع ہو جاتی ہے، اس پر اجماع ہے، کیونکہ طلاق رجعی میں مطلقہ اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، البتہ عدت گزر جائے، تو وہ اس کی بیوی نہیں رہتی، لہٰذا اس اسے رجوع یا طلاق کا اختیار نہیں، تا آنکہ وہ شرعی شرائط کے ساتھ دوبارہ اس کی بیوی بن جائے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ دوسری یا تیسری طلاق کے لیے پہلے رجوع کرنا ضروری ہے، یہ بے دلیل مؤقف ہے، جو اجماع کے خلاف ہے، جو مؤقف اجماع کے خلاف ہو، وہ مرجوح ہوتا ہے۔

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقُوا أَنَّهٗ إِنْ اَتْبَعَ الطَّلْقَةَ الَّتِي ذَكَرْنَا لِلَّتِي وَطِئَهَا طَلْقَةً ثَانِيَةً بَعْدَ الْأُولٰى وَقَبْلَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا أَنَّهَا أَيْضًا لَازِمَةٌ لَهٗ ...... وَاتَّفَقُوا إِنْ لَّمْ يُتْبِعِ الطَّلْقَةَ الْأُولٰى ثَانِيَةً أَوْ لَمْ يُتْبِعِ الثَّانِيَةَ ثَالِثَةً أَنَّ لَهٗ ذٰلِكَ .

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر شوہر اپنی اس مطلقہ کہ جس سے اس نے خلوت صحیحہ اختیار کر لی، کو پہلی طلاق کے بعد عدت گزرنے سے پہلے پہلے دوسری طلاق دیتا ہے، تو وہ طلاق بھی اسے لازم ہو جائے گی۔......اس پر بھی اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی پہلی طلاق کے بعد دوسری طلاق یا دوسری طلاق کے بعد تیسری طلاق نہیں دیتا، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔“

(مَراتِب الإجماع، ص 72)

❀ علامہ ابن رشد قرطبی رحمہ اللہ (۵۹۵ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُمُ اتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ الطَّلَاقَ يَقَعُ عَلَى النِّسَاءِ اللَّاتِي فِي عِصْمَةِ أَزْوَاجِهِنَّ، أَوْ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ فِي الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ.

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو عورتیں اپنے شوہروں کی نکاح میں ہیں، یا طلاق رجعی کی عدت میں ہیں، انہیں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔“

(بِداية المُجتهد: 103/3)

❀ نیز فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فِي ارْتِدَافِهِ فِي الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ.

”اس میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ طلاق رجعی کے بعد (دوران عدت) طلاق ہو جاتی ہے۔“

(بِداية المُجتهد: 100/3)

احناف، شوافع اور حنابلہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

سوال: درج ذیل استدلال کی کیا حقیقت ہے؟

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى رَجُلًا يُّهَادٰى بَيْنَ ابْنَيْهِ، فَقَالَ : مَا هٰذَا؟ قَالُوا : نَذَرَ أَنْ يَّمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ، فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهٗ، فَأَمَرَهٗ فَرَكِبَ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنے بیٹوں کے سہارے چلتے ہوئے دیکھا، تو پوچھا: یہ کیا؟ انہوں نے کہا: اس نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی ہے، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہے کہ یہ اس نذر کے ذریعے اپنے آپ کو تکلیف پہنچائے۔ چنانچہ آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔''

(صحيح البخاري : 6701، صحيح مسلم : 1642، المنتقٰى لابن الجارود : 939)

❁ سنن ترمذی والی روایت میں آدمی کی جگہ عورت کا ذکر ہے۔

(سنن التّرمذي : 1536)

❁ اس حدیث کے تحت علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بی بی کو پیادہ پا چلنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ ان کا ابتداء سلوک تھا اور ابتداء سلوک میں یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر زیادہ محنت اور مشقت پیش آ جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رہتی۔ اول تو مبتدین کو محبت ہوتی ہی کم ہے، تو پھر مشاق پیش آنے سے رہی سہی بھی فوت ہو جاتی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا امر فرمایا کہ جب سوار ہو کر جائیں گی اور جوں جوں کعبہ مکرمہ قریب ہوتا جائے گا، ان کو محبت الٰہی تعالیٰ بڑھتی جائے گی، پھر جب بالکل اندر کعبہ مکرمہ کے داخل ہو جائیں گی، تو عشق

کی کچھ اور ہی حالت ہو جائے گی۔ ......اور جو لوگ حق تعالیٰ کے عاشق ہیں اور ان کے تمام مقامات سلوک طے ہو چکے ہیں، ان کو عشق کی ایسی بے چینی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے محبوب کی طرف سے جو کچھ مشقتیں پیش آتی ہیں، وہ سب ان کو لذتیں معلوم ہوتی ہیں اور مطلقاً ان کو کراہت نہیں معلوم ہوتی، گو تکلیف ہو، اگر ان سے کہا جائے سو رہو، آرام کرو، تو یہ سونا ان کے حق میں موت معلوم ہو اور النوم اخو الموت نظر آنے لگے اور علمائے ظاہر ان بے چاروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ جس سے عبادت اور ریاضت شدیدہ کا اختیار کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہے اور صوفیہ کرام اس کے مرتکب ہیں۔

اور یہ اعتراض قلت تامل سے پیدا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ صوفیا کرام کو شدت عبادت میں کلفت نہیں ہوتی، بلکہ ایک خاص لطف آتا ہے، جو تمام دنیا و ما فیہا کی لذتوں سے بڑھ کر ہے......۔''

(تقریر ترمذی، ص444-445)

جواب: سلوک گمراہ صوفیا کی باطل اصطلاح ہے، سلوک کے درجات اور مراتب جس طریقہ سے طے کیے جاتے ہیں، وہ طریقہ شریعت کی رو سے جائز نہیں۔ یہ طریقے دراصل شیطانی راستے ہیں، جن پر گمراہ صوفی چل کر مطمئن ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں رب کے قریب ہو رہا ہوں، جبکہ اس کی شیطان سے دوستی گہری ہو رہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہوتی ہے۔

سلوک وغیرہ کے غیر مشروع ہونے کو یہی کافی ہے کہ اسلاف اُمت کی زندگیوں میں

ان اصطلاحات کا نام تک نہیں ملتا اور نہ وہ ایسے طریقوں کو اختیار کرتے تھے، حالانکہ وہ دین کو سب سے بہتر جاننے والے ہیں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

تھانوی صاحب نے ظلم یہ ڈھایا کہ اس گمراہی پر مبنی سلوک کو ایک صحابیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

ایسی مشقت اور کلفت جو شارع کا مطلوب ہو، اسے برداشت کرنا ایمان ہے، جیسے گرمیوں میں روزہ رکھنا مشقت کا کام ہے، ایک خاص حد تک یہ مشقت برداشت کرنا یقیناً ایمان کی علامت ہے اور لذت کا کام ہے۔ اسی طرح پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی باجماعت نماز پڑھنا عزیمت ہے، اس میں نمازی کو لذت بھی آتی ہے، مگر جو مشقتیں صوفیا اپنے اوپر عائد کرتے ہیں، وہ شارع کی طرف سے نہیں، یہ محض نفس پر بوجھ ڈالنے والی بات ہے، بلکہ اگر اسے رب تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا جائے اور ایک غلط نظریہ کی بنیاد پر برداشت کیا جائے، تو یہ دین داری نہیں، بلکہ دین بیزاری ہے کہ شریعت نے جس چیز کا مکلّف ہی نہیں بنایا یا اس میں ثواب ہی نہیں رکھا، اسے ثواب سمجھنا اور اس پر حد سے زیادہ مشقت برداشت کرنا کہاں کا تقویٰ ہے؟ پھر صوفیا کئی ایسے اُمور سرانجام دیتے ہیں، جو شریعت کی نظر میں ناجائز اور حرام ہیں، بعض اُمور بدعت اور بعض شرک تک ہیں، ان اُمور کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا بذات خود جرم ہے اور یہ جرم یہود ونصاریٰ سے مستعار ہے، ایسے جرم کو صوفیا سلوک کے مختلف درجات میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

حدیث بالا میں اس عورت نے اپنے آپ ایسی با مشقت نذر کو عائد کر دیا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے طلب نہیں کی۔ نبی کریم ﷺ نے ایسی مشقت سے بھرپور نذر ماننے اور اسے پورا کرنے سے منع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نذر سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں

کہ اس کے بندے اس طرح کی مشقت میں پڑیں۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ مِّنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا .

''لوگو! حسب استطاعت عمل کرتے رہو، اللہ نہیں اکتاتا، آپ ہی اکتا جاتے ہو۔''

(صحيح البخاري :5861، صحيح مسلم : 782)

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے ہاں تشریف لائے۔ گھر میں ایک خاتون کو دیکھا، تو پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کیا: ایک عورت ہے، نفل ادا کرتی رہتی ہے، سوتی نہیں۔ فرمایا:

عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا .

''حسب استطاعت عمل کیا کریں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ (اجر وثواب عطا کرتے) نہیں تھکتا، البتہ آپ (عمل کرتے) تھک جائیں گے۔''

(صحيح البخاري : 43، صحيح مسلم : 785)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ، إِلَّا غَلَبَهٗ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ .

''دین آسان ہے، جو دین میں سختی کرے گا، بالآخر تھک ہار جائے گا۔ میانہ روی اختیار کریں، اسلام کے قریب رہیں اور خوش خبریاں سنائیں، دن کے پہلے پہر، آخری پہر اور رات کے کچھ وقت کی عبادت کے ذریعے مدد طلب کریں۔''

(صحیح البخاري : 39)

جب نذر کی صورت میں بامشقت عمل سے منع کر دیا گیا، تو عام حالات میں نفلی عبادات میں حددرجہ کی مشقت کی اجازت کہاں؟

سوال: کیا ایک بکرے کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے؟

جواب: ایک بکرا، بکری، دنبہ اور بھیڑ کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے، البتہ بڑے جانور کا ایک حصہ ایک ہی شخص کو کفایت کرتا ہے۔ نیز چھوٹے جانور میں گھر والوں کے علاوہ شراکت جائز نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے دنبے کی قربانی کی اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ .

''اللہ کے نام کے ساتھ (ذبح کرتا ہوں)، اے اللہ! (یہ قربانی) محمد (ﷺ) آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔''

(صحیح مسلم : 1967)

حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ایک دنبہ یا بکرا تمام اہل خانہ کی طرف سے ذبح کیا جا سکتا ہے، سب کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ جَمَاعَةٌ مِّنْ أَصْحَابِنَا بَلْ كُلُّهُمْ : اَلْأُضْحِيَّةُ سُنَّةٌ عَلَى الْكِفَايَةِ فِي حَقِّ كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ، فَإِذَا ضَحّٰى وَاحِدٌ مِّنْهُمْ حَصَلَ الشِّعَارُ وَالسُّنَّةُ لِجَمِيعِهِمْ .

''ہمارے شوافع اصحاب کی ایک جماعت بلکہ تمام شوافع کہتے ہیں کہ (بکرا یا

دنبہ کی) قربانی تمام اہل خانہ کے لیے سنت کفایہ ہے، جب گھر کا ایک فرد قربانی کر دے، تو تمام گھر والوں کو قربانی کا شعار اور سنت حاصل ہو جاتی ہے۔''

(الأذكار، ص 246)

❁ سیدنا عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل خانہ کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے۔''

(الآحاد والمَثاني لابن أبي عاصم : 679، المُستدرك للحاكم : 456/3، 229/4 واللّفظ لهٗ، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 268/9، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری (۷۲۱۰) میں موقوفا بھی مروی ہے۔

❁ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا:

كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا فِيكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قربانی کیسی تھی؟'' فرمایا:

كَانَ الرَّجُلُ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ، ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَ كَمَا تَرٰى .

''عہد نبوی میں ایک بکری کی قربانی تمام اہل خانہ کی طرف سے کی جاتی تھی، وہ

خود بھی گوشت کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے، بعد ازاں لوگ (قربانی کرنے میں) باہم فخر ومباہات کرنے لگے، حالت آپ کے سامنے ہے۔“

(موطّأ الإمام مالك : 486/2، سنن التّرمذي : 1505، سنن ابن ماجه : 3147، واللّفظ لهٗ، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 268/9، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

❁ علامہ محمود حسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”جواب یہ ہے کہ وہاں ایصال ثواب ہوتا تھا، نہ کہ شرکت فی الحصہ۔“

(تقریر ترمذی، ص162)

علامہ محمود حسن صاحب کی یہ تاویل ناجائز ہے۔ احادیث کے الفاظ اس تاویل کا رد کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان صریح احادیث کو حقیقت پر محمول کرنے میں احناف کو کیا تامل ہے۔ بڑے جانور میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، اس بارے میں کوئی یہ نہیں کہتا کہ اتنے لوگوں کی قربانی ہوئی ہے اور اتنے لوگ ثواب میں شریک ہیں یا حصے میں شرکت ہے۔

جب بڑے جانور میں یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ سات افراد قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں، تو نصوص کی بنا پر چھوٹے جانور کے متعلق یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ایک بکری کی قربانی میں سارے گھر والے شریک ہو سکتے ہیں؟؟

❁ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۶۲ھ) فرماتے ہیں:

يُشْكِلُ عَلَى الْمَذْهَبِ أَيْضًا فِي مَنْعِهِمُ الشَّاةَ لِأَكْثَرَ مِنْ وَاحِدٍ، بِالْأَحَادِيثِ الْمُتَقَدِّمَةِ .

”مذکورہ احادیث کی وجہ سے مذہب حنفی پر یہ مسئلہ بھی بہت مشکل ہے کہ جو وہ ایک بکری کی قربانی کو ایک سے زائد افراد (خانہ) کی طرف سے منع کرتے ہیں۔“

(نصب الرّاية : 210/4)

امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ كُلُّهَا صَحِيحَةُ الْأَسَانِيدِ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْأُضْحِيَّةِ بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنِ الْجَمَاعَةِ الَّتِي لَا يُحْصٰى عَدَدُهُمْ خِلَافَ مَنْ يَتَوَهَّمُ أَنَّهَا لَا تُجْزِئُ إِلَّا عَنِ الْوَاحِدِ .

”یہ تمام صحیح الاسناد احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک بکری کی قربانی بے شمار افراد (خانہ) کی طرف سے کرنے کی رخصت ہے۔ ان کے برعکس بعض کا کہنا ہے کہ بکری کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے۔“

(المُستدرك على الصّحيحَين، تحت الرّقم : 7555)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْأَحَادِيثُ الْمُتَقَدِّمَةُ فِي جَوَازِ الْأُضْحِيَّةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ .

”مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی میں کفایت کرتی ہے۔“

(التّنبيه على مشكلات الهداية : 767/5)

محمد بن حسن شیبانی حنفی بیان کرتے ہیں:

كَانَ الرَّجُلُ يَكُونُ مُحْتَاجًا فَيَذْبَحُ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ يُضَحِّي بِهَا عَنْ نَفْسِهِ، فَيَأْكُلُ وِيُطْعِمُ أَهْلَهُ، فَأَمَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ تُذْبَحُ عَنِ

اثْنَيْنِ أَوْ ثَلاثَةٍ أُضْحِيَةً، فَهٰذَا لَا يُجْزِئُ، وَلَا يَجُوزُ شَاةٌ إِلَّا عَنِ الْوَاحِدِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا .

”دراصل آدمی محتاج اور ضرورت مند ہوا کرتا تھا، لہٰذا وہ ایک ہی بکری ذبح کرتا اور صرف اپنی طرف سے قربانی کر لیتا، خود بھی کھاتا اور گھر والوں کو بھی کھلاتا تھا۔ رہا ایک ہی بکری کا دو یا تین افراد کی طرف سے بطور قربانی ذبح کرنا، تو یہ کفایت نہیں کرتا۔ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے، یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے اکثر حنفی فقہا کا مذہب ہے۔“

(موطأ محمد، ص)

جب واضح نص آ چکی ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف کفایت کر جاتی ہے، پھر بغیر دلیل اس کی تاویل کرنا درست نہیں۔ یہ کہنا کہ آدمی محتاج ہوتا تھا، تب ایک بکری قربانی میں ذبح کرتا اور گھر والوں کو گوشت کھلا دیتا تھا، یہ بے دلیل دعویٰ ہے۔ اس طرح کی تاویلات کا صدور کسی صاحب علم سے ممکن نہیں۔ علم کا ادب ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ محدثین عظام کا مسلک و مذہب یہ ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں، محض بے دلیل دعاوی ہیں یا تاویلات باردہ اور بعیدہ ہیں، علمی دنیا میں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

❀ علامہ امیر کاتب بن امیر عمر اتقانی حنفی رحمہ اللہ (۷۵۸ھ) لکھتے ہیں:

اَلشَّاةُ لَا تُجْزِئُ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ إِجْمَاعًا .

”اس پر اجماع ہے کہ ایک بکری صرف ایک آدمی کو ہی کفایت کرتی ہے۔“

(غاية البيان : 315/15)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا سَاقِطٌ بِمَرَّةٍ؛ لِأَنَّا ذَكَرْنَا أَحَادِيث تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الشَّاةَ تَجُوزُ عَنْ أَكْثَرِ مِنْ وَاحِدٍ، وَذَكَرْنَا أَنَّهٗ مَذْهَبُ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ، فَكَيْفَ يُقَالُ : إِنَّ الْإِجْمَاعَ دَلَّ عَلٰى أَنَّ الشَّاةَ لَا تَجُوزُ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ؟!

''یہ دعویٰ اجماع بالکل ساقط ہے، کیونکہ ہم نے کئی احادیث ذکر کردی ہیں، جو دلالت کرتی ہیں کہ ایک بکری ایک سے زائد افراد (خانہ) کی طرف سے (قربانی میں) کفایت کرتی ہے، ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب ہے، تو اس کے باوجود یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اجماع دلیل ہے کہ ایک بکری (کی قربانی) صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کفایت کرتی ہے؟!''

(البِناية شرح الهداية : 18/12)

تنبیہ:

❁ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

لَا نَصَّ فِي الشَّاةِ، فَبَقِيَ عَلٰى أَصْلِ الْقِيَاسِ .

''بکری کے بارے میں کوئی نص نہیں (کہ وہ ایک سے زائد افراد کی طرف سے قربانی میں کفایت کرتی ہے۔) لہٰذا یہ مسئلہ اصل قیاس پر باقی رہا۔''

(الهِداية : 356/4)

یقیناً ایک بکری کی قربانی میں ایک سے زائد افراد شریک نہیں ہو سکتے، مگر اس پر نصوص

وارد ہیں کہ ایک بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ قیاس کی وجہ سے ان نصوص کو ٹھکرانا، جن میں ایک بکری کی قربانی کا تمام اہل خانہ کی طرف سے کفایت کرنا ثابت ہوتا ہے، بالکل باطل ہے، کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس قبول نہیں۔

علمائے احناف نے وہ حدیثیں جن میں اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے، کی باطل تاویلیں کی ہیں، جو کہ مسلک محدثین کے خلاف ہیں۔ جماعت محدثین کے علم وعمل کے خلاف کوئی بھی دلیل مسموع نہیں۔

سوال: سورت حج میں کتنے سجدے ہیں؟

جواب: سورت حج میں دو سجدے ہیں۔ اس پر صحابہ کے قوی آثار موجود ہیں۔

✿ مفتی تقی عثمانی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''امام شافعی رحمہ اللہ اپنی تائید میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پیش کرتے ہیں، جن میں (سورت حج کے) دوسرے سجدہ کا ثبوت ہے۔ صاحب فتح ملہم کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر آدمی نماز سے باہر ہو، تو اسے دوسرے مقام پر سجدہ کر لینا چاہیے اور اگر نماز میں ہو، تو اس آیت پر رکوع کر دینا چاہیے اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینی چاہیے، تا کہ اس کا عمل تمام ائمہ کے مطابق ہو کر باتفاق سجدہ ادا ہو جائے۔''

(درس ترمذی، جلد دوم، ص 265-266)

تھانوی صاحب کی بات محل نظر ہے، جب نماز میں سجدہ تلاوت جائز ہے اور سورت حج کے دوسرے سجدے کا ثبوت ہے، تو سورت حج کا دوسرا سجدہ نماز میں کرنے میں کیا حرج؟ تھانوی صاحب نے گنجائش نکال کر رکوع میں ہی سجدہ کی نیت کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ

سمجھ سے بالا ہے۔

سوال: نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: عقیدہ اور عمل کی درستی کی جائے، سنت سے محبت اور اس کا اتباع کیا جائے، تو ممکن ہے کہ یہ سعادت حاصل ہو جائے۔

البتہ اس حوالہ سے کوئی خاص طریقہ شرع میں وارد نہیں ہوا۔

علامہ حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے دو طریقے بتائے ہیں۔

(تقریر ترمذی، ص354)

مدنی صاحب کے ذکر کردہ دونوں طریقے بے دلیل ہیں۔ کوئی عمل ہے، اسے رب کی رضا کے لیے سرانجام دینا چاہیے، اس کے ضمن میں کئی سعادتیں حاصل ہو سکتی ہیں، کوئی عمل بطور خاص اس لیے سرانجام دینا کہ نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہو گی، شرع میں مذکور نہیں، ورنہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مسلمین ضرور ایسا کرتے۔

سوال: کیا قرآن کریم کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کیا جا سکتا ہے؟

جواب: قرآن کریم کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے، مگر اس میں کچھ شروط وضوابط ہیں؛

① مترجم عربیت سے پوری طرح واقف ہو۔

② اسلاف اُمت کی تفاسیر پر مطلع ہو، تاکہ ترجمہ کرتے وقت تاویل یا تحریف سے محفوظ رہے۔

③ جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، اس میں بھی کامل مہارت رکھتا ہو۔

قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا حق صرف اور صرف اس شخص کو حاصل ہے، جو پوری طرح مسلک اہل سنت والجماعت کا متبع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

الْقُرْآنُ يَجُوزُ تَرْجَمَةُ مَعَانِيهِ لِمَنْ لَا يَعْرِفُ الْعَرَبِيَّةَ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''جو (عوام) عربی زبان سے واقف نہیں، ان کے لیے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا جائز ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(الجواب الصّحيح : 55/2)

سوال: بعض اہل بدعت اپنے علما کو ''شیخ الاسلام'' کا لقب دیتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: ''شیخ الاسلام'' انتہائی معزز و معظم لقب ہے، جو ہر ایک کو نہیں مل سکتا۔ اس لقب کا استحقاق صرف اسے حاصل ہوگا، جو ائمہ اہل سنت والجماعت کے عقائد و اعمال کا علمبردار ہو، کمال معرفت و علم رکھتا ہو، اہل باطل، اہل ضلال اور اہل الحاد کا بھرپور رد کرنا جانتا ہو۔ تمام علوم شرعیہ پر کامل دسترس رکھتا ہو۔

اہل بدعت اپنے علما کو یہ لقب دیتے ہیں، جو کہ قطعاً نامناسب ہے، یہ محض مبالغہ آمیزی ہے۔ بھلا کوئی اشعری، ماتریدی، مرجئ، جہمی اور تقلیدی ''شیخ الاسلام'' ہوسکتا ہے؟

جو مسلک محدثین سے کوسوں دور اور ان کے علم و برکت سے محروم ہو، جو قرآن کریم اور حدیث کی نصوص کو اپنی مرضی کا معنی پہناتا ہو، جو کہ واضح تحریف ہے، سند کے علم سے ناواقف ہو، محدثین عظام سے مناقشہ کرتا ہو، سرتا سر تقلید کی جہالت میں ڈوبا ہوا ہو، بلکہ تقلید کو شرعی دیتا ہو اور اس کے ثبوت پر کتابیں لکھتا ہو، بھلا وہ ''شیخ الاسلام'' ہوسکتا ہے؟

مسلمانوں کو چاہیے کہ القاب میں افراط وتفریط سے بچیں کہ غلو پہلی قوموں کی ہلاکت کا باعث بنا ہے۔ اہل سنت والجماعت ہر معاملہ میں توسط اور اعتدال پایا جاتا ہے، وہ کسی کے بارے میں رائے دینے میں علم وعدل کا دامن نہیں چھوڑتے۔ اس حوالہ سے جہالت اور ظلم سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

اُمت بالاتفاق ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو ''شیخ الاسلام'' مانتی ہے، کیونکہ آپ رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے امام ہیں۔

سوال: کیا نماز میں سلام پھیرتے وقت فرشتوں پر سلام کی نیت کی جائے گی؟

جواب: نماز میں سلام پھیرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اس میں فرشتوں پر سلام کرنے کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ یہ سلام تحیہ نہیں، بلکہ نماز سے نکلنے کے لیے ایک مشروع عمل ہے۔

سوال: بعض مقلدین مرد وزن کی نماز کے بعض طریقوں میں فرق بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے گی، کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ ساتر (پردہ) ہے، اسی طرح تشہد میں سرین کے بَل بیٹھے گی، کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ ساتر ہے، سینے پر ہاتھ باندھے گی، کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ ساتر ہے، رفع الیدین چھاتیوں کے برابر کرے گی کہ اس کے لیے زیادہ ساتر ہے وغیرہ وغیرہ۔

زیادہ ساتر والی بات کی کیا شرعی حیثیت ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اور صحابیات کو نماز سکھائی ہے۔ نماز کی ادائیگی کے طریقہ میں مرد اور عورتیں ایک سے ہیں۔ قرآن وحدیث یا کسی صحابی سے مرد اور عورت کے طریقہ نماز میں فرق ثابت نہیں۔

یہ کہنا کہ فلاں عمل عورت کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہے، درست نہیں، کیونکہ عبادت میں اتباع ہے، جب نبی کریم ﷺ نے عورت کے لیے الگ طریقہ نماز بیان نہیں فرمایا، تو اپنے طور پر «أَسْتَرُ لَهَا» (یہ عمل عورت کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہے۔) کہنا جائز نہیں اور یہ جسارت ہے اور عقل کو شریعت میں دخیل بنانے کے مترادف ہے۔ یہ بات کہنے کا حق محدثین کو حاصل تھا، انہوں نے یہ بات نہیں کی، لہٰذا ان کے بعد کسی کو یہ بات کہنے کا حق نہیں۔

❀ فرمانِ نبوی ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي .

”میری طرح نماز پڑھیں۔“ (صحيح البخاري: 631)

آپ ﷺ کا یہ فرمان عام ہے۔ ہر مرد و عورت کو شامل ہے۔ کسی صحیح مرفوع یا موقوف روایت سے بھی مرد و عورت کے طریقہ نماز میں فرق ثابت نہیں ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❀ نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے:

لَا تُسَيِّدُونِي فِي الصَّلَاةِ .

”مجھے نماز میں سید (سردار) مت بنائیں۔“

جواب: بے سند اور بے اصل روایت ہے اور بالا جماع جھوٹی ہے۔

❀ حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَصْلَ لَهُ .

”روایت بے اصل ہے۔“

(المَقاصد الحَسنة: 1292)

❀ علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ كَمَا قَالَهُ بَعْضُ مُتَأَخِّرِي الْحُفَّاظِ .

”روایت باطل اور بے اصل ہے، جیسا کہ متاخرین حفاظ نے فرمایا ہے۔“

(أسنى المَطالب :166/1)

سوال: کیا سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”سیدی“ کہنا ثابت ہے؟

جواب: یہ روایت سنن ابی داود (۳۸۸۸) میں آتی ہے۔ سند ضعیف ہے۔ رُباب مجہولۃ الحال ہے۔

سوال: بعض اُصولی فرق کرتے ہیں کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت کیا ہے اور یہ کام بطور شرع یا عبادت کیا ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ فرق درست نہیں۔ یہ فرق کرنے کا حق محدثین عظام کو تھا، انہوں نے نہیں کیا، لہٰذا بعد کے اُصولیوں کا فرق کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی ادا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع کی نیت سے اپنائے، تو وہ ماجور ہوگا، مثال کے طور پر؛

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ پر سواری کی۔ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی نیت سے اونٹ پر سواری کرے گا، تو اجر پائے گا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا، اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کدو کو مرغوب غذا بنا لے، تو اس میں اجر ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی، اگر کوئی سینگی سے علاج کروائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا جذبہ پیش نظر ہو، تو اجر پائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اتباعِ سنت کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

❀ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ، مَاشِيًا وَرَاكِبًا، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے والے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجدِ قبا تشریف لے جایا کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري: 1193)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اتباعِ سنت کے جذبہ سے ایسا کرتے تھے، ان کا مقصود صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی نیت تھی۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنِ ابْنِ عُمَرَ تَحَرٍّ لِّمِثْلِ فِعْلِهٖ، فَإِنَّهٗ قَصَدَ أَنْ يَّفْعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ، فِي نُزُوْلِهٖ وَصَلَاتِهٖ.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس لیے ایسے کاموں کے متلاشی رہتے تھے کہ ان کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع تھا کہ کس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا ہے اور کس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔''

(اقتضاء الصّراط المُستقيم: 330/2)

❀ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سواری پر سوار ہوتے وقت ''بسم اللہ'' پڑھ کر رکاب پر پاؤں رکھا، سواری کی پیٹھ پر بیٹھ کر ''الحمد للہ'' کہہ کر دُعا پڑھی، پھر ہنس دیے، پوچھا گیا:

مَا يُضْحِكُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟

''امیر المومنین! آپ مسکرائے کس لیے ہیں؟''

جواباً فرمایا:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔''

(الدّعاء للطّبراني : 778، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۶۹۷) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (۲۴۸۲) نے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ہنسنا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہنسنے کا باعث بنا اور کوئی وجہ نہیں تھی۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی کریم ﷺ کی اقتدا و اتباع کی نیت سے وہاں وہاں نماز پڑھی اور پڑاؤ ڈالا، جہاں آپ ﷺ نے اتفاقاً نماز پڑھی اور پڑاؤ ڈالا تھا۔

علی ہذا القیاس، جو بھی کام نبی کریم ﷺ نے ضرورت کے تحت کیا، اس میں نبی کریم ﷺ کی محبت میں اتباع کرنا باعث اجر ہے۔

سوال: کیا حاجی نمازوں کے بعد بھی تلبیہ پڑھ سکتا ہے؟

جواب: حاجی فرض اور نفل ہر نماز کے بعد تلبیہ پڑھ سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کثرت سے تلبیہ پڑھتے تھے۔

❁ عبدالملک بن ابی سلیمان عرزمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ عَطَاءً، عَنِ التَّلْبِيَةِ إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يُحْرِمَ، قَالَ : إِنْ شِئْتَ فَفِي دُبُرِ الصَّلَاةِ ....

’’میں نے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے اس شخص کے تلبیہ کے متعلق سوال کیا، جو احرام باندھنے کا ارادہ رکھتا ہے، فرمایا: آپ کی مرضی ہے، چاہیں تو نماز کے بعد (تلبیہ کہہ کر) احرام کی نیت کر لیں......۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 3/131، وسندهٗ حسنٌ)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۲۰)

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

سوال: کیا سیدنا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

جواب: حیات خضر علیہ السلام پر کوئی دلیل نہیں۔ اس متعلق ساری کی ساری احادیث ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

❁ حافظ ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ (۶۳۳ھ) فرماتے ہیں:

جَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي حَيَاتِهٖ لَا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ النَّقْلِ .

”سیدنا خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے متعلق جتنی روایات مروی ہیں، ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں، اس پر محدثین کا اتفاق ہے۔“

(الزّهر النّضر لابن حجر، ص 80، الإصابة لابن حَجَر : 253/2)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

الصَّوَابُ الَّذِي عَلَيْهِ الْمُحَقِّقُونَ أَنَّهٗ مَيِّتٌ وَأَنَّهٗ لَمْ يُدْرِكِ الْإِسْلَامَ وَلَوْ كَانَ مَوْجُودًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَوَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُؤْمِنَ بِهٖ وَيُجَاهِدَ مَعَهٗ كَمَا أَوْجَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى غَيْرِهٖ وَلَكَانَ يَكُونُ فِي مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ .

”درست بات جو محققین اہل علم نے اختیار کی ہے، وہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام فوت

ہو چکے ہیں اور انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، اگر وہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں موجود ہوتے، تو خضر علیہ السلام پر واجب تھا کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام پر واجب کیا تھا۔ نیز (اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے، تو) وہ مکہ اور مدینہ میں سکونت اختیار کرتے۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ : 100/27)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ بِلَالٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ الصَّلَاةَ قَالَ : السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللّٰهُ .

’’سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے اقامت کہتے، تو (نبی کریم ﷺ کو بلانے کے لیے) کہتے: اے نبی! السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے، نماز کا وقت ہو چکا ہے۔‘‘

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 8910)

جواب: سند باطل ہے۔

① عبداللہ بن محمد بن مغیرہ ضعیف، متروک اور منکر الحدیث ہے۔

② مقدام بن داود رعینی ضعیف ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ قیس بن سکن رحمہ اللہ سے مروی ہے:

دَخَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى امْرَأَةٍ فَرَأَى عَلَيْهَا حِرْزًا مِّنَ الْحُمْرَةِ فَقَطَعَهُ قَطْعًا عَنِيفًا ثُمَّ قَالَ : إِنَّ آلَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الشِّرْكِ أَغْنِيَاءُ وَقَالَ : كَانَ مِمَّا حَفِظْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوْلِيَةَ مِنَ الشِّرْكِ .

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس آئے، دیکھا کہ اس نے خسرہ سے بچاؤ کے لیے کوئی شے باندھی ہوئی ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے کاٹ دیا، پھر فرمایا: عبداللہ کے گھر والے شرک سے بے نیاز ہیں، نیز فرمایا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات یاد کی ہے، وہ یہ ہے کہ (شرکیہ) دَم، (نظر بد کے شرکیہ) تعویذات اور تولہ (محبت کا تعویذ) شرک ہے۔''

(المُستدرك للحاكم : 4/217)

جواب: اس کی سند حسن ہے۔

اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

سوال: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر میں تازہ بہ تازہ ہے؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھی قبر میں اسی طرح تازہ ہے، جس طرح دفن کیا گیا تھا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

مَعْلُومٌ بِالضَّرُورَةِ أَنَّ جَسَدَهُ فِي الْأَرْضِ طَرِيٌّ مُطَرًّى .

''یہ بات دین کی بنیادی معلومات میں سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم

مبارک زمین میں تازہ بہ تازہ ہے۔‘‘

(الرّوح، ص 44)

سوال: عذاب قبر کے متعلق سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيْثُهٗ فِي شَأْنِ القَبْرِ بِطُوْلِهٖ فِيْهِ نَكَارَةٌ وَغَرَابَةٌ، يَرْوِيْهِ عَنْ زَاذَانَ، عَنِ الْبَرَاءِ

’’منہال بن عمرو کی عذاب قبر کے متعلق طویل حدیث میں نکارت اور غرابت ہے، جسے انہوں نے زاذان عن البراء کی سند سے بیان کیا ہے۔‘‘

(سِيَر أعلام النُّبلاء: 184/5)

جواب: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عذاب قبر کے متعلق طویل حدیث ہے۔

(الأحاديث الطّوال للطّبراني: 25 المُستدرك للحاكم: 117، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی شرط پر ’’صحیح‘‘ کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

یہ حدیث صحیح ثابت ہے۔اس میں کوئی وجہ نکارت یا غرابت نہیں۔اسے ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے۔ ائمہ محدثین نے اس کی صحت کو ثابت کیا ہے۔ اسے امت نے تلقی بالقبول بخشا ہے اور اسے عذاب قبر، نعمت قبر، منکر و نکیر کے سوال و جواب، قبر میں روح کے لوٹنے وغیرہ پر دلیل بنایا ہے۔

❀ حافظ ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ أَجْمَعَ رُوَاةُ الْأَثَرِ عَلٰى شُهْرَتِهٖ وَاسْتِفَاضَتِهٖ.

''اس حدیث کے مشہور و معروف ہونے پر تمام راویوں کا اجماع ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ لابن تیمیة : 439/5)

لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا اس روایت پر طعن کرنا درست نہیں۔

سوال: یوٹیوب پر دیوبندی عالم مفتی زرولی خان صاحب نے بیان کیا ہے کہ علامہ قدوری حنفی اور امام طبرانی رحمہما اللہ کے مابین مناظرہ ہوا تھا، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ مفتی زرولی خان دیوبندی صاحب کی فاش خطا ہے۔ یہ مناظرہ علامہ ابو الحسین احمد قدوری حنفی اور قاضی ابو طیب طبری رحمہما اللہ کے مابین ہوا ہے۔

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے۔

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک تو اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ سوار کو تین حصے دیے جائیں گے، ایک تو خود اس کا اور دو اس گھوڑے کے۔۔۔۔۔ اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ سوار کو دو حصے دیے جائیں گے، ایک تو خود اس کا اور دوسرا اس کے گھوڑے کا۔''

(تقریر ترمذی، ص 452)

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑے کے لیے دو حصے مقرر کیے ہیں اور اس کے مالک کے لیے ایک حصہ، گویا گھوڑ سوار کو کل تین حصے دیے ہیں، ایک اس کا خود اور دو گھوڑے کے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِهٖ

ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ سَهْمًا لَّهٗ، وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهٖ .

”رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے تین حصے مقرر کیے، ایک حصہ اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔“

(صحيح البخاري : 2863، صحيح مسلم : 1762، المُنتقىٰ لابن الجارود : 1084)

یہ حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح ہے، اس میں تاویل کی بالکل بھی گنجائش نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ قَالُوا : لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ، سَهْمٌ لَهٗ، وَسَهْمَانِ لِفَرَسِهٖ، وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ .

”نبی کریم ﷺ کے صحابہ وغیرہم میں سے اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک بن انس، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، وہ کہتے ہیں: گھوڑ سوار کو تین حصے ملیں گے، ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیادہ کو ایک حصہ ملے گا۔“

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 1554)

امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَعْلَمُ أَحَدًا فِي الْقَدِيمِ وَالْحَدِيثِ خَالَفَ ذٰلِكَ، وَلَا عَدَلَ

عَنِ الْقَوْلِ بِمَا يُثَبِّتُ بِهِ الْأَخْبَارَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا كَانَ عَلَيْهِ جُمْلَةُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي كُلِّ وَقْتٍ، إِلَّا النُّعْمَانَ فَإِنَّهُ خَالَفَ كُلَّ مَا ذَكَرْنَاهُ، فَقَالَ : لَا يُسْهَمُ لِلْفَرَسِ إِلَّا سَهْمًا وَاحِدًا، وَخَالَفَهُ أَصْحَابُهُ فَبَقِي قَوْلُهُ مَهْجُورًا مُخَالِفًا لِلْأَخْبَارِ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ مَنْ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

’’پہلے اور بعد والے اہل علم میں ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس مؤقف کی مخالفت کی ہو، یا اس مؤقف سے انحراف کیا ہو، جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور وہ ہر دور کے تمام اہل علم کا مذہب رہا ہو، سوائے نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے، کیونکہ انہوں نے ہمارے ذکر کردہ تمام دلائل کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ گھوڑے کو ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اپنے شاگردوں نے ان کی مخالفت کی ہے، یوں اس مسئلہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اکیلا قول ہے، جسے چھوڑ دیا گیا ہے اور یہ قول ان روایات کے خلاف ہے، جو ہم نے رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد والے اہل علم (صحابہ و تابعین) سے نقل کی ہیں۔‘‘

(الأوسط: 155/11)

سوال: کیا میت کو غسل دیتے ہوئے وضو کرانا مشروع ہے؟

جواب: میت کو غسل دیتے ہوئے وضو کرانا مستحب ہے۔

❀ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ .

”(سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دیتے وقت) دائیں طرف اور وضو والے اعضا سے شروع کرنا۔“

(صحيح البخاري : 1255، صحيح مسلم : 939، المُنتقٰى لابن الجارود : 519)

❁ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) فرماتے ہیں:

وَضَّئُوهُ مِنْ غَيْرِ مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ، لِأَنَّ الْوُضُوءَ سُنَّةُ الْاِغْتِسَالِ غَيْرَ أَنَّ إِخْرَاجَ الْمَاءِ مِنْهُ مُتَعَذِّرٌ فَيُتْرَكَانِ .

”لوگ میت کو وضو کرائیں گے، البتہ کلی اور ناک میں پانی نہیں چڑھائیں گے، کیونکہ غسل میں وضو مسنون ہے، چونکہ میت (کے ناک اور منہ میں) سے پانی باہر نکالنا ممکن نہیں، اس لیے کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کو ترک کر دیا جائے گا۔“

(الهِداية :88/1)

دیگر علمائے احناف بھی یہی کہتے ہیں۔

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

يُوَضِّئُهُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ .

”میت کو غسل دینے والا شخص میت کو نماز والا وضو کرائے گا۔“

(الأمّ :302/1)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لَمَّا عُزِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِابْنَتِهٖ رُقَيَّةَ امْرَأَةِ

عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُماتِ .

”جب رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی بیٹی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، بیٹیوں کو دفن کرنا (باپ کے لیے آخرت میں) عزت وتکریم کا باعث ہے۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني :366/11، المُعجم الأوسط للطّبراني : 2263)

جواب: روایت سخت ضعیف ہے۔

① عراک بن خالد بن یزید مضطرب الحدیث ہے۔

اس کی متابعت محمد بن عبدالرحمٰن بن طلحہ قرشی ”ضعیف ومتروک“ نے کی ہے۔

② عثمان بن عطاء خراسانی ضعیف ہے۔

③ عطاء بن ابی مسلم خراسانی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيث لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔“

(المَوضوعات : 236/3)

❀ نیز فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ شَيْخَنَا عَبْدَ الْوَهَّابِ بْنَ الْمُبَارَكِ الْأَنْمَاطِيَّ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّهٗ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا شَيْئًا قَطُّ .

”میں نے اپنے شیخ محدث عبد الوہاب بن مبارک انماطی رحمہ اللہ کو سنا، آپ رحمہ اللہ نے اللہ عزوجل کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات بیان نہیں فرمائی۔“

(المَوضوعات: 237/3)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُمَاتِ .

”بیٹیوں کو دفن کرنا (والدین کے لیے آخرت میں) عزت و تکریم کا باعث ہے۔“

(تاريخ بغداد للخطيب: 241/8)

باطل روایت ہے۔

① محمد بن بشر ارطبانی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

② حمید بن حماد ضعیف ہے۔

③ ابو القاسم انس بن محمد بن علی طحان کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”مظلم“ کہا ہے۔

(تلخيص كتاب الموضوعات، ص 344)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ .

”یہ روایت ثابت نہیں۔“

(اللّآلي المَصنوعة: 364/2)

سوال: جس کا ارادہ حج یا عمرہ کرنے کا نہ ہو، کیا وہ بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل

ہوسکتا ہے؟

جواب: احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا اس کے لیے ضروری ہے، جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو، جو حج یا عمرہ نہیں کرنا چاہتا، وہ بغیر احرام بھی مکہ مکرمہ میں داخل ہوسکتا ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، کیونکہ احرام باندھنا حج اور عمرہ کے لیے مشروع ہے، نہ کہ محض مکہ میں داخل ہونے کے لیے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال (مکہ میں) داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھا۔''

(صحیح البخاري: 1846، صحیح مسلم: 1357)

❀ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

''اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ خانہ کعبہ میں بغیر احرام باندھے جانا جائز ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود پہنے ہوئے وہاں داخل ہوئے اور احرام نہیں باندھا۔ اور امام صاحب کے نزدیک بغیر احرام باندھے کعبہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہوگیا تھا۔''

(تقریر ترمذی، ص 474)

❀ مذکورہ حدیث پر سید الفقہاء امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے:

بَابُ دُخُولِ الْحَرَمِ، وَمَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ .

''حرم اور مکہ میں بغیر احرام باندھنے داخل ہونے کا بیان۔''

(صحيح البخاري، قبل الرقم : 1845)

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، لِمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن منازل، اہل یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میقات وہاں کے باشندوں کے لیے بھی ہیں اور دیگر علاقوں کے ان لوگوں کے لیے بھی، جو وہاں سے گزر کر آئیں، یہ (احکام) ان لوگوں کے لیے ہیں، جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

(صحيح البخاري : 1526، صحيح مسلم :1181)

❀ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : «مِمَّنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ» فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ مَنْ أَرَادَ الدُّخُولَ إِلٰى مَكَّةَ لِغَيْرِ حَجٍّ وَلَا عُمْرَةٍ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْإِحْرَامُ .

''فرمان نبوی: ''یہ (احکام) ان لوگوں کے لیے ہیں، جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔'' میں دلیل ہے کہ جو حج اور عمرہ کے بغیر مکہ میں داخل ہونا چاہتا

ہو،اس کے لیے احرام باندھنا واجب نہیں۔''

(الشّافي في شرح مسند الشّافعي: 300/3)

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ لِلْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ فِيمَنْ مَرَّ بِالْمِيقَاتِ لَا يُرِيدُ حَجًّا وَلَا عُمْرَةً أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ الْإِحْرَامُ لِدُخُولِ مَكَّةَ .

''اس حدیث میں صحیح مؤقف کی دلیل ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے اور وہ حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو، تو مکہ میں داخل ہونے کے لیے اس پر احرام باندھنا لازم نہیں۔''

(شرح مسلم: 83/8)

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ مَعَ أُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَأَبُو قَتَادَةَ لَيْسَ بِمُحْرِمٍ فَرَكِبَ فَرَسًا فَصَرَعَ حِمَارَ وَحْشٍ فَأَكَلَ مِنْ لَحْمِهِ وَأَبٰى أَصْحَابُهُ أَنْ يَّأْكُلُوا وَإِنَّهُمْ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَشَرْتُمْ أَوْ قَتَلْتُمْ أَوْ أَصَدْتُمْ قَالُوا : لَا، قَالَ : لَا بَأْسَ بِهٖ كُلُوهُ .

''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند محرم (احرام باندھے ہوئے) صحابہ کے ساتھ تھے، جبکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ خود حالت احرام میں نہیں تھے، انہوں نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جنگلی گدھے کو مار گرایا، آپ نے اس کا گوشت کھایا، مگر آپ کے ساتھیوں نے کھانے سے انکار کر دیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس

کو کھانے کے متعلق)، پوچھا، تو آپ ﷺ نے سوال کیا: آپ نے اشارہ کیا ہو، یا قتل کیا ہو، یا شکار کیا ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! فرمایا: تو اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

(صحيح البخاري : 1824، صحيح مسلم : 1196، المُنتقٰى لابن الجارود : 435)

یہ حدیث نص ہے کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بغیر احرام باندھے حرم مکہ میں داخل ہوئے، اگر بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا ناجائز اور حرام ہوتا، تو نبی کریم ﷺ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پر نکیر فرماتے اور صحابہ بھی انہیں منع کرتے۔

لہٰذا مکہ میں داخل ہوتے وقت حج وعمرہ کے علاوہ احرام باندھنا ضروری نہیں۔

❀ نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِقُدَيْدٍ جَاءَهُ خَبَرٌ مِّنَ الْمَدِينَةِ، فَرَجَعَ فَدَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ سے واپس لوٹے، یہاں تک کہ ابھی قدید مقام پر ہی پہنچے تھے کہ مدینہ سے (فتنے کی) خبر آ گئی، تو آپ رضی اللہ عنہ واپس پلٹ گئے اور بغیر احرام مکہ میں داخل ہو گئے۔''

(موطأ الإمام مالك : 423/1، وسندهٗ صحيحٌ)

بعض کہتے ہیں کہ بغیر احرام کے کوئی بھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتا، خواہ وہ حج وعمرہ کے ارادہ سے داخل ہو یا کسی اور غرض سے۔ یہ بات درست نہیں، بہتر ہے کہ احرام پہن کر حرم مکہ میں داخل ہو، جو شخص حج کا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اس کے لیے ایسا کرنا واجب نہیں، مستحب ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ تَاجِرٌ، وَلَا طَالِبُ حَاجَةٍ، إِلَّا وَهُوَ مُحْرِمٌ.

''کوئی تاجر اور ضروری کام سے آنے والا بغیر احرام حرم مکہ میں داخل نہ ہو۔''

(شرح معاني الآثار للطّحاوي : 4170، وسندهٗ حسنٌ)

❁ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانُوا يُحِبُّونَ أَلَّا يَدْخُلُوا مَكَّةَ إِلَّا مُحْرِمِينَ.

''مسلمان پسند کرتے تھے کہ مکہ میں بغیر احرام کے داخل نہ ہوں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 13520، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ جعفر صادق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ أَبِي وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ إِلٰى أَرْضِهِمَا خَارِجَةً عَنِ الْمَحْرَمِ، ثُمَّ دَخَلَا مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ.

''میرے والد (امام باقر رحمہ اللہ) اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ حرم مکہ سے باہر اپنے زمینوں کی طرف گئے، پھر دونوں بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہوئے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 13527، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ الْحَكَمَ، وَحَمَّادًا، عَنِ الرَّجُلِ يَدْخُلُ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ؟ فَكَرِهَهُ الْحَكَمُ، وَلَمْ يَرَ بِهٖ حَمَّادٌ بَأْسًا.

''میں نے حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان رحمہما اللہ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا، جو بغیر احرام حرم مکہ میں داخل ہوتا ہے، تو حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ نے اس

عمل کو ناپسند خیال کیا، مگر حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ نے اس میں کچھ حرج نہ سمجھا۔"

(مصنّف ابن أبي شيبة : 13522 ، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِهٖ .

"بغیر احرام باندھے حرم میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔"

(مصنّف ابن أبي شيبة : 13528 ، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: رضاعت کب ثابت ہوتی ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

"امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک دو گھونٹ سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، جب تک کہ پانچ گھونٹ نہ پیا جائے اور دلیل ان کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا ہے کہ انزل فی القرآن عشر رضعات معلومات فنسخ ......الخ

اور لفظ معلومات مدرج ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑھایا ہے، قرآن مجید میں نہیں نازل کیا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رضعات تو معروف تھے، کوئی امر مخفی نہ تھا اور سی طرح جو خمس رضعات باقی رکھے گئے یہ بھی معلوم تھے اور معروف تھے مخفی نہ تھے۔ یہ ہے مستدل امام شافعی رحمہ اللہ کا۔

پس ان کے نزدیک قرآن مجید میں ﴿أَرْضَعْنَكُمْ﴾ کے بعد خمس رضعات منسوخ التلاوۃ ہے نہ کہ منسوخ الحکم ......۔ اور امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک چونکہ خمس رضعات قرآن مجید میں موجود نہیں، اس لیے یہ منسوخ التلاوہ بھی اور منسوخ الحکم بھی ہے۔ اور اس حدیث کا امام صاحب یہ جواب

دیتے ہیں کہ یہ بقیہ خمس رضعات بھی منسوخ ہیں اطلاق ارضعنکم سے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔''

(تقریر ترمذی، ص333)

جواب: قرآنِ کریم : ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾(النّساء : ٢٣)

''تمہاری وہ مائیں (بھی تم پر حرام ہیں) جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔'' اور حدیث: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔'' میں یہ بات مطلق بیان ہوئی ہے۔ اس مطلق کی تقیید مندرجہ ذیل روایات نے کر دی ہے کہ مراد کم از کم پانچ دفعہ دودھ پینا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے قرآنِ کریم میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾(الحجّ : ٧٧)

''ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔''

اس آیت میں مطلق سجدہ کرنے، یعنی پیشانی کو زمین پر لگانے کا ذکر ہے، لیکن حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ رکوع ایک ہی ہے اور سجدے دو ہیں۔ بالکل اسی طرح رضاعت کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیے۔

یاد رہے کہ مدتِ رضاعت، یعنی دو سال کے اندر اندر کم از کم پانچ دفعہ سیر ہو کر دودھ پینے سے رضاعت و حرمت ثابت ہوتی ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ .

''ایک یا دو دفعہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔''

(صحیح مسلم : 1450)

❁ دوسری روایت ہے:

لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ .

''ایک یا دو دفعہ پستان منہ میں دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

(صحیح مسلم :1451)

❁ ایک روایت میں ہے:

لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ .

''ایک یا دو دفعہ دودھ پلانا رضاعت ثابت نہیں کرتا۔''

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کیا: یہ میرا رضاعی بھائی ہے، فرمایا: پہچان لیں کہ آپ کے بھائی کون ہیں، رضاعت تب ثابت ہوتی ہے، جب دودھ ہی بچے کی غذا ہوتی ہے۔''

(صحیح البخاري : 2647، صحیح مسلم : 1455)

❁ سیدہ امِ فضل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''بنو عامر بن صَعصَعہ کے ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔''

(صحیح مسلم :1451)

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضْعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُّحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ.

”پہلے قرآنِ مجید میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات (کے بہت قریب) تک قرآنِ کریم میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔“

(صحیح مسلم: 1452)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اگر بچہ پانچ سے کم دفعہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر چہ پانچ دفعہ والی آیت کی قرأت اب قرآنِ کریم میں نہیں ہوتی، لیکن حکم باقی ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پانچ ادنیٰ حد ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

یہ کہنا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا منسوخ ہے اور اسے عموم قرآن نے منسوخ کر دیا ہے، یہ دعویٰ بے دلیل ہے اور بغیر دلیل یہ کہنا بھی نامناسب ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان نسخ کا علم نہ ہو سکا اور بعد والوں کو علم ہو گیا!

سوال: حدیث: اَلْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ. ”ہر بہنے والا خون ناقض وضو ہے۔“ بلحاظ سند کیسی ہے؟

جواب: اس حدیث کی کئی سندیں ہیں، ساری کی ساری ضعیف ہیں۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَهٗ طُرُقٌ لَا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ .

''حدیث: «اَلْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ» کی کئی سندیں ہیں، ان میں سے کوئی سند ثابت نہیں۔''

(التّوضيح : 267/4)

یاد رہے کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اگلی یا پچھلی شرمگاہ سے خون آئے، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال: کیا رسول اللہ ﷺ وضو کے بعد رومال سے اعضا خشک کرتے تھے؟

جواب: نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ .

''نبی کریم ﷺ سے اس باب میں کچھ ثابت نہیں۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 53)

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِعْلُ التَّنْشِيفِ قَدْ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ أَوْجُهٍ، لٰكِنَّ أَسَانِيدَهَا ضَعِيفَةٌ .

''نبی کریم ﷺ کا وضو کے بعد رومال سے اعضا صاف کرنے کا عمل صحابہ کی ایک جماعت نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے، مگر ان روایات کی سندیں ضعیف ہیں۔''

(التّوضيح : 570/2)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۲۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: ایک شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہے، بعد میں کوئی شخص ساتھ مل جائے اور اسے امام بنا لے، تو کیا وہ امام بن سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، وہ امام بن سکتا ہے، اگرچہ اس نے نماز شروع کرنے سے پہلے امامت کی نیت نہ بھی کی ہو۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ إِلٰى سِقَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ مَاءً فَتَوَضَّأَ وُضُوءً ا خَفِيفًا يُقَلِّلُهٗ وَيُخَفِّفُهٗ قَالَ: فَصَنَعْتُ مِثْلَ الَّذِي صَنَعَ فَقُمْتُ عَنْ شِمَالِهٖ فَحَوَّلَنِي عَنْ يَمِينِهٖ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يُصَلِّيَ.

”ایک رات میں اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا، میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اُٹھے اور مشکیزے سے پانی لے کر ہلکا سا وضو کیا۔ انہوں نے آپ کا وضو انتہائی ہلکا اور مختصر بتایا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے بھی ایسے ہی وضو کیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر دیا۔ پھر جتنی اللہ تعالی نے

چاہی، آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔"

(صحيح البخاري : 138، صحيح مسلم : 763، المُنتقٰى لابن الجارود : 10)

❁ اس حدیث کے تحت سید الفقہاء امام بخاری رحمہ اللہ تبویب فرماتے ہیں:

بَابُ إِذَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ، ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ .

"اس بات کا بیان کہ جب کوئی امام امامت کی نیت نہ کرے (اور نماز شروع کر دے) بعد میں لوگ آئیں، تو وہ انہیں (دوران نماز ہی) انہیں امامت شروع کرا دے۔"

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهٖ، وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ أُنَاسٌ يُّصَلُّونَ بِصَلَاتِهٖ .

"رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے، حجرہ کی دیوار چھوٹی دی، چنانچہ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کو دیکھا، تو کچھ لوگ بھی (نماز کے لیے) کھڑے ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں (با جماعت) نماز ادا کرنے لگے۔"

(صحيح البخاري : 729)

نبی کریم ﷺ اپنے حجرے میں نماز تہجد ادا کر رہے تھے، آپ ﷺ نے امامت کی نیت نہ کی تھی، نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ امام بننے کے لیے امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔

❁ علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عِنْدَ زُفَرَ نِيَّةُ الْإِمَامَةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ .

''امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔''

(بدائع الصّنائع :140/1)

سوال: بل میں پیشاب کرنا کیسا ہے؟

جواب: بل میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، یہ انسان کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے، کوئی زہریلی چیز نقصان پہنچا سکتی ہے، اس لیے بل میں پیشاب کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ بلوں میں جنات وغیرہ کا بسیرا ہو، واللہ اعلم!

❁ قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

قَالُوا لِقَتَادَةَ : مَا تَكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ؟ قَالَ : يُقَالُ : إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ .

''لوگوں نے قتادہ رحمہ اللہ سے پوچھا: بل میں پیشاب کرنے میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے کہ ان میں جنات رہتے ہیں۔''

(المُنتقٰی لابن الجارود : 34، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

❁ سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْجُحْرِ .

''کوئی بل (سوراخ) میں پیشاب نہ کرے۔''

(مُسند الإمام أحمد : 82/5، سنن أبي داوٗد : 29، سنن النّسائي : 34)

سند ضعیف ہے۔قتادہ بن دعامہ کا عنعنہ ہے، نیز قتادہ کا سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

سوال: کسی کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟

جواب: کسی کی شرمگاہ یا مخصوص حصہ کو ہاتھ لگانا شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔لباس پہنا ہی اس لیے جاتا ہے، تاکہ جسم کے جن اعضا کو چھپانا واجب ہے، انہیں چھپایا جا سکے۔

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلَا الْمَرْأَةُ إِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ، وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ .

”کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے، اسی طرح کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے، مرد کسی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔“

(صحیح مسلم : 338)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى تَحْرِيمِ لَمْسِ عَوْرَةِ غَيْرِهٖ بِأَيِّ مَوْضِعٍ مِنْ بَدَنِهٖ كَانَ وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ دوسروں کی شرمگاہ کو لگانا جائز نہیں، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(شرح مسلم : 30/4)

سوال: عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والی رطوبت کا کیا حکم ہے؟

جواب: جمہور کے مطابق عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والی رطوبت نجس نہیں، کپڑوں کو لگ جائے، تو دھونا واجب نہیں، البتہ اجتناب بہتر ہے۔

سوال: جن اُمور میں وضو کرنا مستحب ہے، کیا پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں ان اُمور میں تیمّم کیا جا سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں، تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلٰى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى أَبِي الْجَهْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ أَبُو الْجَهْمِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ .

”میں اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ بن یسار رضی اللہ عنہ ابوجہیم بن حارث بن صمّہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ابوجہیم رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بئر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے، ایک آدمی نے آپ کو سلام کہا، آپ نے جواب نہ دیا، حتی کہ دیوار کے پاس آ کر چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ (یعنی تیمّم کر کے جواب دیا)“

(صحيح البخاري : 337، صحيح مسلم : 369، المُنتقٰى لابن الجارود : 127)

سلام کا جواب دینے کے لیے وضو ضروری نہیں، مگر پھر بھی نبی کریم ﷺ نے پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کر کے جواب دیا۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ التَّيَمُّمِ لِلنَّوَافِلِ وَالْفَضَائِلِ كَسُجُودِ التِّلَاوَةِ وَالشُّكْرِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ وَنَحْوِهَا كَمَا يَجُوزُ لِلْفَرَائِضِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً إِلَّا وَجْهًا شَاذًّا مُنْكَرًا لِبَعْضِ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ التَّيَمُّمُ إِلَّا لِلْفَرِيضَةِ وَلَيْسَ هٰذَا الْوَجْهُ بِشَيْءٍ.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ نوافل اور مستحبات جیسے سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، مصحف کو چھونا اور اس طرح کے دیگر اُمور کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے، جیسا کہ فرائض کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے۔ یہ تمام اہل علم کا مذہب ہے، علاوہ اس کے کہ ہمارے اصحاب میں سے ایک شاذ اور منکر رائے ہے، جو کہتے ہیں کہ تیمّم صرف فرض کام کے لیے ہی کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ رائے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔''

(شرح مسلم : 65/4)

سوال: نماز کے لیے جائے نماز بچھانے کے لیے کسی کی مدد لینا کیسا ہے؟

جواب: جائے نماز بچھانے کے لیے کسی کی مدد لینا جائز ہے، اسی طرح سترہ رکھنے اور اُمور کے لیے بھی کسی کی مدد لی جاسکتی ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ يُصَلِّي

إِلَيْهَا يَوْمَ الْعِيدِ .

نبی کریم ﷺ کے لیے (عیدگاہ میں) نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا، جس کی طرف منہ کر کے آپ نماز عید ادا کیا کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 498، صحيح مسلم :501، المُنتقٰى لابن الجارود : 260)

جب کسی سے سترہ رکھوانا جائز ہے، تو جائے نماز بچھوانا بالاولیٰ جائز ہے۔

سوال: ایک شخص منسوخ کام پر عمل کرتا رہا، بعد میں اسے ناسخ کا علم ہوا، اب وہ سابقہ اعمال کا کیا کرے؟

جواب: جب تک اسے ناسخ کا علم نہیں ہوا، وہ مکلّف نہیں تھا، اس نے جو منسوخ کام پر عمل کیا، وہ ادا ہو گیا، علم ہونے کے بعد منسوخ پر عمل نہیں کرے گا، بلکہ ناسخ پر عمل کرے گا۔ اسے قضا دینے کی ضرورت نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَ هُمْ آتٍ، فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الكَعْبَةِ .

''کچھ لوگ قبا بستی میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ پر رات قرآن نازل ہوا ہے، جس میں تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ بھی قبلہ رو ہو جائیں۔ اس وقت ان کے منہ شام کی جانب تھے، (یہ سن کر) وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔''

(صحيح البخاري : 403، صحيح مسلم : 526)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبا میں نماز فجر شام کی طرف منہ کر کے ادا کر رہے تھے، جبکہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا منسوخ ہو چکا تھا اور بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ناسخ تھا، انہیں اس ناسخ کا علم نہیں تھا، دوران نماز ناسخ کا علم ہوا، تو انہوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔ مگر انہوں نے نماز کے اس حصہ کی قضا نہیں کی، جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی تھی، حالانکہ یہ حکم ایک دن پہلے ہی منسوخ ہو چکا تھا۔

معلوم ہوا کہ جو کسی منسوخ حکم پر عمل کرتا رہے، بعد میں ناسخ کا علم ہو، تو اب اسے سابقہ عمل کی قضا دینا لازم نہیں۔ علم ہونے کے بعد ناسخ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

سوال: گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی پالتو بلی اس پر چڑھ گئی، نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز صحیح ہے۔

سوال: کیا لہسن کھانا حرام ہے؟

جواب: لہسن کھانا بالاتفاق حلال ہے۔

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمْ نَعْدُ أَنْ فُتِحَتْ خَيْبَرُ فَوَقَعْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تِلْكَ الْبَقْلَةِ الثُّومِ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ، فَأَكَلْنَا مِنْهَا أَكْلًا شَدِيدًا، ثُمَّ رُحْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ، فَوَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّيحَ فَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْخَبِيثَةِ شَيْئًا، فَلَا يَقْرَبَنَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ النَّاسُ: حُرِّمَتْ، حُرِّمَتْ، فَبَلَغَ ذَاكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَيُّهَا

النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ بِي تَحْرِيمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لِي، وَلٰكِنَّهَا شَجَرَةٌ أَكْرَهُ رِيحَهَا .

”ہم خیبر کی فتح سے فارغ نہیں ہوئے تھی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس پودے یعنی لہسن پر ٹوٹ پڑے، لوگوں کو بھوک لگی تھی، سوانہوں نے خوب لہسن کھایا، پھر ہم مسجد میں گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے بدبو محسوس کی، فرمایا: جس نے اس ناپسندیدہ پودے (لہسن) سے کھایا ہو، وہ ہمارے پاس مسجد میں نہ آئے۔لوگ کہنے لگے: لہسن حرام کردیا گیا، لہسن حرام کردیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر ملی، تو فرمایا: لوگو! میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ شے کو حرام کرنے کا اختیار نہیں، مگر یہ ایسا پودا ہے، جس کی بُو کو میں ناپسند کرتا ہوں“

(صحیح مسلم : 565)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الثَّوْمَ لَيْسَ بِحَرَامٍ وَهُوَ إِجْمَاعُ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ لہسن حرام نہیں ہے، اس پر معتمد اہل علم کا اجماع ہے۔“

(شرح مسلم : 51/5)

سوال: جس بے آباد جگہ پر جنات رہتے ہوں، وہاں بغیر ضرورت جانا کیسا ہے؟

جواب: ایسی جگہیں، جہاں شیطان ہو، وہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے، اشد ضرورت کے بغیر وہاں نہیں جانا چاہیے۔ جان و مال کا تحفظ ضروری ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَرَّسْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَسْتَيْقِظْ

حَتّٰى آذَتْنَا الشَّمْسُ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لِيَأْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ بِرَأْسِ رَاحِلَتِهٖ ثُمَّ يَتَنَحَّ عَنْ هٰذَا الْمَنْزِلِ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلّٰى .

''ہم نے رات کے آخری حصے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑاؤ کیا، سورج کی تپش نے ہی ہمیں بیدار کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر شخص اپنے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اس جگہ سے کوچ کر جائے۔ پھر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور دو رکعت نماز (سنت) ادا کی، پھر اقامت کہی گئی اور فرض نماز ادا کی۔''

(صحیح مسلم: 310/680، المُنتقٰی لابن الجارود: 240)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ اجْتِنَابِ مَوَاضِعِ الشَّيْطَانِ .

''یہ حدیث دلیل ہے کہ شیطانی جگہوں پر جانے سے گریز کرنا مستحب ہے۔''

(شرح مسلم: 183/5)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن ہیں اور ہمارے نبی محمد کریم ﷺ ''حبیب الرحمٰن'' ہیں۔ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: خُلت محبت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنا خلیل بنایا ہے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو بھی خلیل بنایا ہے۔ خلیل کا درجہ حبیب سے زیادہ ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ کو ''خلیل الرحمٰن'' کہنا چاہیے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ''حبیب الرحمٰن'' کہنے سے ''خلیل الرحمٰن'' کہنے کی نفی نہیں ہوتی۔ ''حبیب''، خلیل کو بھی کہتے ہیں اور اس پر بھی بولا جا سکتا ہے، جو خلت سے کم درجہ رکھتا ہو۔

گویا ہر خلیل حبیب ہے، مگر ہر حبیب خلیل نہیں۔

❀ سیدنا جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهِ تَعَالَى قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا .

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے۔''

(صحیح مسلم : 532)

سوال: بعض لوگ سڑک کے ایک کنارے پیشاب کرتے ہیں، اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: بغیر مجبوری کے ایسا کرنا جائز نہیں۔ راستوں میں قضائے حاجت کرنا گزرنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہے، لہٰذا ممنوع وحرام ہے، یہ عمل لعنت کا سبب ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اجْتَنِبُوا اللَّعَّانَيْنِ، قَالُوا : وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : الَّذِي يَتَبَرَّزُ عَلٰى طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي مَجْلِسِ قَوْمٍ .

''لعنت والے دو کاموں سے بچیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ دو کام کون سے ہیں؟ فرمایا: لوگوں کی گزرگاہ یا بیٹھنے کی جگہ پر پاخانہ کرنا۔''

(صحیح مسلم : 269، المُنتقٰی لابن الجارود : 33)

سوال: میت کو غسل دیتے وقت بیری کے پتے ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: میت کو غسل دیتے وقت پانی میں بیری کے پتے ڈالنا مستحب ہے۔ اس کے استحباب پر اجماع ہے۔ مطلوبہ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر گرم کیا جائے، پھر حسب موسم

ٹھنڈا کرلیا جائے اور اس پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔ یہ مسنون عمل ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ رَجُلٌ عَنْ بَعِيرِهٖ فَوُقِصَ فَمَاتَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُهِلُّ .

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک آدمی احرام کی حالت میں اپنے اونٹ سے گرا اور گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے پانی میں بیری کے پتے ڈال کر غسل دیں اور اس کی اسی دو چادروں میں کفن دے دیں، لیکن اس کا سر نہ ڈھانپنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اٹھائے گا، تو یہ تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔''

(صحيح البخاري : 1267، صحيح مسلم : 1206، المُنتقٰى لابن الجارود : 506)

❁ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهٗ فَقَالَ : اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِي آخِرِهٖ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِّنْ كَافُورٍ .

''رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم آپ کی بیٹی (زینب) کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا: انہیں تین یا پانچ یا اگر ضرورت محسوس کرو، تو اس

سے زائد بار پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا، آخری مرتبہ کافور یا کافور کی کوئی چیز شامل کر لینا۔"

(صحيح البخاري : 1253، صحيح مسلم : 939، المُنتقٰى لابن الجارود : 518)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ السِّدْرِ فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَى اسْتِحْبَابِهِ .

"یہ حدیث دلیل ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت بیری کے پتے پانی میں ڈالنا مستحب ہے، اس کے استحباب پر اتفاق ہے۔"

(شرح مسلم : 3/7)

سوال: کیا طواف کعبہ سے پہلے صفا اور مردہ کی سعی کی جاسکتی ہے؟

جواب: طواف اور سعی میں ترتیب ضروری ہے، پہلی بیت اللہ کا طواف کیا جائے گا، بعد میں صفا اور مروہ کی سعی کی جائے گی۔

سوال: کیا استاذ کا طلبہ سے مشورہ کرنا درست ہے؟

جواب: استاذ کا طلبہ سے، بڑے کا چھوٹے سے، افضل کا مفضول سے اور والدین کا اولاد سے مشورہ کرنا جائز اور صحیح ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران : ١٥٩)

"(اے نبی!) آپ ان (صحابہ سے) معاملات کے متعلق مشاورت کر لیا

کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں، تو اللہ پر توکل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ، يَسْتَأْمِرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ ....

”جب وحی رک گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان سے اپنے اہل خانہ کی علیحدگی کے متعلق مشاورت کی......۔“

(صحيح البخاري : 4750)

❁ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي الْكَعْبَةِ، أَنْقُضُهَا ثُمَّ أَبْنِي بِنَائَهَا؟ أَوْ أُصْلِحُ مَا وَهٰى مِنْهَا؟ ....

”لوگو! مجھے خانہ کعبہ کے بارے میں مشورہ دو، میں اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کر دوں یا صرف مرمت کرا دوں۔......“

(صحيح مسلم : 1333)

(سوال): کیا شہد سے بننے والی شراب حرام ہے؟

❁ علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

تبع کے معنی شہد کی شراب کے ہیں، اس میں بھی اختلاف ہے امام صاحب (ابو

حنیفہ رحمہ اللہ) کے نزدیک تو اگر مسکر بالفعل نہ ہو، تو اس کا پینا جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر طرح حرام ہے، خواہ مسکر بالقوہ ہو یا مسکر بالفعل۔''

(تقریر ترمذی، ص505)

جواب: مسکر بالقوۃ اور مسکر بالفعل میں فرق یہ ہے کہ جس چیز میں نشہ پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو، وہ مسکر بالقوۃ ہے اور جو چیز نشہ پیدا کر دے، وہ مسکر بالفعل ہے۔

صحیح احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ ہر وہ شے جس میں نشہ ہو، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور کثیر مقدار بھی۔

سوال: اگر نماز میں بھول کر تھوڑا سا چل دے، یا قبلہ رخ سے پھر جائے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نماز میں بھول کر قبلہ رخ سے پھر جائے یا بھول کر چل دے، تو نماز درست ہے، اس پر حدیث ذوالیدین دلیل ہے۔

سوال: کیا نابالغ بچے بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: پڑھ سکتے ہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِقَبْرٍ قَدْ دُفِنَ لَيْلًا، فَقَالَ : مَتٰى دُفِنَ هٰذَا؟ قَالُوا : الْبَارِحَةَ، قَالَ : أَفَلَا آذَنْتُمُونِي؟ قَالُوا : دَفَنَّاهُ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا أَنْ نُوقِظَكَ، فَقَامَ، فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : وَأَنَا فِيهِمْ فَصَلَّى عَلَيْهِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قبر کے پاس سے ہوا، جس کی میت کو رات کے

وقت دفن کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کب دفن ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا: گزشتہ رات۔ فرمایا: مجھے آگاہ کیوں نہ کیا؟ عرض کیا: ہم نے اسے رات کی تاریکی میں دفن کیا ہے، ہم نے آپ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، تو آپ ﷺ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے، پس ہم نے بھی پیچھے صف بنا لی، میں (ابن عباس رضی اللہ عنہ) بھی ان میں شامل تھا، آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔''

(صحيح البخاري: 1321)

سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ اس وقت چھوٹے تھے۔ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ لہٰذا نماز جنازہ میں نابالغ بچوں کا شریک ہونا جائز ہے۔

سوال: جن غیر مسلموں اور منافقین سے ہدایت کی اُمید ہو، کیا ان کے حق میں دعا کرنا جائز ہے؟

جواب: جس کافر، مشرک یا منافق کے ہدایت قبول کرنے کی اُمید ہو، اس کے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے، جائز ہے، کیونکہ اسے کسی بھی وقت ہدایت کی توفیق مل سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ساری زندگی کفر پر رہے اور اہل دوزخ کے سے اعمال کرتا رہے اور مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی دولت سے سرفراز کردے اور وہ اہل جنت میں شامل ہوجائے۔

❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ الْيَهُودُ يَتَعَاطَسُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُونَ أَنْ يَقُولَ لَهُمْ: يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ، فَيَقُولُ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.

''یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس اس اُمید سے چھینک لیتے کہ آپ ﷺ انہیں «یَرْحَمُکُمُ اللّٰهُ» کہیں گے، مگر آپ ﷺ کہتے:

«یَهْدِیکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ»

''اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرما دے۔''

(سنن أبي داوٗد : 5038؛ سنن التّرمذي : 2339؛ المستدرك على الصّحيحين للحاكم : 268/4؛ وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''متصل الاسناد'' کہا ہے۔

سوال: اگر کسی نے ایک مدت تک کے لیے وعدہ کیا، کیا وہ اس وعدہ میں ترمیم یا تبدیلی کرسکتا ہے؟

جواب: اگر کسی شخص نے ایک مدت تک کے لیے کوئی وعدہ کیا، وہ اپنے وعدہ میں ترمیم کرنے کا مجاز ہے۔

❀ عمرو بن میمون اودی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، اذْهَبْ إِلٰى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَقُلْ: يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ، ثُمَّ سَلْهَا، أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، قَالَتْ: كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي فَلَأُوثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِي، فَلَمَّا أَقْبَلَ، قَالَ لَهُ: مَا لَدَيْكَ؟ قَالَ: أَذِنَتْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ: مَا كَانَ شَيْءٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ الْمَضْجَعِ، فَإِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُونِي، ثُمَّ سَلِّمُوا، ثُمَّ قُلْ: يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِي، فَادْفِنُونِي، وَإِلَّا فَرُدُّونِي إِلٰى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ.

''میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو (مرض وفات میں) دیکھا، آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیے اور عرض کیجیے کہ عمر بن خطاب آپ کو سلام پیش کرتے ہیں۔ پھر انہیں کہنا کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ (آپ کے حجرہ میں) دفن ہونے کی خواہش رکھتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے وہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی، مگر میں آج اپنے آپ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دوں گی۔ پھر جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واپس آئے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا خبر ہے؟ عرض کیا: امیر المومنین! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرے لیے اس جگہ سے اہم کوئی شے نہیں تھی، لہٰذا جب میری روح قبض ہو جائے، تو مجھے اٹھا کر لے جانا اور جا کر

سلام کرنا، پھر کہنا کہ عمر بن خطاب (دفن ہونے کی) اجازت مانگ رہے ہیں، اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے اجازت دے دیں، تو مجھے (وہاں) دفن کر دینا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان کی طرف لے جانا۔''

(صحيح البخاري : 1392)

اگر وعدہ میں ترمیم جائز نہ ہوتی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت کا نہ کہتے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہی ہوگا کہ شاید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہو۔

سوال: اگر کسی کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں، کیا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ زیادہ طبعی میلان اور محبت رکھ سکتا ہے؟

جواب: اگر کسی کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں، تو ظاہری تقسیم میں برابری ضروری ہے، البتہ کسی زوجہ کے ساتھ طبعی میلان اور لگاؤ زیادہ یا کم ہوسکتا ہے۔ اس پر مواخذہ نہیں۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَتَعَذَّرُ فِي مَرَضِهِ : أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ، أَيْنَ أَنَا غَدًا اسْتِبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمِي قَبَضَهُ اللّٰهُ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَدُفِنَ فِي بَيْتِي .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری میں بار بار اظہار فرماتے تھے کہ آج میری باری کہاں ہے؟ کل میری باری کہاں ہوگی؟ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کو بہت دور خیال کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ جس دن میری باری تھی، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کرلیا، آپ کو سر مبارک میری گود میں تھا اور

آپ ﷺ کو میرے گھر میں دفن کر دیا گیا۔“

(صحيح البخاري : 1389، صحيح مسلم : 2343)

سوال: سلف کی مخالفت کا کیا حکم ہے؟

جواب: سلف اُمت کی مخالفت ہر گمراہی کی بنیاد ہے۔ سلف کے عقائد و اعمال پر بنا ڈالنا ضروری ہے، فہم سلف سے انحراف گمراہی اور الحاد ہے، خیر القرون کے مسلمان بھی اپنے کبار سلف کی پیروی کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ کی مخالفت سے مجتنب رہتے تھے۔

❀ ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

جَلَسْتُ إِلٰى شَيْبَةَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، قَالَ : جَلَسَ إِلَيَّ عُمَرُ فِي مَجْلِسِكَ هٰذَا، فَقَالَ : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَّا أَدَعَ فِيهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، قُلْتُ : مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ، قَالَ : لِمَ؟، قُلْتُ : لَمْ يَفْعَلْهُ صَاحِبَاكَ، قَالَ : هُمَا الْمَرْءَ انِ يُقْتَدٰى بِهِمَا .

”میں شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ قریشی (کعبہ کے کلید بردار) کے پاس مسجد حرام میں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی جگہ (مسجد حرام میں) تشریف فرما تھے اور فرمانے لگے کہ میرا ارادہ ہے کہ (کعبہ میں) جو سونا اور چاندی ہے، وہ مسلمانوں میں بانٹ دوں، تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا: کیوں؟ میں نے کہا: آپ کے دو ساتھیوں (نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے یہ کام نہیں کیا، تو عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: یہ دو ہستیاں مقتدا اور پیشوا ہیں۔"

(صحيح البخاري : 7275)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک موقع پر کام نہ کرنے کو دلیل بنایا ہے کہ اسے چھوڑا جائے گا۔ یہ سنت ترکیہ ہے۔

آج بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی عقدی اور فقہی آراء کو صحابہ اور ائمہ مسلمین پر پیش کریں، اگر موافق ہوں، تو درست، اگر مخالف ہیں، تو اپنی آراء کو ترک کر دیں۔ جس کام کو صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین نے عمداً ترک کیا ہے، اسے ترک کرنے میں ہی عافیت ہے، کیونکہ اگر اس میں خیر ہوتی، تو اسے کرنے کے زیادہ مستحق سلف تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پر اس وجہ سے عمل نہیں کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ عمل نہیں کیا، معلوم ہوا کہ اسلاف اُمت صحابہ اور ائمہ ہدیٰ نمونہ ہیں۔ ان کا فہم و علم فائق اور مقدم ہے۔ اُمت میں گمراہی کی اصل وجہ یہی ہے کہ اسلاف اُمت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۲۲)

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

سوال: نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی پر تہمت زنا لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات پر تہمت زنا لگانا کفر وارتداد ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تو نصوص وارد ہوئی ہیں۔ دیگر ازواج کے متعلق بھی یہی حکم ہے، کیونکہ سبھی امہات المومنین نبی کریم ﷺ کی حرمت ہیں، ان پر تنقیص یا تہمت درحقیقت نبی کریم ﷺ کی تنقیص اور آپ ﷺ پر تہمت ہے اور قرآن کریم کی تکذیب ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ الْأَصَحُّ أَنَّ مَنْ قَذَفَ وَاحِدَةً مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ فَهُوَ كَقَذْفِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ...... وَذٰلِكَ لِأَنَّ هٰذَا فِيهِ عَارٌ وَغَضَاضَةٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَذًى لَهٗ أَعْظَمُ مِنْ أَذَاهُ بِنِكَاحِهِنَّ بَعْدَهٗ.

”صحیح بات یہی ہے کہ جس نے امہات المومنین میں سے کسی پر تہمت زنا لگائی، اس کا حکم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا سا ہے۔......وجہ یہ ہے کہ اس تہمت میں رسول اللہ ﷺ کے لیے شرم اور تنقیص کی بات ہے، بلکہ اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو جو ایذاء پہنچتی ہے، وہ اس سے بڑی ہے کہ کوئی نبی

کریم ﷺ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرلے۔“

(الصّارم المَسلول، ص 567)

❁ علامہ سبکی رحمہ اللہ (٧٥٦ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْوَقِيعَةُ فِي عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ فَمُوجِبَةٌ لِلْقَتْلِ لِأَمْرَيْنِ؛

أَحَدُهُمَا : أَنَّ الْقُرْآنَ يَشْهَدُ بِبَرَاءَ تِهَا فَتَكْذِيبُهُ كُفْرٌ وَالْوَقِيعَةُ فِيهَا تَكْذِيبٌ لَهُ .

وَالثَّانِي : أَنَّهَا فِرَاشُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَقِيعَةُ فِيهَا تَنْقِيصٌ لَهُ وَتَنْقِيصُهُ كُفْرٌ .

وَيَنْبَنِي عَلَى الْمَأْخَذَيْنِ سَائِرُ زَوْجَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تہمت لگانا نعوذ باللہ، یہ دو وجہ سے موجب قتل ہے:

① : قرآن کریم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت بیان کی ہے، لہٰذا قرآن کریم کی تکذیب کفر ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا یقیناً قرآن کریم کی تکذیب ہے۔

② : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کا حرم ہیں، اس پر تہمت لگانا نبی کریم ﷺ کی تنقیص شان ہے اور نبی کریم ﷺ کی تنقیص کفر ہے۔

مذکورہ دونوں وجوہات اور اسباب کی بنا پر دیگر ازواج النبی ﷺ پر تہمت لگانا کا بھی یہی حکم ہے۔“

(فتاوی السّبکي : 592/2)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيمَنْ قَذَفَ سِوَاهَا مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ قَوْلَانِ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَكْفُرُ أَيْضًا، لِأَنَّهُنَّ أَزْوَاجُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ عَنْهُنَّ .

''جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المومنین پر تہمت زنا لگائے، اس کے بارے میں دو قول ہیں؛ صحیح قول کے مطابق ایسا شخص بھی کافر (و مرتد) ہے، کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے راضی تھے۔''

(البِداية والنّهاية : 376/14)

تنبیہ:

❀ علمائے احناف نے لکھا ہے:

لَوْ قَذَفَ سَائِرَ نِسْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكْفُرُ وَيَسْتَحِقُّ اللَّعْنَةَ .

''اگر کوئی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات پر زنا کی تہمت لگائے، تو وہ کافر نہیں ہے، البتہ لعنت کا مستحق ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری: 264/2)

یہ درست مؤقف نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی بیوی پر تہمت زنا لگانا کفر وارتداد ہے، جیسا کہ اہل علم نے صراحت کر دی ہے۔

سوال: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں، آپ کی خلافت برحق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ خلافت کے متمنی نہ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرنے والا ذلیل وخوار ناصبی ہے۔

یاد رہے کہ خلافت منصوص شے نہیں ہے، خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ شرعاً متعین بھی نہیں ہے۔ خلیفہ دو طریقوں سے منتخب ہوتا ہے؛

① کوئی خلیفہ اپنے بعد کسی کو نامزد کر دے۔

② چند اہل حل وعقد یا اصحاب شوریٰ کسی کو خلافت کے لیے منتخب کر لیں۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ نامزد کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نمبر چوتھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل قرار دینا اجماع اُمت کی مخالفت ہے۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی مخالفت ہے۔

خلافت بہت بڑا منصب ہے، اس کے حق دار کو حق نہیں ہے کہ وہ باوجود خلیفہ ہونے کے کسی دوسرے کو خلیفہ مانے اور اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرے۔ جو ذمہ داری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کندھوں پر ڈالی ہو، وہ اس ذمہ داری عہدہ برآ نہ ہو۔ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے ممکن تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ قرار دیا ہو اور آپ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیں؟!

بعض نے یہ وہمہ پیش کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، تا کہ اُمت کو اختلاف وانتشار سے بچایا جائے، ان کی وجہ سے خون خرابہ نہ ہو۔ جبکہ یہاں

معاملہ اس کے برعکس ہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ذکر تک نہیں کیا، بلکہ اپنے سے پہلے خلفاء کے معاون اور دست راست بنے رہے۔

اہل بیت میں سے کسی فرد بشر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل قرار نہیں دیا، نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کا اظہار کیا ہے کہ میں پہلا خلیفہ تھا، مجھ سے خلافت کا حق چھین لیا گیا، بھلا ایک مسلمان سوچ سکتا ہے کہ خلافت کا اول حق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہو، اس وقت کی بہترین اُمت آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب نہ کرے، اس سوچ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حرف آتا ہے۔اس پر سہاگہ یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان صحابہ نے منتخب خلافت پر فائز کیا، جنہوں نے خلفائے ثلاثہ کو کیا تھا۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے اہل لوگوں کے نام پیش کیے، ان میں سے ایک نام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے گئے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔ہمیں یہ خبر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، ان کی توقیر و تعظیم واجب سمجھتے تھے۔

رہا معاملہ اہل شام کا، تو انہوں نے کبھی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ راشد ہونے کا انکار نہیں کیا، نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننے کا ارادہ کیا۔بتقاضائے بشریت ایک بات ذہن میں آ گئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہیے۔یہ معاملہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیگر صحابہ سب سے پہلے لے کر آئے۔معاملہ فیصلہ کن مراحل تک نہ پہنچ سکا، دونوں کے درمیان جنگ ہو گئی، اسی کا تتمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا، لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلافات جنگ کی صورت اختیار کر گئے۔جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد مانتی تھیں، تیسے ہی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ منصب خلافت وملوکیت پر فائز ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے اُمت کی صلاح وفلاح میں یہ منصب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ غاصب وظالم تھے، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں دستبردار کیسے ہوگئے؟ ظالم کے ساتھ تو کوئی رعایت نہیں کی جاتی، جبکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اُمت کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ کو سونپتے ہیں۔ اسی بنا پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بزمان نبوت سردار بنے۔ مسلمانوں کے دو متحارب گروہ کے درمیان صلح کرائی۔ صلح حسن اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری باب ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت عین ایمان ہے، آپ رضی اللہ عنہ سے بغض عین نفاق ہے۔ اہل سنت والجماعت ہی آپ رضی اللہ عنہ کے حقیقی محبّ ہیں، ورنہ بعضے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی ہستی کے حوالے سے کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی محبت شرعی محبت نہیں ہے، کیونکہ ان کے دامن میں اسلام نہیں۔ جس کے پاس اسلام نہیں، وہ کبھی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے محبت کے دعویٰ میں سچا نہیں ہوسکتا۔

ایک دوسرا گروہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے بغض رکھتا ہے، ہمارے مطابق یہ اسلام کے مقابلہ میں دوسری انتہاء ہے، ان کا ایمان بھی خطرے میں ہے۔

ہم دونوں گروہوں سے اعلان برأت کرتے ہیں۔ اہل سنت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ ہر ایک کو سلف صالحین کی پیروی میں پورا پورا حق دیتے ہیں۔

اُمت مسلمہ میں توسط اور اعتدال ہے، جس فیصلے پر امت جمع ہو جائے، وہ حق قرار

پاتا ہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا انکار درحقیقت کئی پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے۔ سب سے بڑی پریشانی یہ کہ اس انکار سے اُمت کا غلطی اور خطا پر متفق ہونا لازم آتا ہے، جو کہ محال ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ خلفائے راشدین کی خلافت کا انکار درحقیقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار ہے، جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت خلیفہ مانیں، اسے خلیفہ نہ ماننا بہت بڑی غلطی اور گمراہی ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ طَعَنَ فِي خِلَافَةِ أَحَدٍ مِنْ هٰؤُلَاءِ؛ فَهُوَ أَضَلُّ مِنْ حِمَارِ أَهْلِهٖ .

''جو خلفائے راشدین میں کسی ایک کی خلافت پر طعن کرے، وہ گدھے سے زیادہ بے وقوف ہے۔''

(العقيدة الواسطية، ص 184)

❁ نیز فرماتے ہیں:

أَمَّا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَإِنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ يُحِبُّونَهٗ وَيَتَوَلَّوْنَهٗ، وَيَشْهَدُونَ بِأَنَّهٗ مِنَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَالْأَئِمَّةِ الْمَهْدِيِّينَ .

''جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، تو اہل سنت آپ سے محبت و دوستی رکھتے ہیں اور دل و جان سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ ائمہ میں سے ہیں۔''

(مِنهاج السّنة النّبوية : 18/6)

❁ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكٌ، ثُمَّ قَالَ سَفِينَةُ : أَمْسِكْ، خِلَافَةُ أَبِي بَكْرٍ وَخِلَافَةُ عُمَرَ ثِنْتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَسِتَّةُ أَشْهُرٍ وَخِلَافَةُ عُثْمَانَ ثِنْتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَسِتَّةُ أَشْهُرٍ ثُمَّ خِلَافَةُ عَلِيٍّ تَكْمِلَةُ الثَّلَاثِينَ قُلْتُ : فَمُعَاوِيَةُ؟ قَالَ : كَانَ أَوَّلَ الْمُلُوكِ.

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: میری اُمت میں خلافت تیس سال ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: شمار کر لیجئے، سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت بارہ برس چھ ماہ تھی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال تھی، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نے تیس سال پورے کر دیئے۔ سعید بن جمہان رحمہ اللہ نے پوچھا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: وہ پہلے بادشاہ تھے۔“

(مُسند الطيالسي : 1203، مسند الإمام أحمد : 221/5، سنن التّرمذي : 2226، وسنده حسنٌ)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت سے تیس سال کی گنتی پوری ہوتی ہے۔

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ فِيهِ رَدٌّ صَرِيحٌ عَلَى الرَّوَافِضِ الْمُنْكِرِينَ لِخِلَافَةِ الثَّلَاثَةِ، وَعَلَى النَّوَاصِبِ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ فِي إِنْكَارِ خِلَافَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.

''یہ حدیث روافض کا صریح رد کرتی ہے، اس میں تین کی خلافت کا ذکر ہے، بنو امیہ اور اہل شام کے ناصبیوں کا رد کرتی ہے کہ اس میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثبات ہے اور وہ انکار کرتے ہیں۔''

(البداية والنّهاية : 154/9)

❀ فرزندِ علی، محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ، وَعُثْمَانُ مَحْصُورٌ، قَالَ : فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ : إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَقْتُولٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ : إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَقْتُولٌ السَّاعَةَ، قَالَ : فَقَامَ عَلِيٌّ، قَالَ مُحَمَّدٌ : فَأَخَذْتُ بِوَسَطِهِ تَخَوُّفًا عَلَيْهِ، فَقَالَ : خَلِّ لَا أُمَّ لَكَ، قَالَ : فَأَتَى عَلِيٌّ الدَّارَ، وَقَدْ قُتِلَ الرَّجُلُ، فَأَتَى دَارَهُ فَدَخَلَهَا، وَأَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ، فَأَتَاهُ النَّاسُ فَضَرَبُوا عَلَيْهِ الْبَابَ، فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا : إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ قُتِلَ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ خَلِيفَةٍ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهَا مِنْكَ، فَقَالَ لَهُمْ عَلِيٌّ : لَا تُرِيدُونِي، فَإِنِّي لَكُمْ وَزِيرٌ خَيْرٌ مِنِّي لَكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالُوا : لَا وَاللّٰهِ مَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهَا مِنْكَ، قَالَ : فَإِنْ أَبَيْتُمْ عَلَيَّ فَإِنَّ بَيْعَتِي لَا تَكُونُ سِرًّا، وَلٰكِنْ أَخْرُجُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُبَايِعَنِي بَايَعَنِي، قَالَ : فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَبَايَعَهُ النَّاسُ .

''ان دنوں جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود

تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا، کہنے لگا: امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، پھر ایک اور آدمی نے خبر دی کہ ابھی ابھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے، میں نے کسی اندیشہ کے پیش نظر انہیں کمر سے تھام لیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ ہو آپ کی ماں، چھوڑ یئے! آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں، واپس گھر آ گئے، دروازہ بند کر لیا۔ لوگ آپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے، دروازہ کھولا، تو آپ کے پاس آ کر کہنے لگے، عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، اب ضروری ہے کہ کوئی خلیفہ ہو! اور ہم سمجھتے کہ اس منصب کا اہل آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرے بارے ایسا مت سوچیے، میں بجائے اس کے کہ امیر بنوں، وزیر ہی بہتر ہوں۔ لوگ کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ سے زیادہ اس منصب کا اہل کوئی نہیں ہے۔ فرمایا: اگر مجھے ہی بنانا چاہتے ہو، تو میری بیعت چھپ کر نہیں ہو گی، میں مسجد چلا جاتا ہوں، جسے بیعت کرنی ہو وہاں آ کر بیعت کر لے۔ آپ مسجد کی طرف نکل گئے، وہاں لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔''

(فضائل الصّحابة للإمام أحمد بن حنبل: 969، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ (۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ بَعْدَهٗ؛ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں۔''

(النّقض على بشر المريسي : 2/616)

❀ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْلَاهُمْ بِالْخِلَافَةِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ ذُو النُّورَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَرِضْوَانُهٗ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، پھر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہم اجمعین۔“

(الاعتقاد للبيهقي، ص 375، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

تَثْبُتُ إِمَامَةُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَعْدَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِعَقْدِ مَنْ عَقَدَهَا لَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْحِلِّ وَالْعَقْدِ، وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَدَّعِهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الشُّورٰى غَيْرَهٗ فِي وَقْتِهٖ، وَقَدِ اجْتُمِعَ عَلٰى فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ، وَأَنَّ امْتِنَاعَهٗ عَنْ دَعْوَى الْأَمْرِ لِنَفْسِهٖ فِي وَقْتِ الْخُلَفَاءِ قَبْلَهٗ كَانَ حَقًّا؛ لِعِلْمِهٖ أَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِوَقْتِ قِيَامِهٖ ...... ثُمَّ لَمَّا صَارَ الْأَمْرُ أَظْهَرَ وَأَعْلَنَ وَلَمْ يَقْصِرْ حَتّٰى مَضٰى عَلَى السِّدَادِ وَالرِّشَادِ، كَمَا

مَضٰى مَنْ قَبْلَهٗ مِنَ الْخُلَفَاءِ، وَأَئِمَّةِ الْعَدْلِ مِنَ السِّدَادِ وَالرِّشَادِ مُتَّبِعِينَ لِكِتَابِ رَبِّهِمْ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ .
هٰؤُلَاءِ هُمُ الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ الْمُجْمَعُ عَلٰى عَدْلِهِمْ وَفَضْلِهِمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ .

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد صحابہ کے (بالاجماع) انتخاب سے ہوئی، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اہل شوریٰ میں سے کسی فرد نے کسی دوسرے کے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و برتری اور عدل پر اجماع کیا گیا۔ باقی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے سے پہلے خلفائے راشدین کے زمانہ خلافت میں اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہ کرنا بالکل حق تھا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ابھی ان کی خلافت کا وقت نہیں آیا۔ ...... پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقررہ ہو گئے، تو آپ رضی اللہ عنہ برسرِ پیکار ہوئے، کوتاہی نہیں کی، یہاں تک کہ صحیح اور درست راستہ پر گامزن ہوئے، جس طرح آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفائے راشدین اور ائمہ عدل سیدھے اور درست راستے پر چلے، سب سنت کا اتباع کرنے والے اور اپنے نبی کا طریقہ اختیار کرنے والے تھے۔

یہ تمام خلفائے اربعہ ہیں، جن کے عادل اور اہل فضل ہونے پر اجماع کیا گیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔''

(الإبانة عن أصول الدّيانة، ص 251)

❁ علامہ ابو منصور عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ عَلٰى صِحَّةِ إِمَامَةِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقْتَ انْتِصَابِهٖ لَهَا بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

”سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا، تو تمام اہل حق اور اہل عدل نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر اجماع کر لیا۔“

(أصول الدّين، ص 287)

❁ امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ (۴۳۰ھ) فرماتے ہیں:

لَمَّا اخْتَلَفَتِ الصَّحَابَةُ كَانَ عَلَى الَّذِينَ سَبَقُوا إِلَى الْهِجْرَةِ وَالسَّابِقَةِ وَالنُّصْرَةِ وَالْغَيْرَةِ فِي الْإِسْلَامِ الَّذِينَ اتَّفَقَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى تَقْدِيمِهِمْ لِفَضْلِهِمْ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ، لَا يَتَنَازَعُونَ فِيهِمْ وَلَا يَخْتَلِفُونَ فِيمَنْ أَوْلٰى بِالْأَمْرِ مِنَ الْجَمَاعَةِ الَّذِينَ شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ فِي الْعَشْرَةِ مِمَّنْ تُوُفِّي وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، فَسَلَّمَ مَنْ بَقِيَ مِنَ الْعَشْرَةِ الْأَمْرَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَمْ يُنْكَرْ أَنَّهٗ مِنْ أَكْمَلِ الْأُمَّةِ ذِكْرًا وَأَرْفَعِهِمْ قَدْرًا لِقَدِيمِ سَابِقَتِهٖ وَتَقَدُّمِهٖ فِي الْفَضْلِ وَالْعِلْمِ، وَشُهُودِهِ الْمَشَاهِدَ الْكَرِيمَةَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ، وَيُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيُحِبُّهُ الْمُؤْمِنُونَ وَيُبْغِضُهُ الْمُنَافِقُونَ لَمْ

يَضَعْ مِنْهُ تَقْدِيمُ مَنْ تَقَدَّمَهُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَلِ ازْدَادَ بِهِ ارْتِفَاعًا لِمَعْرِفَتِهٖ بِفَضْلِ مَنْ قَدَّمَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ إِذْ كَانَ ذٰلِكَ مَوْجُودًا فِي الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ......﴾ فَلَمْ يَكُنْ تَفْضِيلُ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالَّذِي يَضَعُ مِمَّنْ هُوَ دُونَهُ فَكُلُّ الرُّسُلِ صَفْوَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَخَيْرَتُهُ مِنْ خَلْقِهٖ، فَتَوَلّٰى أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ عَادِلًا زَاهِدًا آخِذًا فِي سِيرَتِهٖ بِمِنْهَاجِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَصْحَابِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ شَهِيدًا هَادِيًا مَهْدِيًّا سَلَكَ بِهِمُ السَّبِيلَ الْمُسْتَبِينَ وَالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ .

”جب (قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے) صحابہ کے مابین اختلاف ہو گیا، تو (اختلاف سے نکلنے کا) معاملہ ان صحابہ کے سپرد کیا گیا، جو اسلام لا کر ہجرت، سبقت، نصرت اور غیرت میں پہل کرنے والے تھے کہ جن کے مقدم ہونے پر اُمت کا اجماع ہے، کیونکہ وہ دین و دنیا کے معاملہ میں فضیلت رکھتے تھے۔ دیگر صحابہ ان افاضل صحابہ کے بارے میں تنازع نہیں کرتے تھے۔ ان افاضل صحابہ کا بالکل بھی اختلاف نہیں تھا کہ عشرہ مبشرہ صحابہ، جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر فوت ہوئے، میں سے کون خلافت کا زیادہ حق دار ہے؟

چنانچہ اس وقت جو عشرہ مبشرہ صحابہ زندہ تھے، انہوں نے خلافت کا معاملہ سیدنا

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور اس سے بالکل بھی انکار نہیں کیا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (اس وقت) اُمت میں سے زیادہ ذکر والے اور سب سے زیادہ بلند مرتبہ والے تھے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فضل وعلم اور غزوات میں شرکت کرنے میں سبقت اور اولیت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے تھے، آپ رضی اللہ عنہ سے مؤمن محبت رکھتے ہیں اور منافق بغض رکھتے ہیں۔ اصحاب رسول میں سے جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا، اس مقدم کرنے سے اس کی شان میں کمی نہیں ہوئی، بلکہ اس سے تو اس کی شان اور بلند ہوگئی کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف کیا، جنہیں اس نے اپنے اوپر مقدم کیا ہے، کیونکہ افضل ومفضول والا معاملہ انبیائے کرام اور رسل عظام میں بھی موجود تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ......﴾ ''یہ رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ......۔'' پس ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینے سے ان رسولوں کا درجہ کم نہیں ہو جاتا، جو افضل سے نیچے ہیں۔ لہٰذا تمام رسول ہی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے چنیدہ اور پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (خلفائے ثلاثہ کے بعد) مسلمانوں کی خلافت کا معاملہ اس ہستی کو سونپا، جو عادل وزاہد تھی اور اس نے اپنا طرز زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقے کے مطابق ڈھالا ہوا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو) منصب شہادت پر فائز کیا، اس حال میں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہادی

ومہدی تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے اُمت کو واضح راستے اور صراط مستقیم پر گامزن کیا۔‘‘

(الإمامة والرد علی الرافضة، ص 361-360)

❀ علامہ غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

هُمْ قَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى تَقْدِيمِ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ نَصَّ أَبُو بَكْرٍ عَلٰى عُمَرَ، ثُمَّ أَجْمَعُوا بَعْدَهٗ عَلٰى عُثْمَانَ، ثُمَّ عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلَيْسَ يُظَنُّ مِنْهُمُ الْخِيَانَةُ فِي دِينِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِغَرَضٍ مِنَ الْأَغْرَاضِ، وَكَانَ إِجْمَاعُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ أَحْسَنِ مَا يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى مَرَاتِبِهِمْ فِي الْفَضْلِ، وَمِنْ هٰذَا اعْتَقَدَ أَهْلُ السُّنَّةِ هٰذَا التَّرْتِيبَ فِي الْفَضْلِ.

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کیا، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اپنی زندگی کے آخری وقت میں) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کر لیا، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ ان صحابہ کے متعلق کسی دنیاوی غرض کے لیے دین میں خیانت کا گمان نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان خلفائے راشدین کی خلافت پر اجماع کرنا ان خلفا کی فضیلت میں ترتیب پر سب سے بہترین استدلال ہے، اہل سنت الجماعت نے خلفائے راشدین کی فضیلت میں ترتیب پر اسی اجماع کو بنیاد بنایا ہے۔‘‘

(الاقتصاد في الاعتقاد، ص 132)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي ثَلَاثِينَ سَنَةً إِلَّا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ الْأَرْبَعَةُ .

''تیس سالوں میں چاروں خلفائے راشدین ہی کا دور گزرا ہے۔''

(شرح مسلم للنّووي : 201/12)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَخِلَافَتُهُ صَحِيحَةٌ بِالْإِجْمَاعِ .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالاجماع صحیح ہے۔''

(شرح مسلم : 149/15)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

الدَّلِيلُ عَلٰى أَنَّهُ أَحَدُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْحَدِيثُ الَّذِي أَوْرَدْنَاهُ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ مِنْ طُرُقٍ عَنْ سَفِينَةَ مَوْلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا .

''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اس پر دلیل دلائل النبوۃ کی وہ حدیث ہے، جسے ہم نے مختلف سندوں کے ساتھ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بعد خلافت تیس سال ہے، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''

(البِداية والنِّهاية : 134/11)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

بَايَعَهُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَكُلُّ مَنْ حَضَرَ .

''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت مہاجرین، انصار اور ہر اس شخص نے کی، جو وہاں حاضر تھے۔''

(فتح الباري : 72/7)

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ : لَمْ يَكُنْ فِي الثَّلَاثِينَ بَعْدَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ .

''علمائے کرام کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال میں خلفائے اربعہ ہی کا دور گزرا ہے۔''

(الصّواعق المُحرقة :66/1)

نیز فرماتے ہیں:

...... بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْحِلِّ وَالْعَقْدِ عَلَيْهِ .

''......سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد کے اجماع سے منعقد ہوئی۔''

(الصّواعق المُحرقة :349/1)

علامہ احمد بن محمد بن سعید غزنوی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) فرماتے ہیں:

...... ثُمَّ بَعْدَ وَفَاةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ وَهُوَ قُرَيْشِيٌّ وَهَاشِمِيٌّ .

''پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کر لیا، آپ رضی اللہ عنہ بھی قریشی اور ہاشمی تھے۔''

(أصول الدِين، ص 283-287)

(سوال): بعض لوگ اپنے جسم سے بال نہیں کاٹتے، اسلام کی نظر میں یہ عمل کیسا ہے؟

(جواب): اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ انسانی جسم پر کچھ ایسے بال ہیں، جنہیں تلف کرنے کا اسلام حکم دیتا ہے۔ پوری انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ دین فطرت پر آ جائیں۔ وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔

اسلام میں بغلوں کے بال، زیر ناف بال چالیس دن سے زائد نہیں رکھے جا سکتے، اس پر گناہ ہے۔ بڑی بڑی مونچھیں رکھنا اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں مہذب اور باوقار دیکھنا چاہتا ہے۔

بعضے ایسے ہیں، جو داڑھی، ابرؤوں اور مونچھوں کو مونڈھ دیتے ہیں، جیسا کہ گمراہ فرقہ قلندریہ کا شعار ہے۔ یہ حرام اور ناجائز عمل ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ مُحَرَّمٌ بِالْإِجْمَاعِ .

”(قلندریہ گروہ کا داڑھی، ابرؤوں اور مونچھوں کا حلق کرنا) بالاجماع حرام ہے۔“

(البِداية والنّهاية : 18/615)

(سوال): کیا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ اہل بیت میں سے ہیں؟

(جواب): زید بن علی بن حسین بن علی رحمہ اللہ اہل بیت میں سے ہیں۔ اہل سنت والجماعت آپ رحمہ اللہ کی فضیلت ومنقبت کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کے والد گرامی امام علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ ہیں۔ آپ رحمہ اللہ امام ابو جعفر باقر، عبد اللہ بن

علی بن حسین بن علی اور عمر بن علی بن حسین بن علی رحمہم اللہ کے بھائی ہیں۔

✿ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ تَعُدَّ الرَّافِضَةُ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ زَيْدَ بْنَ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ مَعَ أَنَّهُ إِمَامٌ جَلِيلٌ مِنَ الطَّبَقَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ التَّابِعِينَ بَايَعَهُ كَثِيرُونَ بِالْكُوفَةِ وَطَلَبَتْ مِنْهُ الرَّافِضَةُ أَنْ يَتَبَرَأَ مِنَ الشَّيْخَيْنِ لِيَنْصُرُوهُ فَقَالَ : بَلْ أَتَوَلَّاهُمَا فَقَالُوا : إِذًا نُرَفِّضُكَ فَقَالَ : اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الرَّافِضَةُ فَسُمَّوْا بِذٰلِكَ مِنْ حِينَئِذٍ .

”روافض زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے، حالانکہ آپ رحمہ اللہ تابعین کے طبقہ ثانیہ کے جلیل القدر امام ہیں، کوفہ کے بہت سے لوگوں نے آپ رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ رحمہ اللہ سے مطالبہ کیا کہ شیخین (سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما) سے اعلان برأت کریں، تا کہ وہ ان کی نصرت کریں، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: بلکہ میں تو ان سے محبت ودوستی رکھتا ہوں، لوگ کہنے لگے: تب ہم آپ کو چھوڑ جائیں گے، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: جاؤ جاؤ، تم چھوڑنے والے لوگ ہو۔ اس وقت سے ان کا نام رافضہ (روافض) پڑھ گیا۔“

(الصّواعق المُحرِقة: 484/2)

✿✿✿✿✿✿✿

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۲۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا شلوار یا تہہ بند ٹخنے سے نیچے چلا جائے، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: شلوار یا تہہ بند ٹخنے سے نیچے لٹکانا ناجائز وحرام ہے، اس پر کئی وعیدیں آئی ہیں۔ البتہ شلوار ٹخنے سے نیچے چلی جائے، تو وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وضو ٹوٹنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّي مُسْبِلًا إِزَارَهُ إِذْ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ، فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ جَاءَ، ثُمَّ قَالَ : اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ، فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا لَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، ثُمَّ سَكَتَّ عَنْهُ، فَقَالَ : إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ .

”ایک آدمی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: جائیے اور وضو کیجئے۔ وہ گیا اور وضو کیا، پھر (ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکاتا ہوا) آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائیے اور وضو کیجئے۔ وہ دوبارہ گیا، وضو کیا، پھر آیا، تو ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ آپ نے ایک

باوضوانسان کو وضو کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شلوار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ شلوار لٹکانے والے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔“

(مسند الإمام أحمد : 68/4، سنن أبي داوٗد : 638، 4086، السّنن الکبریٰ للنّسائي : 9703، السّنن الکبریٰ للبیهقي : 241/2)

روایت ضعیف ہے۔ ابو جعفر مؤذن مدنی کی توثیق نہیں۔ اسے امام محمد بن علی باقر قرار دینا درست نہیں۔

سوال: کیا عورت سے مشاورت کی جاسکتی ہے؟

جواب: قابل اعتماد اور سمجھدار خواتین سے بھی مشاورت ہوسکتی ہے۔ یہ کہنا کہ عورت مطلق طور پر مشاورت کے اہل نہیں، باطل بات ہے۔ جس طرح ہر مرد مشاورت کا اہل نہیں ہوتا، اس طرح ہر عورت مشاورت کی اہل نہیں ہوتی۔

لہٰذا اچھی اور سمجھدار خاتون سے مشورہ کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ معقول مشورہ دے، تو اس پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے۔

❁ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین مکہ سے مصالحت ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے صحابہ سے فرمایا:

قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا، قَالَ : فَوَاللّٰهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتّٰی قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا لَمْ یَقُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ دَخَلَ عَلٰی أُمِّ سَلَمَةَ، فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ : یَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَتُحِبُّ ذٰلِكَ، اخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ

كَلِمَةً، حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ، وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ، فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًا مِّنْهُمْ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ نَحَرَ بُدْنَهُ، وَدَعَا حَالِقَهُ فَحَلَقَهُ، فَلَمَّا رَأَوْا ذٰلِكَ قَامُوا، فَنَحَرُوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا .

"چلیں، (یہیں پر) جانور نحر کر دیں اور بال منڈ والیں۔ (راوی کہتے ہیں:) اللہ کی قسم! صحابہ میں کوئی بھی کھڑا نہ ہوا، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کوئی بھی صحابی کھڑا نہیں ہو رہا تھا، تو نبی کریم ﷺ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کا سارا قصہ کہا، تو سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ اللہ کے نبی! اگر آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں، تو آپ جایئے اور کسی سے کوئی بات نہ کیجئے، بس اپنا اونٹ ذبح کر دیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر حلق کروا لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، کسی سے کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ اپنا اونٹ نحر کر دیا اور حجام کو بلا کر حلق کروا دیا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سب دیکھا، تو انہوں نے بھی جانور نحر کر دیے اور ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے۔"

(صحيح البخاري: 2731)

✿ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ مُشَاوَرَةِ النِّسَاءِ وَقُبُولِ قَوْلِهِنَّ إِذَا كُنَّ مُصِيبَاتٍ فِيمَا يُشِرْنَ بِهِ .

"یہ حدیث دلیل ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے، نیز اگر ان کا مشورہ مناسب ہو، تو اسے قبول کرنا بھی جائز ہے۔"

(مَعالم السّنن : 333/2)

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ جَوَازُ مُشَاوَرَةِ النِّسَاءِ ذَوَاتِ الْفَضْلِ وَالرَّأْيِ .

”اس حدیث میں دلیل ہے کہ صاحب فضل اور سمجھدار عورتوں سے مشورہ کرنا جائز ہے۔“

(شرح صحيح البخاري : 133/8)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مُشَاوَرَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ سَلَمَةَ وَقُبُولُ قَوْلِهَا فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ الْعَمَلِ بِمُشَاوَرَةِ النِّسَاءِ، وَوَهْنٍ لِمَا يُقَالُ : شَاوِرُوهُنَّ وَخَالِفُوهُنَّ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشاورت کرنا اوران کے مشورے پرعمل کرنا دلیل ہے کہ عورتوں کے مشورہ پرعمل کرنا جائز ہے، نیز اس میں اس محاورے کارد ہے:”عورتوں سے مشورہ کرواوران کے مشورہ کی مخالفت کرو۔“

(كَشف المُشكل من حديث الصّحيحين : 58/4)

تنبیہ:

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

خَصْلَتَانِ مِنْ عَلَامَةِ الْجَهْلِ؛ مُشَاوَرَةُ النِّسَاءِ، وَاسْتِكْتَامُ السِّرِّ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ .

”دو خصلتیں جہالت کی علامت ہیں؛ ① عورتوں سے مشورہ کرنا، ② عورتوں اور بچوں سے رازداری کی اُمید رکھنا۔“

(جزء من أحاديث ابن المقير عن شيوخه : 1327)

جھوٹی روایت ہے۔

① ہیثم بن عدی کذاب ہے۔

② عوانہ بن حکم کی توثیق نہیں۔

③ عوانہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک سے زیادہ واسطے ہیں، لہٰذا سند معضل (سخت منقطع) ہے۔

④ عبداللہ بن ابی خالد کا تعین و توثیق درکار ہے۔

⑤ بکر بن حارث مدنی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

⑥ حجاج بن سفیان کون ہے؟ معلوم نہیں

سوال: اہل خانہ کو تفریحی مقامات پر لے جانا کیسا ہے؟

جواب: شرعی حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے بیوی بچوں کو تفریحی مقامات پر لے جانا جائز ہے۔ مگر ضروری ہے کہ پردے کا خیال رکھا جائے، مرد و زن کے اختلاط سے حتی الوسع بچا جائے، ناجائز اُمور میں شامل نہ ہوا جائے، نماز کی پابندی کی جائے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا، فَقَالَ : يَا عَائِشَةُ تَعَالَيْ

فَانْظُرِي، فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيَيَّ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ إِلٰى رَأْسِهِ، فَقَالَ لِي : أَمَا شَبِعْتِ، أَمَا شَبِعْتِ، قَالَتْ : فَجعَلْتُ أَقُولُ لَا لِأَنْظُرَ مَنْزِلَتِي عِنْدَهٗ إِذْ طَلَعَ عُمَرُ، قَالَتْ : فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا، قَالَتْ : فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلٰى شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ قَدْ فَرُّوا مِنْ عُمَرَ قَالَتْ : فَرَجَعْتُ .

’’رسول اللہ ﷺ (میرے یہاں) تشریف فرما تھے، اسی اثنا ہمیں کوئی آواز اور بچوں کا شور سنائی دیا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، دیکھا تو حبشی عورت تھی، جو جنگی مشک کر رہی تھی، اس کے ارد گرد بچے جمع تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! ادھر آیئے اور یہ دیکھئے۔ میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے رسول اللہ ﷺ کے مبارک کندھے پر رکھ لیے اور آپ ﷺ کے سر اور کندھوں کے درمیان سے سارا منظر دیکھنے لگی۔ (ایک وقت کے بعد) نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: کیا ابھی تک دل نہیں بھرا؟! تو میں نے کہا: ابھی نہیں، میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو مجھ سے کتنی محبت ہے۔ اسی دوران سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، تو (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے پر) لوگ وہاں سے چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں شیطان نما انسانوں اور جنوں کو دیکھتا ہوں، وہ عمر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر

میں واپس آ گئی۔''

(سنن التّرمذي :3691، السّنن الکبریٰ للنّسائي : 8908، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح غریب'' کہا ہے۔

نوٹ:

حدیث میں جو رقص یا ''زفن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد جنگی مشکوں کی خاص چال ہے، جیسے پریڈ میں ہوتا ہے۔ دیگر احادیث اور اہل علم کی آراء سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ يَوْمَ عِيدٍ، يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِمَّا قَالَ : تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ؟ فَقُلْتُ : نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَ هٗ، خَدِّي عَلٰى خَدِّهٖ، وَهُوَ يَقُولُ : دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ حَتّٰى إِذَا مَلِلْتُ، قَالَ : حَسْبُكِ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : فَاذْهَبِي .

''عید کا دن تھا، حبشی ڈھالوں اور نیزوں کے ساتھ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے، یا تو میں نے سوال کیا تھا یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا، کیا آپ دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا، میرا رخسار آپ کے رخسار کے اوپر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: کھیلتے رہو، بنی ارفدہ! جب میں تھک گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس؟

عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اچھا جائیں۔‘‘

(صحیح البخاري: 950، صحیح مسلم: 20/892)

❀ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

جَاءَ حَبَشٌ يَزْفِنُونَ فِي يَوْمِ عِيدٍ فِي الْمَسْجِدِ .

’’عید کے دن حبشی لوگ مسجد میں جنگی مشقیں کرنے لگے۔‘‘

سوال: نماز کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، اس کا انکار کفر وارتداد ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ جَاحِدًا لِوُجُوبِهَا فَهُوَ كَافِرٌ .

’’اہل علم کا اتفاق ہے کہ جس نے نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کی، وہ کافر ہے۔‘‘

(كَشف المُشكِل: 77/3)

سوال: کیا بلغم لگنے سے کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے؟

جواب: بلغم نجس نہیں، کپڑے کو لگ جائے، تو کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، اسے دھونا واجب نہیں۔ بلغم کا حکم تھوک والا ہے۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

طَهَارَةُ الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَهُوَ أَمْرٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ لَا أَعْلَمُ فِيهِ اخْتِلَافًا .

’’تھوک (بلغم) اور ناک کی ریزش پاک ہے، اس پر اجماع واتفاق ہے، مجھے

اس بارے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔‘‘

(التّوضيح : 4/514)

تنبیہ:

❀ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَتٰى عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلٰى بِئْرٍ أَدْلُو مَاءً فِي رَكْوَةٍ لِي، فَقَالَ : يَا عَمَّارُ مَا تَصْنَعُ؟ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِأَبِي وَأُمِّي أَغْسِلُ ثَوْبِي مِنْ نُخَامَةٍ أَصَابَتْهُ، فَقَالَ : يَا عَمَّارُ إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ؛ مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْقَيْءِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ يَا عَمَّارُ مَا نُخَامَتُكَ وَدُمُوعُ عَيْنَيْكَ وَالْمَاءُ الَّذِي فِي رَكْوَتِكَ إِلَّا سَوَاءٌ .

’’میں کنوئیں سے پانی نکال کر ڈب میں ڈال رہا تھا، اسی دوران میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: عمار! کیا ہو رہا ہے؟ عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں کپڑا دھو رہا ہوں، میرے کپڑے پر ناک کی ریزش لگ گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمار! کپڑے کو صرف پانچ چیزوں سے دھونا ضروری ہے؛ ① پاخانہ ② پیشاب ③ قے ④ خون ⑤ منی۔ عمار! آپ کے ناک کی ریزش، آپ کے آنکھوں کے آنسو اور اس ڈب کا پانی ایک جیسے (پاک) ہی ہیں۔‘‘

(مُسند البزّار : 1397، مسند أبي يعلى : 1611، الضّعفاء الكبير للعقيلي : 176/1، المُعجم الأوسط للطّبراني : 5963، سنن الدّارقطني : 458، واللّفظ لهٗ)

باطل روایت ہے۔

① علی بن ثابت ابوزید بصری سخت ضعیف ہے۔

② علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

❀ اس حدیث کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضُعفاء الرجال : 302/2)

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''غیر محفوظ'' کہا ہے۔

(الضّعفاء الكبير : 176/1)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهٗ .

''یہ روایت باطل اور بے اصل ہے۔''

(الخلافيات : 77/1)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَمَّا حَدِيثُ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فَلَا أَصْلَ لَهٗ .

''سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث بے اصل ہے۔''

(الفتاوى الكبرىٰ : 411/1، مَجموع الفتاوىٰ : 594/21)

❀ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

ذَكَرَ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ أَبُو الْعَبَّاسِ أَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ كِذْبٌ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ .

''ہمارے شیخ علامہ ابو العباس (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث

محدثین کرام کے نزدیک جھوٹی ہے۔“

(تنقيح التّحقيق: 139/1)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ لَا يَثْبُتُ .

”یہ حدیث ثابت نہیں۔“

(إعلام الموقعين: 268/2)

سوال: کیا آدمی کی قے نجس ہے؟

جواب: انسانوں کی قے کے نجس ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔ معاملات میں اَصل اباحت ہے، لہٰذا جب تک قے کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں مل جاتی، یہ اپنی اَصل کے مطابق نجس نہیں ہوگی۔

سوال: لکڑی کی مجسمے بیچنا کیسا ہے؟

جواب: لکڑی کے مجسمے بنانا حرام اور ناجائز ہے، جو چیز حرام ہو، اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہوتی ہے۔

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ .

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔“

(صحيح البخاري: 2236، صحيح مسلم: 1581)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

فِي تَحْرِيمِ بَيْعِ الْأَصْنَامِ دَلِيلٌ عَلٰى تَحْرِيمِ بَيْعِ جَمِيعِ الصُّوَرِ الْمُتَّخَذَةِ مِنَ الْخَشَبِ، وَالْحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَغَيْرِهَا.

''بتوں کی خرید وفروخت کے حرام ہونے میں دلیل ہے کہ لکڑی، لوہے، سونے چاندی اور دیگر دھاتوں سے تیار کردہ تمام مورتیوں کی خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے۔''

(شرح السّنة : 28/8)

سوال: بستیوں میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: بستیوں اور دیہاتوں میں جمعہ جائز ہے۔ جمعہ کے لیے افراد کا کوئی تعین نہیں، جتنے افراد جماعت کرا سکتے ہیں، اتنے افراد جمعہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثٰی مِنَ الْبَحْرَيْنِ.

''مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبد قیس میں ادا کیا گیا، جو بحرین کی ایک بستی میں واقع ہے۔''

(صحیح البخاري : 892)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِ إِقَامَةِ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرٰى.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ بستیوں میں جمعہ جائز ہے۔''

(شرح السّنة : 219/4)

✿ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى جَوَازِ إِقَامَةِ الْجُمُعَةِ بِالْقُرٰى، وَأَنَّهٗ لَا يُشْتَرَطُ لِإِقَامَةِ الْجُمُعَةِ الْمِصْرُ الْجَامِعُ، كَمَا قَالَهٗ طَائِفَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ بستیوں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، نیز جمعہ کے لیے شہر کا ہونا شرط نہیں، جیسا کہ علما کا ایک طبقہ کہتا ہے۔''

(فتح الباري: 8/138)

سوال: نماز ترک کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز چھوڑنا کفر ہے۔ اس پر نصوص ہیں۔

✿ امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَرْكُ الصَّلَاةِ كُفْرٌ لَا يُخْتَلَفُ فِيهِ.

''نماز چھوڑنا کفر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(تعظيم قدر الصّلاة للمروزي: 978، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: آیت رجم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: پہلے قرآن کریم میں شادی شدہ کو رجم کرنے کی آیت نازل ہوئی، بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی اور حکم کو باقی رکھا گیا۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

✿ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ أُنْزِلَتْ آيَةُ الرَّجْمِ وَرَضَعَاتُ الْكَبِيرِ عَشْرًا، فَكَانَتْ فِي وَرَقَةٍ تَحْتَ سَرِيرٍ فِي بَيْتِي، فَلَمَّا اشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشَاغَلْنَا بِأَمْرِهٖ، وَدَخَلَتْ دُوَيْبَةٌ لَنَا فَأَكَلَتْهَا.

”رجم کی آیت اور دس رضاعات کی آیت نازل ہوئی تھیں اور وہ میرے گھر میں ایک ورق پر لکھی ہوئی چار پائی کے نیچے رکھی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے، تو ہم اپنے معاملے میں مشغول ہو گئے اور ہماری ایک بکری آئی، انہیں کھا گئی۔“

(مسند الإمام أحمد : 269/6، وسندهٗ حسنٌ)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ آيَةَ الرَّجْمِ حُكْمُهَا ثَابِتٌ، وَتِلَاوَتُهَا مَنْسُوخَةٌ وَهٰذَا مِمَّا لَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا .

”آیت رجم کا حکم ثابت ہے، اس کی تلاوت منسوخ ہے، اس میں مجھے کسی اختلاف کا علم نہیں۔“

(السّنن الکبریٰ : 367/8)

سوال: بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُمورِ حکومت کی باگ دوڑ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سنبھالی، کچھ عرصہ بعد ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی اور انہیں خلافت وملوکیت سونپ دی، نیز ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ اس کی پیشین گوئی نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی کر دی تھی۔

❀ متواتر حدیث ہے:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

''میرا یہ بیٹا (حسن بن علی رضی اللہ عنہما) سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔''

(صحیح البخاري : 2704)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی تعریف کی کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلیں گے، صلح حق کے ساتھ ہوتی ہے، نہ کہ باطل کے ساتھ۔

صلح حسن روافض کے لیے حلق کی ہڈی ہے، جسے وہ نہ اُگل سکتے ہیں اور نہ نگل سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام صحیح تھا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عادل، مخلص اور سچا مسلمان ہونا لازم آتا ہے، جو کہ روافض کو قطعاً گوارہ نہیں، روافض تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ظالم، فاسق اور کافر کہتے ہیں، بھلا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی اتنی بڑی ذمہ داری ایک ظالم اور کافر کو کیسے سونپ دی؟

اور اگر روافض یہ کہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا ان کی غلطی تھا، تب ان کا عقیدہ عصمت باطل ٹھہرتا ہے، کیونکہ روافض کے نزدیک ان کے ائمہ معصوم عن الخطا ہیں، وہ نسیان سے مبرا ہیں، ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی۔

اس لیے صلح حسن رضی اللہ عنہ کا معاملہ روافض کی موت ہے۔

✿ علامہ عبد القاہر بن طاہر بغدادی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا سُئِلُوا عَنْ بَيْعَةِ الْحَسَنِ لِمُعَاوِيَةَ، لَمْ يُمَكِّنْهُمْ أَنْ يَقُولُوا: إِنَّهَا كَانَتْ صَوَابًا، لِأَنَّ هٰذَا الْقَوْلَ يُوجِبُ تَصْحِيحَ وِلَايَةِ مُعَاوِيَةَ، وَهُوَ عِنْدَهُمْ ظَالِمٌ كَافِرٌ، وَلَمْ يُمَكِّنْهُمْ أَنْ يَقُولُوا: إِنَّهَا خَطَأٌ فَيُبْطِلُوا عِصْمَةَ الْحَسَنِ.

”اگر روافض سے پوچھا جائے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کیوں کی؟، تو وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا بیعت کر لینا درست فیصلہ تھا، کیونکہ اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، جبکہ ان کے نزدیک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) ظالم اور کافر ہیں۔ نیز روافض یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا غلطی ہے، اس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عصمت کا عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے۔“

(أصول الدّين، ص 78)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنَ الْفَوَائِدِ ؛ عَلَمٌ مِنْ أَعْلَامِ النُّبُوَّةِ وَمَنْقَبَةٌ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فَإِنَّهُ تَرَكَ الْمُلْكَ لَا لِقِلَّةٍ وَّلَا لِذِلَّةٍ وَّلَا لِعِلَّةٍ بَلْ لِرَغْبَتِهٖ فِيمَا عِنْدَ اللّٰهِ لِمَا رَآهُ مِنْ حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ فَرَاعٰى أَمْرَ الدِّينِ وَمَصْلَحَةَ الْأُمَّةِ وَفِيهَا رَدٌّ عَلَى الْخَوَارِجِ الَّذِينَ كَانُوا يُكَفِّرُونَ عَلِيًّا وَّمَنْ مَعَهٗ وَمُعَاوِيَةَ وَمَنْ مَعَهٗ بِشَهَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلطَّائِفَتَيْنِ بِأَنَّهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

”(صلح حسن رضی اللہ عنہ کے) اس قصہ (اور حدیث) میں کئی علمی فوائد ہیں، مثلاً یہ قصہ اعلام نبوت میں سے ہے، اس میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی منقبت موجود ہے، انہوں نے بادشاہت کو چھوڑ دیا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے پاس فوج کم تھی یا وہ کمزور تھے، اس کی کوئی علت سوا اس کے نہ تھی کہ آپ مسلمانوں کا خون بہتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے تھے، انہوں نے امت کی مصلحت اور دین کے

امر کا لحاظ کیا، نیز اس روایت میں خوارج کا بھی رد ہے، جو سیدنا علی وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے تکفیر کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کے متعلق مسلمان ہونے کی گواہی دی ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري : 67/13)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ.

''تین آدمیوں کی دعا بلا شک وشبہ قبول ہوتی ہے، مظلوم کی، مسافر کی اور والد کی اپنی اولاد کے حق میں کی گئی دعا۔''

(مسند الإمام أحمد : 2/348؛ سنن أبي داود : 1536؛ سنن التّرمذي : 1905-3448؛ سنن ابن ماجه : 3862)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ابو جعفر مؤذن مدنی کی توثیق نہیں۔ اسے محمد باقر قرار دینا درست نہیں۔

سوال: نبیوں اور رسولوں میں افضل کون ہیں؟

جواب: تمام نبیوں اور رسولوں میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے بلند اور فائق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینا کفر ہے۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر : 88/5)

❁ نیز فرماتے ہیں:

جَعَلَ مَنْزِلَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوْقَ جَمِيعِهِمْ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ .

''اللہ عزوجل نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام سے بلند کیا ہے، صلوات اللہ علیہم اجمعین۔''

(تفسیر ابن کثیر : 546/6)

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء سے فائق ہیں، اسی طرح حسن وحسین رضی اللہ عنہما جنت میں تمام نبیوں سے فائق ہوں گے، یہ صریح کفریہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہوسکتا۔

سوال: روافض کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ کو شریعت کے کسی بھی حکم کو منسوخ قرار دینے کا حق حاصل ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: شریعت کو شریعت ہی منسوخ کرسکتی ہے۔ شریعت کے کسی حکم کا نسخ عہد نبوی کے بعد جائز نہیں، کیونکہ نسخ کا تعلق وحی سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہے، لہٰذا یہ عقیدہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی امام کو احکام شرعیہ میں نسخ کا حق حاصل ہے، صریح کفر ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَحِبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا،

فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ .

''میں نے اٹھارہ سفر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے، آپ کو سورج ڈھلنے کے بعد، ظہر سے پہلے دو رکعات چھوڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔''

(مُسند الإمام أحمد : 294/4، سنن أبي داوٗد : 1222، سنن التِّرمِذي : 550)

جواب: سند حسن ہے۔

اس روایت کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1253) نے ''صحیح''، امام حاکم رحمہ اللہ (1/ 315) نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَآهُ حَسَنًا . ''امام بخاری رحمہ اللہ اسے ''حسن'' سمجھتے تھے۔''

(سنن التِّرمِذي، تحت الرقم : 550)

یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی ہو سکتی ہیں، قصر میں سنت مؤکدہ ادا کرنا ثابت نہیں۔

سوال: علم جفر کا موجد کون ہے؟

جواب: علم جفر کا موجد کون ہے، اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے۔

❁ علامہ ابو حامد مقدسی رحمہ اللہ (۸۸۸ھ) فرماتے ہیں:

فِي الْحَقِيقَةِ لَيْسَ عِنْدَ الشِّيعَةِ دَلِيلٌ مَا يُثْبِتُ أَنَّ عِلْمَ الْجَفْرِ مِنْ وَضْعِ الْإِمَامِ، بَلْ هُوَ مِنَ الْأَكَاذِيبِ الَّتِي يَكْذِبُونَ بِهَا عَلٰى أَئِمَّتِهِمْ .

''حقیقت میں شیعہ کے پاس کوئی دلیل نہیں، جس سے ثابت ہوتا ہو کہ علم جفر ان کے امام نے وضع کیا ہے، بلکہ یہ ان جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے، جو

انہوں نے اپنے ائمہ کے متعلق بولے ہیں۔''

(رِسالة في الرّد على الرافضة، ص 84)

سوال: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کون سا قرآن پڑھتے تھے؟

جواب: اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ ایک ہی قرآن ہے، جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، جسے سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہی قرآن ہے، جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مسلمان اس کو نماز میں پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں، اور پڑھتے رہیں گے۔ تمام اہل بیت خصوصاً سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما یہی قرآن پڑھتے تھے۔ جس کی ابتداء سورت فاتحہ سے ہوئی اور انتہا سورت ناس پر ہوئی۔ جس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں، جو دو گتوں میں محفوظ ہے۔ اس قرآن کریم کے علاوہ کسی اور قرآن کا اعتقاد رکھنا کفر بواح ہے۔

❁ امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ أَصَحِّ الدَّلَائِلِ وَأَوْضَحِ الْحُجَجِ عَلٰی كُلِّ رَافِضِيٍّ مُخَالِفٍ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ عَلِيًّا كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ لَمْ يَزَلْ يَقْرَأُ بِمَا فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَلَمْ يُغَيِّرْ مِنْهُ حَرْفًا وَاحِدًا، وَلَا قَدَّمَ حَرْفًا عَلٰی حَرْفٍ وَّلَا أَخَّرَ، وَلَا زَادَ فِيهِ وَلَا نَقَصَ، وَلَا قَالَ : إِنَّ عُثْمَانَ فَعَلَ فِي هٰذَا الْمُصْحَفِ شَيْئًا لِي أَنْ أَفْعَلَ غَيْرَهٗ، مَا يُحْفَظُ عَنْهُ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهٰكَذَا وَلَدُهٗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَزَالُوا

يَقْرَؤُونَ بِمَا فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى فَارَقُوا الدُّنْيَا وَهٰكَذَا أَصْحَابُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَزَالُوا يُقْرِئُونَ الْمُسْلِمِينَ بِمَا فِي مُصْحَفِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَجُوزُ لِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ غَيْرَ هٰذَا مَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَقَدْ كَذَبَ وَأَتٰى بِخِلَافِ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ الْإِسْلَامِ.

”(قرآن کریم کے حق اور غیر مبدل وغیر محرف ہونے پر) سب سے صحیح اور واضح دلیل، جس میں ہر رافضی کا رد ہے، جو (عقیدہ قرآن میں) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مخالف ہے، وہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (اپنے دور خلافت میں) ہمیشہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ پڑھتے رہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس میں ایک حرف بھی نہیں بدلا، نہ ہی کسی حرف کو آگے پیچھے کیا، نہ مصحف عثمان میں زیادتی کی، نہ کمی، نہ یہ فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف میں کچھ ایسا کر دیا ہے، کہ مجھے کچھ اور کرنا چاہیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان باتوں میں سے کچھ بھی کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد بھی ہمیشہ مصحف عثمان ہی کی تلاوت کرتے رہی، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی بھی مسلمانوں کو مصحف عثمان ہی پڑھاتے رہے۔ کسی کے لیے (قرآن کریم کے حوالہ سے) کوئی اور بات کہنا جائز نہیں۔ جس نے اس کے علاوہ کوئی بات کہی، وہ جھوٹا ہے اور اس نے اہل اسلام کے عقیدہ قرآن کے خلاف بات کی ہے۔“

(الشّريعة: 1785/4)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۲۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: وضو میں صرف پیشانی کا مسح کرنا کیسا ہے؟

جواب: وضو میں سارے سر کا مسح واجب ہے، صرف پیشانی کے بالوں کا مسح کرنا جائز نہیں۔ اس پر کئی دلائل ہیں۔ جمہور اہل علم کا یہی مؤقف ہے، احناف کے نزدیک پیشانی پر مسح کرنا کافی ہے۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ عَنْهُ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ أَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلٰى مَسْحِ بَعْضِ رَأْسِهِ الْبَتَّةَ .

''نبی کریم ﷺ سے کسی حدیث میں بالکل بھی ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے سر کے بعض حصے کا مسح کیا ہو۔''

(زاد المَعاد : 186/1)

سوال: کیا روز آخرت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائیں گے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اتفاقی و اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روز آخرت اپنے مؤمن بندوں کو دیدار دیں گے، اس پر قرآن و حدیث اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❀ سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا .

”آپ اپنے رب کو روبرو دیکھیں گے۔“

(صحيح البخاري: 7435)

❁ علامہ عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَكُونُ مَرْئِيًّا لِلْمُؤْمِنِينَ فِي الْآخِرَةِ.

”اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ روز قیامت مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔“

(الفَرق بين الفِرَق، ص 324)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى ذٰلِكَ مَعَ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ يَعْنُونَ أَبْصَارَ أَهْلِ الدُّنْيَا.

”(مؤمنوں کا باری تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔) اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، باوجود اس فرمان الٰہی: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ ”آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔“ کے۔ مسلمان اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا والے لوگ ہیں۔“

(بَيان تلبيس الجهمية لابن التيمية: 248/7، التّبيان في أقسام القرآن، ص 258)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقَ عَلَيْهَا الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ وَجَمِيعُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعُونَ وَأَئِمَّةُ الْإِسْلَامِ عَلٰى تَتَابُعِ الْقُرُونِ وَأَنْكَرَهَا أَهْلُ الْبِدَعِ الْمَارِقُونَ

وَالْجَهْمِيَّةُ الْمُتَهَوِّكُونَ وَالْفِرْعَوْنِيَّةُ الْمَعَطِّلُونَ وَالْبَاطِنِيَّةُ الَّذِينَ هُمْ مِنْ جَمِيعِ الْأَدْيَانِ مُنْسَلِخُونَ وَالرَّافِضَةُ الَّذِينَ هُمْ بِحَبَائِلِ الشَّيْطَانِ مُتَمَسِّكُونَ وَمِنْ حَبْلِ اللّٰهِ مُنْقَطِعُونَ وَعَلٰى مَسَبَّةِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ عَاكِفُونَ وَلِلسُّنَّةِ وَأَهْلِهَا مُحَارِبُونَ وَلِكُلِّ عَدُوٍّ لِّلّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَدِينِهٖ مُسَالِمُونَ، وَكُلُّ هٰؤُلَاءِ عِنْ رَّبِّهِمْ مَّحْجُوبُونَ وَعَنْ بَابِهٖ مَطْرُودُونَ أُولٰئِكَ أَحْزَابُ الضَّلَالِ وَشِيعَةُ اللَّعِينِ وَأَعْدَاءُ الرَّسُولِ.

”(روز قیامت مؤمنوں کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا اور کافراس سے محروم کر دیے جائیں گے۔) اس پر انبیائے کرام، صحابہ، تابعین اور ہر دور کے ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔ اس کا انکار اہل بدعت مارقہ، حیرت زدہ جہمیہ، فرعونیہ معطلہ، تمام ادیان سے بیزار باطنیہ اور شیطان کی رسی کو تھامے ہوئے، اللہ کی رسّی کو چھوڑے ہوئے، اصحاب رسول کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والے، سنت اور اہل سنت کی عداوت و دشمنی مول لینے والے اور اللہ و رسول اور دین اسلام کے دشمنوں سے مصالحت کرنے والے رافضیوں نے کیا ہے۔ (مذکورہ) یہ سب لوگ دیدارِ الٰہی سے محروم کر دیے جائیں گے اور اس کے در سے دھتکار دیئے جائیں گے۔ یہ گمراہی کی فوجیں ہیں۔ ملعون (شیطان) کے ساتھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہیں۔“

(حادي الأرواح، ص 285)

سوال: امام اوزاعی رحمہ اللہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: امام اہل سنت، عبدالرحمٰن بن عمرو بن یحمد ابو عمرو اوزاعی رحمہ اللہ (۱۵۷ھ) عالم اہل شام اور محدث ہیں۔

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَثْنٰى عَلَيْهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْأَئِمَّةِ، وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى عَدَالَتِهٖ وَإِمَامَتِهٖ .

’’کئی ایک ائمہ نے آپ رحمہ اللہ کی تعریف وثناء کی ہے، آپ رحمہ اللہ کے عادل اور امام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔‘‘

(البِداية والنّهاية : 444/13)

سوال: کیا بیماری پر دواء لینا ضروری ہے؟

جواب: بیماری میں دوا لینا بالا جماع ضروری نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

سوال: کیا لواطت کبیرہ گناہ ہے؟

جواب: لواطت کرنا بالا جماع کبیرہ گناہ ہے۔ اس کی قباحت وشناعت زنا سے زیادہ ہے۔ اس قبیح وخبیث فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو ہلاک کیا۔

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ التَّلَوُّطَ مِنَ الْكَبَائِرِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

’’مسلمانوں کا اجماع ہے کہ لواطت ان کبائر میں سے ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔‘‘

(الكَبائر، ص 56)

سوال: حج کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حج اسلام کا رکن ہے۔اس کی فرضیت قرآن، حدیث اور اُمت کے اجماع سے ثابت ہے۔اس کا منکر کافر ہے۔اس کا تارک گناہ کبیرہ ہے۔

❀ **اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:**

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَّمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾(البقرة : ٩٧)

''جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کی (مالی وجسمانی) استطاعت رکھتا ہے،اس پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج ہے۔جس نے کفر کیا،تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''

❀ **شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:**

قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ فِي الْجُمْلَةِ عَلٰى أَنَّ الْحَجَّ فَرْضٌ لَازِمٌ.

''مجموعی طور پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حج لازمی فریضہ ہے۔''

(شرح العمدة، کتاب الحجّ :87/1)

❀ **حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:**

قَدْ وَرَدَتِ الْأَحَادِيثُ الْمُتَعَدِّدَةُ بِأَنَّهٗ أَحَدُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهٖ وَقَوَاعِدِهٖ، وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى ذٰلِكَ إِجْمَاعًا ضَرُورِيًّا، وَإِنَّمَا يَجِبُ عَلَى الْمُكَلَّفِ فِي الْعُمْرِ مَرَّةً وَاحِدَةً بِالنَّصِّ وَالْإِجْمَاعِ.

''متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حج اسلام کے ارکان، بنیادوں اور قواعد

میں سے ایک ہے۔اس پر مسلمانوں کا یقینی اجماع ہے، حج مکلّف پر زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے، اس پر نص اور اجماع ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 81/2)

سوال: ایک شخص نے میت کا قرض اپنے مال سے چکا دیا، کیا میت کے ذمہ سے قرض کی ادائیگی ہوگئی؟

جواب: میت کے قرض کی ذمہ داری جب تک کوئی زندہ شخص نہ اٹھا لے، اس کے ذمہ میں قرض باقی رہتا ہے، جب کوئی بھی شخص، خواہ وہ میت کے ورثاء میں سے ہو، جاننے والوں میں سے ہو یا کوئی اجنبی ہو، میت کا قرض اپنے ذمہ لے لے اور اس کی ادائیگی کر دے، تو میت کا قرض ادا ہو جاتا ہے اور وہ اس قرض سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔اس پر کئی احادیث اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ قَضَاءَ الدَّيْنِ يُسْقِطُهٗ مِنْ ذِمَّتِهٖ وَلَوْ كَانَ مِنْ أَجْنَبِيٍّ أَوْ مِنْ غَيْرِ تَرْكَتِهٖ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قرض کی ادائیگی کر دینے سے میت کے ذمہ سے قرض ختم ہو جاتا ہے، اگرچہ ادائیگی کرنے والا اجنبی شخص ہو، یا قرض کی ادائیگی میت کے وراثتی مال کے علاوہ کسی مال سے کی جائے۔''

(الرّوح، ص 121)

سوال: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے، اس عقیدہ پر قرآن کریم، احادیث متواترہ

اور اُمت کا اجماع دال ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث، اجماع اُمت اور فطرت سے ثابت ہے۔ جہم بن صفوان کی ذریت یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح باطنی ملحدین کا یہی عقیدہ ہے۔ یاد رہے کہ باطنی ملحدین بالا جماع یہود ونصاریٰ سے بڑے کافر ہیں۔ اہل سنت والجماعت اس کے برخلاف کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، ہر جگہ نہیں، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَقْلِ الثِّقَاتِ وَجَآءَ عَنِ الصَّحَابَةِ وَصَحَّ عَنْهُمْ فَهُوَ عِلْمٌ يُدَانُ بِهٖ، وَمَا أُحْدِثَ بَعْدَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ أَصْلٌ فِيمَا جَاءَ عَنْهُمْ فَبِدْعَةٌ وَضَلَالَةٌ .

”جو چیز بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کی نقل کردہ ہے اور جو کچھ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، وہ علم ہے، اسے دین بنایا جائے گا اور جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جاری کیا گیا ہو اور اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول علم میں کوئی اَصل نہ ہو، تو وہ بدعت اور گمراہی ہے۔“

(جامع بَيان العِلم وفضلهٖ : 945/2)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہوا، خیر القرون کے بعد اہل بدعت اور اہل الحاد کا یہ کہنا کہ اللہ ہر جگہ ہے وغیرہ بدعی نظریہ ہے، جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: درج ذیل آیت کریمہ کا مفہوم کیا ہے؟

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ وَّهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾(الزّخرف : ٨٤) .

''اللہ وہ ذات ہے، جو آسمان میں بھی معبود ہے، زمین میں بھی۔ وہ حکمت والا، خوب علم والا ہے۔''

(جواب): آسمان اور زمین میں الٰہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان والوں کا بھی معبود ہے اور زمین والوں کا بھی۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ وَالْاِتِّفَاقُ قَدْ بَيَّنَ أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّهٗ مَعْبُودٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَتَدَبَّرْ هٰذَا فَإِنَّهٗ قَاطِعٌ .

''اجماع اور اتفاق نے واضح کر دیا ہے کہ اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کا الٰہ ہے۔ لہٰذا اس پر تدبر کیجئے، یہ فیصلہ کن بات ہے۔''

(اجتماع الجُيوش الإسلامية : 148/2)

(سوال): کیا جنات بھی جہنم میں جائیں گے؟

(جواب): جنات بھی شریعت کے مکلّف ہیں، نبی کریم ﷺ کی بعثت بالا جماع جنوں کی طرف بھی ہوئی۔ جنوں پر بھی نبی کریم ﷺ کی اطاعت واجب ہے۔ ان کا حساب وکتاب بھی ہوگا۔ مؤمن جنات جنت میں جائیں گے اور کافر جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔ یہ مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس پر قرآن کریم اور احادیث متواترہ کے بے شمار دلائل ہیں۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ كُفَّارَ الْجِنِّ فِي النَّارِ وَقَدْ دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْقُرْآنُ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ .

''مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر جنات بھی جہنم میں جائیں گے، اس پر قرآن کریم نے کئی مقامات پر دلیل قائم کی ہے۔''

(طریق الهجرتین، ص 417)

سوال: جس کی رکوع کی تسبیحات رہ جائیں، اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص رکوع کی تسبیحات پڑھنا بھول جائے، اس کی نماز صحیح ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

❁ علامہ ابن قطان رحمہ اللہ (۶۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ عَالِمًا أَوْجَبَ الْإِعَادَةَ عَلٰى مَنْ تَرَكَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ فِي الرُّكُوعِ .

''میں ایسے کسی عالم کو نہیں جانتا، جو کہتا ہو کہ جو رکوع میں سبحان ربی العظیم نہ پڑھ سکا، اس پر اعادہ واجب ہے۔''

(الإقناع: 671)

سوال: اگر کوئی شخص پانی کے بجائے پتھروں سے استنجاء کرے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی پانی کی بجائے پتھروں سے استنجاء کرتا ہے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز اور صحیح ہے۔ البتہ پانی سے استنجاء مستحب ہے۔

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْفُقَهَاءَ الْيَوْمَ مُجْمِعُونَ عَلٰى أَنَّ الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَأَنَّ الْأَحْجَارَ رُخْصَةٌ وَتَوْسِعَةٌ وَأَنَّ الْاِسْتِنْجَاءَ بِهَا جَائِزٌ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ .

''اس وقت فقہائے اُمت کا اجماع ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، ڈھیلوں سے استنجاء کرنے میں رخصت اور توسع ہے، نیز ڈھیلوں سے استنجاء کرنا سفر و حضر میں جائز ہے۔''

(الاستذکار :214/1)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ يُجْزِئُ فِيهِمَا الْاِسْتِجْمَارُ بِالْأَحْجَارِ كَمَا تَوَاتَرَتْ بِهِ السُّنَّةُ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْمَاءِ، وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى جَوَازِ الْاِسْتِجْمَارِ .

''پانی دستیاب ہونے کے باوجود بول و براز میں پتھروں سے استنجاء کرنا جائز ہے، اس پر متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ نیز مسلمانوں کا اجماع ہے کہ استنجاء میں پتھروں کا استعمال کرنا جائز ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ: 63/2، مَجموع الفتاویٰ: 167/22)

سوال: کیا جنت میں بھی صبح اور شام ہوگی؟

جواب: جنت میں بھی صبح اور شام ہوگی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ (مریم : ٦٢)

”ان (اہل جنت) کے لیے اس (جنت) میں صبح وشام رزق ہوگا۔“

سوال: نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ کے چچا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کی موت ملت عبد المطلب پر ہوئی، جوکہ بالاتفاق کافرملت تھی۔

❀ صاحب ہدایہ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) کے نزدیک بھی ابوطالب کافر تھے۔

(الهِداية :91/1)

❀ علامہ ابن مازہ حنفی رحمہ اللہ (٦١٦ھ) کے ہاں بھی ابوطالب مسلمان نہیں تھے۔

(المُحيط البُرهاني في الفقه النُّعماني : 153/2)

❀ علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) کے نزدیک بھی ابوطالب مسلمان نہیں تھے۔

(تبيين الحقائق :244/1)

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

ذَهَبَ بَعْضُ الشِّيعَةِ إِلٰى أَنَّهٗ مَاتَ مُسْلِمًا، وَالَّذِي صَحَّ فِي الْبُخَارِيِّ يُخَالِفُهٗ.

”بعض شیعہ کا یہ مؤقف ہے کہ ابوطالب مسلمان ہوکر فوت ہوئے، جبکہ جو بات صحیح بخاری سے ثابت ہے، وہ اس مؤقف کے خلاف ہے۔“

(البِناية : 238/3)

سوال: کیا انگوٹھی پہننا مستحب ہے؟

(جواب): انگوٹھی پہننا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، لہٰذا مشروع و مستحب ہے۔

(سوال): ایک شخص خوب مالدار ہے، مگر نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں پر، اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو، تو جائز حدود میں رہ کر اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا ہے۔ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کریں، اپنی ذات پر بھی اور اہل خانہ پر بھی۔

❀ سیدنا مالک بن نضلہ جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا قَشِفُ الْهَيْئَةِ، فَقَالَ : هَلْ لَكَ مَالٌ؟ قَالَ : قُلْتُ : نَعَمْ قَالَ : مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ : قُلْتُ : مِنْ كُلِّ الْمَالِ مِنَ الْإِبِلِ وَالرَّقِيقِ وَالْخَيْلِ وَالْغَنَمِ، فَقَالَ : إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ .

”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں پراگندہ حالت میں تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے پاس مال ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: کس طرح کا مال ہے؟ عرض کیا: ہر طرح کا مال ہے، اونٹ، غلام، گھوڑے، بکریاں۔ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دے رکھا ہے، تو پھر اس کا اثر آپ (کے لباس اور ہیئت) پر نظر آنا چاہیے۔“

(مسند الإمام أحمد : 473/3، سنن أبي داود : 4063، سنن النّسائي : 5224، سنن التّرمذي : 2006، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۴۱۶) نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمہ اللہ (۶۵)

نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

ہر آدمی کے ذمہ بیوی، بچوں، اہل خانہ اور خادم کے بنیادی اخراجات ہیں، اخلاص اور رضائے الٰہی کے حصول میں ان پر خرچ کرنا صدقہ ہے، بلکہ جائز طریقہ سے اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ یہ محاسن اسلام میں سے ہے۔ خرچ کرتے ہوئے یہی ترتیب ملحوظ رکھی جائے، جو حدیث میں بیان ہوئی ہے، یہ نہ ہو کہ بیوی، بچے اور گھر والے بنیادی ضروریات کو ترس رہے ہوں اور انسان باہر بانٹتا پھرے، یہ مستحسن نہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثَّ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ : عِنْدِي دِينَارٌ، قَالَ : تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى نَفْسِكَ، قَالَ : عِنْدِي دِينَارٌ آخَرُ، قَالَ : تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى زَوْجَتِكَ، قَالَ : عِنْدِي دِينَارٌ آخَرُ، قَالَ : تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى وَلَدِكَ، قَالَ : عِنْدِي دِينَارٌ آخَرُ، قَالَ : تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى خَادِمِكَ، قَالَ : عِنْدِي دِينَارٌ آخَرُ، قَالَ : أَنْتَ أَبْصَرُ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی، تو ایک شخص نے عرض کیا: میرے پاس ایک دینار ہے، فرمایا: اسے اپنی ذات پر صدقہ (خرچ) کرلیں، عرض کیا: میرے پاس ایک دینار اور ہے، فرمایا: اسے اپنی بیوی پر صدقہ (خرچ) کردیں، عرض کیا: میرے پاس مزید ایک دینار ہے، فرمایا: وہ اپنی اولاد پر صدقہ (خرچ) کردیں، عرض کیا: میرے پاس ایک اور بھی دینار ہے،

فرمایا: وہ اپنے خادم پر صدقہ (خرچ) کر دیں، عرض کیا: اور بھی دینار رہے، فرمایا: اس کے متعلق آپ بہتر جانتے ہیں (یعنی پھر جس پر مناسب سمجھیں، اس پر صدقہ کر دیں)۔''

(مسند الإمام أحمد : 471/2، سنن أبي داود : 1691، سنن النّسائي : 2535، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۳۳۷، ۴۲۳۳، ۴۲۳۵) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ (۱۵۱۴) نے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

فضول خرچی گناہ ہے، مگر شرعی حدود میں رہ کر گھر والوں پر خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے، اسے صدقہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ جب گھر کی ضروریات پوری ہوں، تو باہر جہاں مناسب سمجھیں، وہاں خرچ کریں۔

سوال: کسی مسئلہ میں شرعی نص وارد ہو اور کوئی شخص اس میں قیاس کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی مسئلہ میں شرعی نص موجود ہو، اور ائمہ و محدثین نے اس نص سے وہی مسئلہ ثابت کیا، تو اس پر عمل کیا جائے گا، اس کے خلاف کوئی اجتہاد یا قیاس کرنا جائز نہیں، ایسا اجتہاد یا قیاس لائق التفات نہیں، بلکہ یہ مذموم عمل ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ، وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أَغْرَمُ مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ؟ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ، مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ.

''قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور پیٹ کے بچے سمیت اسے قتل کر دیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا لے کر آئے، تو آپ نے یوں فیصلہ کیا کہ اس کے پیٹ کے بچے کی دیت غرہ یعنی غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور آپ نے (مقتولہ) عورت کے بدلے قاتلہ کے ورثا پر دیت ڈال دی اور مقتولہ کے بیٹے کو دیگر ورثا سمیت اس کا وارث ٹھہرایا، حمل بن نابغہ ہذلی کہنے لگا: میں اس بچے کی دیت کیوں ادا کروں؟ جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چلایا، ایسے بچے کا خون تو رائیگاں ہے۔ اس کی سجع کلامی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو کاہنوں کا بھائی ہے۔''

(صحيح البخاري: 6910، صحيح مسلم: 1681، المُنتقٰى لابن الجارود: 776)

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے جس مسئلہ میں فیصلہ فرما دیا ہو، عقل سے اسے رد کرنا یا بغیر دلیل اس کی ایسی توجیہ کرنا جس سے اس فیصلہ کی خلاف ورزی ہو، جائز نہیں۔

سوال: کیا اجتہادی مسائل میں بھی مناظرہ ہو سکتا ہے؟

جواب: اجتہادی اور فقہی مسائل میں بھی مناظرہ اور مباحثہ جائز ہے، یاد رہے کہ

مناظرہ میں حجت بازی، الزام تراشی، گالم گلوچ، جھوٹ اور دھوکہ دہی قطعاً جائز نہیں۔ مناظرہ کا مقصد حق تک رسائی ہونا چاہیے، تاکہ عوام کے لیے مفید ثابت ہو۔

سوال: ایک شخص دائمی مریض ہے، جسمانی طور پر کمزور ہے، اس نے کسی ایسی گناہ کا ارتکاب کرلیا، جس پر حد واجب ہو جائے اور وہ حد قتل نہ ہو، اب اگر اس پر وہ حد قائم کریں، تو اس کے مرنے کا اندیشہ ہو، تو کیا اس سے حد ساقط ہو جائے گی؟

جواب: ایسا شخص، جو بیماری کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہو اور اس کی تندرستی کی اُمید باقی نہ رہے، کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے، جس کی حد قتل نہ ہو، جیسے شراب پینا، یا کنوارے کا زنا کرنا وغیرہ کہ ان اور ان جیسے گناہوں کی سزا قتل نہیں، بلکہ کوڑے ہیں۔ اب اگر ایسے شخص پر حد نافذ کی جائے، تو اس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو حاکم وقت اس کی شرعی حد میں تخفیف کرسکتا ہے اور اسے ایسی سزا دے سکتا ہے، جس سے اس کی جان جانے کا اندیشہ نہ ہو۔

❁ سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّهُ اشْتَكٰى رَجُلٌ مِّنْهُمْ حَتّٰى أَضْوٰى فَعَادَ جِلْدُهُ عَلٰى عَظْمٍ، فَدَخَلَتْ جَارِيَةٌ لِّبَعْضِهِمْ فَهَشَّ إِلَيْهَا فَوَقَعَ عَلَيْهَا، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ رِجَالٌ مِّنْ قَوْمِهٖ يَعُودُونَهُ أَخْبَرَهُمْ بِذٰلِكَ، وَقَالَ: اسْتَفْتُوا لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي قَدْ وَقَعْتُ عَلٰى جَارِيَةٍ دَخَلَتْ عَلَيَّ، فَذَكَرُوا ذٰلِكَ

لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا رَأَيْنَا بِأَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ مِنَ الضُّرِّ مِثْلَ الَّذِي هُوَ بِهٖ لَوْ حَمَلْنَاهُ إِلَيْكَ لَتَفَسَّخَتْ عِظَامُهٗ، مَا هُوَ إِلَّا جِلْدٌ عَلٰى عَظْمٍ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِائَةِ شِمْرَاخٍ فَيَضْرِبُونَهٗ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً .

''آپ رضی اللہ عنہ کو کسی انصاری صحابی نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہو گیا، حتی کہ وہ اس قدر کمزور ہو گیا کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا، کسی کی لونڈی اس کے پاس گئی، تو وہ اس سے ہشاش بشاش اور خوش ہو گیا، اس نے اس سے جماع کر لیا، جب اس کی قوم کے لوگ اس کی تیمارداری کے لیے گئے، تو اس نے انہیں اس (جماع) کے متعلق بتایا اور انہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق دریافت کرنا کہ میرے پاس ایک لونڈی آئی، تو میں اس سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ہم نے کسی کو ایسے مرض میں نہیں دیکھا، جو مرض اسے لاحق ہے۔ اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں، تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی، وہ تو صرف ہڈی اور چمڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ سو (باریک) ٹہنیاں لیں اور ان کے ساتھ اسے ایک بار ماریں۔''

(سنن أبي داوٗد : 4472، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۸۱۷) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

سوال: ایک شخص حالت احرام میں فوت ہو گیا، تو کیا اس پر احرام کی پابندیاں باقی

رہیں گی؟

جواب: اگر کوئی حاجی یا عمرہ کرنے والا حالت احرام میں فوت ہوگیا، اس کے ورثاء کو چاہیے کہ اس پر احرام کی پابندیاں جاری رکھیں، یعنی اسے خوشبو نہ لگائی جائے، اس کے جسم کے بال نہ کاٹے جائیں، اسے احرام کی چادروں میں ہی دفن کر دیا جائے اور اس کے سر کو ننگا رکھا جائے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ رَجُلٌ عَنْ بَعِيرِهٖ فَوُقِصَ فَمَاتَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُهِلُّ» .

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک آدمی احرام کی حالت میں اپنے اونٹ سے گرا اور گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے پانی میں بیری کے پتے ڈال کر غسل دیں اور اس کی اسی دو چادروں میں کفن دے دیں، لیکن اس کا سر نہ ڈھانپنا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اٹھائے گا، تو یہ تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔''

(صحيح البخاري : 1267، صحيح مسلم : 1206، المُنتقٰى لابن الجارود : 506)

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا مَاتَ يَبْقٰى فِي حَقِّهٖ حُكْمُ الْإِحْرَامِ .

''یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر محرم (حالت احرام میں) فوت ہو جائے، تو اس

کے حق میں بھی احرام کا حکم باقی رہے گا۔"

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام :1/368)

سوال: ایک شخص نماز کا طریقہ عملی طور پر ویڈیو میں ریکارڈ کرتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: تعلیم کی غرض سے نماز پڑھ کر دکھانا جائز ہے، بلکہ تعلیم کا مؤثر ذریعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی موقعوں پر ثابت ہے کہ انہوں نے سامعین کو نماز کا طریقہ عملی طور پر سکھایا، بلکہ منبر پر بھی نماز سکھانا ثابت ہے۔

سوال: اذان کا مذاق اڑانے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اذان کا استہزاء اور استخفاف کفر ہے۔ اذان کے کلمات کو کسی حقیر شے کے ساتھ مشابہت دینا بھی اذان کا استہزاء ہے، جو کہ کفر ہے۔

✿ علامہ شیخی زادہ حنفی رحمہ اللہ (۱۰۷۸ھ) فرماتے ہیں:

يَكْفُرُ بِإِنْكَارِ فَرِيضَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ مُطْلَقًا وَبِالْاسْتِهْزَاءِ بِالْأَذَانِ لَا بِالْمُؤَذِّنِ وَبِإِعَادَةِ الْأَذَانِ عَلٰى وَجْهِ الْاسْتِهْزَاءِ وَبِقَوْلِهٖ : صَوْتٌ طُرْفَةٌ حِينَ سَمِعَ الْأَذَانَ اسْتِهْزَاءً أَوْ قَالَ : هٰذَا صَوْتٌ غَيْرُ الْمُتَعَارَفِ أَوْ صَوْتُ الْأَجَانِبِ أَوْ صَوْتُ الْجَرَسِ أَوْ قَالَ : «ایں بَانَك باسبان» هٰذَا إِذَا قَصَدَ الْاسْتِهْزَاءَ بِالْقِرَاءَةِ نَفْسِهَا بِخِلَافِ مَا إِذَا اسْتَهْزَأَ بِقَارِئِهَا مِنْ وَحْشَةِ قُبْحِ صَوْتِهٖ فِيهَا وَغَرَابَةِ تَأْدِيَتِهٖ بِهَا .

”اگر کوئی شخص مطلق طور پر رکوع اور سجود کی فرضیت کا انکار کر دے، وہ کافر ہے، اسی طرح کوئی اذان کا استہزا کرے، نہ کہ مؤذن کا، تو وہ بھی کافر ہے، یا کوئی اذان کے کلمات استہزاء کرتے ہوئے دہرائے، یا اذان سنتے ہوئے کہے کہ یہ مزاحیہ آواز ہے، یا کہے کہ یہ غیر معروف (منکر) آواز ہے، یا اجنبیوں کی آواز ہے یا کہے کہ یہ گھنٹی کی سی آواز ہے، یا کہے کہ یہ چوکیدار کی آواز ہے، (تو ان سب صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا)۔ یہ حکم اس کے لیے ہے، جو اذان کے الفاظ کا استہزا کرے، اس شخص کا حکم یہ نہیں، جو کسی مؤذن کی بری آواز سے وحشت کھاتے ہوئے یا اس کے الفاظ کی ادائیگی میں عجیب وغریب آواز نکالتے ہوئے استہزاء کرے۔“

(مَجمع الأنهر :694/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ.

”جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، میں اسے جنت کی ایک جانب ایک محل کی گارنٹی دیتا ہوں، اگر کوئی مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے، میں اسے جنت کے وسط میں محل کی گارنٹی دیتا ہوں اور جس نے اپنا اخلاق اچھا کر لیا، میں اسے جنت کے بالا خانوں میں محل کی گارنٹی دیتا ہوں۔“

(سنن أبي داود : 4800)

جواب: اس کی سند حسن ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ صَحِيحٌ، رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ .

''یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام ابوداود رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

(رياض الصّالحين : 629)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(مَدارج السّالكين : 30/3، تهذيب سنن أبي داود : 350/3)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۲۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

(سوال): بعض کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب): نماز کے لیے باوضو ہونا شرط ہے، اگر کوئی شخص ایک ہی وضو کے ساتھ ایک سے زائد نمازیں پڑھے، تو ایسا کرنا جائز اور صحیح ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ البتہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرنا افضل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جان بوجھ کر ایک وضو کے ساتھ ایک سے زائد نمازیں ادا کی ہیں۔

❀ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلاةٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ الْفَتْحِ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَصَلَّى الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ فَعَلْتَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُهٗ قَالَ : إِنِّي عَمْدًا فَعَلْتُهٗ يَا عُمَرُ .

”رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے ساتھ وضو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ نے وضو کیا، تو موزوں پر مسح کیا اور ایک ہی وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے، جو پہلے کبھی نہیں کیا، فرمایا: عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔“

(صحیح مسلم : 277، المُنتقٰی لابن الجارود :1)

❁ علامہ طیبی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ مَنْ قَدَرَ أَنْ يُصَلِّيَ صَلَوَاتٍ كَثِيرَةً بِوُضُوءٍ وَّاحِدٍ لَا تُكْرَهُ صَلَاتُهٗ.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ جو ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہے، اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔''

(شرح المشکاۃ : 759/3)

سوال: درج ذیل آیت کریمہ کا کیا مفہوم ہے؟

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ (الأعراف : ۱۹۹)

جواب: آیت کا مطلب ہے: ''اے نبی! آپ عرف ومعروف (اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری) کا حکم دیں۔''

سوال: جب دو بندے جماعت کرائیں، تو مقتدی کہاں کھڑا ہو گا؟

جواب: جب جماعت میں دو بندے ہوں، تو مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہو گا۔ صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے۔ اس کے برعکس احناف کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے بالکل دائیں جانب کھڑا نہیں ہو گا، بلکہ تھوڑا سے پیچھے ہو کر دائیں کھڑا ہو گا۔ یہ مؤقف صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ إِلٰى سِقَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ مَاءً فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا خَفِيفًا يُقَلِّلُهُ وَيُخَفِّفُهُ قَالَ : فَصَنَعْتُ مِثْلَ الَّذِي صَنَعَ فَقُمْتُ عَنْ شِمَالِهِ فَحَوَّلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يُصَلِّيَ .

''ایک رات میں اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا، میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اُٹھے اور مشکیزے سے پانی لے کر ہلکا سا وضو کیا۔ انہوں نے آپ کا وضو انتہائی ہلکا اور مختصر بتایا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں : میں نے بھی ایسے ہی وضو کیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر دیا۔ پھر جتنی اللہ تعالی نے چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔''

(صحيح البخاري : 138، صحيح مسلم : 763، المُنتقٰى لابن الجارود : 10)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ رَدٌّ عَلٰى أَبِي حَنِيفَةَ فِي قَوْلِهِ : إِنَّ الْإِمَامَ إِذَا صَلّٰى مَعَ رَجُلٍ وَّاحِدٍ إِنَّهٗ يَقُومُ خَلْفَهٗ لَا عَنْ يَمِينِهٖ، وَهٰذَا مُخَالِفٌ لِفِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ جب امام ایک شخص (مقتدی) کو نماز پڑھائے، تو مقتدی امام کے (تھوڑا) پیچھے ہو کر کھڑا ہو گا، نہ کہ (بالکل) امام کی دائیں طرف۔ یہ مؤقف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کے خلاف ہے۔''

(شرح صحيح البخاري :227/1)

سوال: سورت لہب میں ابولہب سے مراد کون ہے؟

جواب: سورت لہب میں مذکور ابولہب سے مراد بالاتفاق نبی کریم ﷺ کا چچا ہے۔ اس میں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں۔ اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ (علیہ لعنۃ اللہ)

❀ سیدنا ربیعہ بن عباد دُئلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْمَجَازِ يَدْعُو النَّاسَ، وَخَلْفَهُ رَجُلٌ أَحْوَلُ، يَقُولُ : لَا يَصُدَّنَّكُمْ هٰذَا عَنْ دِينِ آلِهَتِكُمْ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا : هٰذَا عَمُّهُ أَبُو لَهَبٍ.

''میں نے نبی کریم ﷺ کو ذوالمجاز میں دیکھا، آپ ﷺ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے، آپ ﷺ کے پیچھے ایک بھینگا شخص چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا: کہیں تمھیں یہ شخص تمھارے معبودوں کے دین سے بھٹکا نہ دے!۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا: یہ کون ہے؟ کہنے لگے: یہ نبی کریم ﷺ کا چچا ابولہب ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 492/3، وسندهُ صحيحٌ)

❀ سیدنا طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ؛ مَرَّةً بِسُوقِ ذِي الْمَجَازِ، وَأَنَا فِي بِيَاعَةٍ لِي أَبِيعُهَا، وَمَرَّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ لَهُ حَمْرَاءُ يُنَادِي بِأَعْلٰى صَوْتِهِ : أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا : «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» تُفْلِحُوا، قَالَ : وَرَجُلٌ يَتْبَعُهُ بِالْحِجَارَةِ، وَقَدْ أَدْمٰى

كَعْبَيْهِ وَعُرْقُوبَيْهِ، وَيَقُولُ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تُطِيعُوهُ، فَإِنَّهُ كَذَّابٌ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا : هٰذَا غُلَامُ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قُلْتُ : فَمَنْ هٰذَا الَّذِي يَتْبَعُهُ يَرْمِيهِ؟ قَالُوا : عَمُّهُ عَبْدُ الْعُزّٰى وَهُوَ أَبُو لَهَبٍ .

''میں نے (مکہ میں) رسول اللہ ﷺ کو دو مرتبہ دیکھا؛ ایک مرتبہ ذوالمجاز کے بازار میں، جب میں اپنا سامان فروخت کرنے میں مشغول تھا۔ نبی کریم ﷺ گزرے، آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا اور باآواز بلند صدا لگا رہے تھے: لوگو! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ ایک آدمی پتھر کے لیے آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے تھا، اس نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کے ٹخنے اور ایڑھیاں لہولہان کر دی تھیں، کہہ رہا تھا: لوگو! اس کی بات مت ماننا یہ جھوٹا ہے۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا: وہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ بنو عبدالمطلب کا فرزند ہے، میں نے پوچھا: یہ جو پیچھے پیچھے پتھر مار رہا ہے، یہ کون ہے؟ کہا: یہ اس نوجوان کا چچا عبدالعزیٰ یعنی ابولہب ہے۔''

(مُصنّف ابن أبي شيبة : 36565، مسند ابن أبي شيبة : 822، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ : ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾(الشُّعراء : ٢١٤)، صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَا، فَجَعَلَ يُنَادِي : يَا بَنِي فِهْرٍ، يَا بَنِي عَدِيٍّ ـ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ ـ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ

الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ، فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوا: نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا، قَالَ: فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ٭ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾(اللّهب: ١-٢).

''جب آیت: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾(الشُّعراء: ٢١٤) ''(اے نبی!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔'' نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ کوہِ صفا پر چڑھے اور آواز لگانے لگے: اے بنو فہر، اے بنو عدی! (جلدی سے آئیں اور میری بات سنیں) چنانچہ سب لوگ جمع ہو گئے، اگر کوئی شخص خود نہیں آ سکتا تھا، تو اس نے اپنی جگہ کسی قاصد کو بھیجا کہ دیکھے ہوا کیا ہے؟ سو ابولہب اور قریش کے لوگ آئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں آپ سب کو خبر دوں کہ وادی کے پیچھے سے تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، کیا آپ سب میری تصدیق کریں گے؟ سبھی لوگ گویا ہوئے کہ جی ہاں، ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر میں آپ لوگوں کو آگے آنے والے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس پر ابولہب نے کہا: تجھ پر سارا دن تباہی ہو، کیا ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ تو یہ سورت نازل ہوگئی: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ

وَّتَبَّ ٭ مَآ أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ﴾(اللّھب : ١۔٢) ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے، اسے اس کے مال اور کمائی نے کچھ فائدہ نہ دیا۔“

(صحیح البخاري : 4770، صحیح مسلم : 208)

سوال: مال دار افضل ہے یا نادار؟

جواب: مال دار اگر متشرع دیندار ہے اور راہِ مولا مال خرچ کرتا ہے اور ناجائز اُمور میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے، تو وہ فقیر سے افضل ہے۔

سوال: کیا ذمی کافر کو رجم کیا جائے گا؟

جواب: ذمی کافر اگر شادی شدہ ہو اور زنا لے، تو اسے بھی رجم کیا جائے گا۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

رَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ أَسْلَمَ، وَرَجُلًا مِّنَ الْیَھُودِ وَامْرَأَتَهٗ .

”نبی کریم ﷺ نے (زنا کی وجہ سے) بنو اسلم قبیلہ کے ایک شخص کو، اسی طرح یہود کے ایک مرد اور عورت کو رجم کیا۔“

(صحیح مسلم : 1701)

سوال: کیا سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا ادھیڑ عمر جنتیوں کا سردار ہونا ثابت ہے؟ اس حوالہ ساری کی ساری روایات کی تحقیق درکار ہے۔

جواب: اس معنی کی ایک روایت ثابت ہے۔

❁ سیدنا ابو جحیفہ سوائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُ سَیِّدَا کُھُولِ أَھْلِ الْجَنَّةِ الْأَوَّلِینَ وَالْآخِرِینَ إِلَّا

النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ .

”ابوبکر اور عمر بن خطاب نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔“

(سنن ابن ماجه : 100 ، وسندهٗ حسنٌ، والحديث صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۹۰۴) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

تنبیہ:

اس بارے میں ضعیف و غیر ثابت روایات کی تحقیق ملاحظہ ہو؛

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ طَلَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، يَا عَلِيُّ لَا تُخْبِرْهُمَا .

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما آتے دکھائی دیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔ علی! آپ انہیں یہ بات نہ بتانا۔“

(سنن الترمذي : 3665)

سند باطل ہے۔

① ولید بن محمد موقری متروک ہے۔

② زہری کا عنعنہ ہے۔

③ علی بن حسین کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❀ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(سنن التّرمذي : 3666، سنن ابن ماجه : 95)

سند باطل ہے۔ حارث بن عبداللہ اعور ضعیف اور کذاب ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَلْحَارِثُ الْأَعْوَرُ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ وَتَرْكِ الْإِحْتِجَاجِ بِهٖ .

”حارث اعور کے ضعیف ہونے اور اس سے حجت نہ لینے پر محدثین کا اتفاق ہے۔“

(المَجموع : 288/3)

❀ اس کی تیسری سند بھی ہے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 34109، السّنة لابن أبي عاصم : 1419)

سند سخت ضعیف ہے۔

① موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔

② ابو معاذ کا تعین نہیں ہو سکا۔

③ خطاب/ابو خطاب کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❀ اس کی چوتھی سند بھی ہے۔

(الشّريعة للآجري : 1315)

سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن عمر عمری ضعیف ہے۔

❁ اس کی پانچویں سند بھی ہے۔

(فضائل الصّحابة لأحمد بن حنبل : 94، شرح مشكل الآثار للطّحاوي : 218/5، الشّريعة للآجري : 1625)

سند سخت ضعیف ہے۔ابو جناب کلبی ضعیف و مدلس ہے۔

❁ اس کی چھٹی سند بھی ہے۔

(فضائل الصّحابة لأحمد بن حنبل : 245، الشّريعة للآجري :1801)

سند ضعیف ہے۔

① محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ضعیف ہے۔

② علی بن حسین کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ اس کی ساتویں سند بھی ہے۔

(الغيلانيات لأبي بكر البزّاز :1)

باطل سند ہے۔

① ابراہیم بن مفضل ضعیف و متروک ہے۔

② سلیمان بن زید/ یزید کا تعین نہیں ہو سکا۔

❁ اس کی آٹھویں سند بھی ہے:

(الغيلانيات لأبي بكر البزّاز : 2)

سند باطل ہے۔

① حسن بن عمارہ متروک ہے۔

② ابو اسحاق سبیعی کا عنعنہ ہے۔

❁ اس کی نویں سند بھی ہے۔

(مسند أبي يعلٰى : 624)

سند منقطع ہے۔عامر شعبی کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ اس کی دسویں سند بھی ہے۔

(الكامل لابن عدي : 271/3، الغيلانيات لأبي بكر البزّاز الشافعي : 3)

سند باطل ہے۔

① حفص بن سلیمان بزاز قاری متروک الحدیث ہیں۔

② علی بن یزید صدائی ضعیف ہے۔

بعض ضعیف اور متروک راویوں نے ان کی متابعت بھی کی ہے۔

❁ اس کی گیارہویں سند بھی ہے۔

(مسند البزّار : 490)

سند ضعیف ہے۔

① عبداللہ بن عبدالرحمٰن مسمعی مجہول اور غیر معتبر ہے۔

② اسحاق بن زیاد ایلی مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات : ۸/ ۱۱۹'' میں ذکر کیا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ :

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ .

”یہ دونوں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔“

(سنن الترمذي : 3664)

سند ضعیف ہے۔

① محمد بن کثیر مصیصی صنعانی کثیر الغلط ہے۔

② قتادہ بن دعامہ کا عنعنہ ہے۔

سیدنا مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ:

❀ سیدنا مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ .

”ابوبکر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔“

(فضائل الصّحابة لأحمد بن حنبل : 563، معجم الصّحابة لابن قانع : 31/3)

سند جھوٹی ہے۔

① محمد بن یونس کدیمی ضعیف ہے۔

② عبدالرحمن بن عمرو بن جبلہ کذاب و وضاع ہے۔

③ عباس بن محمد ہلالی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

❁ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تَسُبُّوا أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَإِنَّهُمَا سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ .

''ابوبکر اور عمر کو برا بھلا مت کہیں، کیونکہ یہ دونوں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔''

(تاریخ ابن عساکر : 131/14)

سند باطل ہے۔

① محمد بن یونس کدیمی ضعیف ہے۔

② ابوالازہر محمد بن عاصم سلمی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

ان کی غیر معتبر متابعت بھی ہے۔

(تاریخ ابن عساکر : 131/14)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ .

''ابوبکر و عمر تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔''

(معجم ابن الأعرابي : 2086، الشّريعة للآجري : 1318)

سند باطل ہے۔ طلحہ بن عمرو متروک ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ .

''یہ دونوں تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔''

(زوائد فضائل الصّحابة لأحمد : 200)

اس سند کے ساتھ یہ متن خطا ہے۔ درست یہ ہے کہ مذکورہ روایت کی سند کے ساتھ صحیح متن کے الفاظ کچھ اور ہیں، جیسا کہ متعدد روایات میں صراحت ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ اسی طرح گئے ہیں۔

(عِلَل الدّارقطني : 2156)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا:

هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ .

''یہ دونوں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔''

(أمالي ابن بشران : 961، الضّعفاء الكبير للعقيلي : 345/2)

سند باطل ہے۔عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول ضعیف ومتروک ہے۔

❀ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ، يَعْنِي بِهٰذَا الْإِسْنَادِ؛ وَامْتَنَعَ أَنْ يُّحَدِّثَنَا بِهٖ، وَقَالَ: اِضْرِبُوا عَلَيْهِ.

”یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے۔(راوی کہتے ہیں کہ) امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے ہمیں یہ حدیث بیان کرنے سے انکار کر دیا، نیز فرمایا: اس روایت کو پھینک دو۔“

(عِلل الحديث لابن أبي حاتم: 2677)

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اس سند کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

(الضّعفاء الكبير: 345/2)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا:

إِنَّ هٰذَيْنِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

”یہ دونوں یعنی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) نبیوں اور رسولوں کے علاوہ پہلے اور بعد والے تمام ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے۔“

(شرح مُشكل الآثار للطّحاوي: 1966، المُعجم الأوسط للطّبراني: 4431)

سند ضعیف ہے۔

① علی بن عابس ضعیف ہے۔

② عطیہ عوفی ضعیف و مدلس ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحِفْظِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ .

''اس کا حافظہ کمزور تھا اور بُری تدلیس میں معروف تھا۔''

(طَبَقَات المدلّسين، ص 50)

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اس متن کو خطا قرار دیا ہے۔

(علل الحديث لابن أبي حاتم : 450/6)

سوال: نماز فجر، مغرب اور عشاء کی جماعت میں پہلی دو رکعت کی قرأت اونچی آواز سے کی جاتی ہے، اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب: نماز فجر، نماز مغرب اور نماز عشاء کی با جماعت پہلی رکعتوں میں اونچی قرأت کی جاتی ہے، یہ نبی کریم ﷺ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے، شروع سے ہی مسلمان ایسا کرتے آئے ہیں۔

❁ علامہ علی بن مکی رازی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۸ھ) فرماتے ہیں:

عَلٰى هٰذَا تَوَارُثُ الْأُمَّةِ .

''یہ اُمت کا متوارث عمل ہے۔''

(خُلاصة الدّلائل :102/1)

سوال: کہتے ہیں کہ جانور کے سامنے جانور ذبح نہیں کرنا چاہیے، یا جانور کے

سامنے چھری تیز نہیں کرنی چاہیے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: جانور کے سامنے جانور ذبح کرنے یا جانور کے سامنے چھری تیز کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، اس سے جانور خوفزدہ ہوتے ہیں۔ یہ خوف ان کے لیے اذیت کا باعث ہے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے، نہ کہ اذیت دینے کا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ وَاضِعٍ رِجْلَهٗ عَلٰى صَفْحَةِ شَاةٍ، وَهُوَ يَحُدُّ شَفْرَتَهٗ، وَهِيَ تَلْحَظُ إِلَيْهِ بِبَصرِهَا، قَالَ: أَفَلَا قَبْلَ هٰذَا، أَوَ تُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَتَانِ.

”رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا، جس نے بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا تھا اور چھری کو تیز کر رہا تھا، جبکہ جانور چھری کی طرف دیکھ رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ نے چھری پہلے کیوں نہ تیز کی؟ کیا آپ جانور کو دو بار موت دینا چاہتے ہیں؟“

(المُعجم الكبير للطّبراني : 11/332، المُستدرك للحاكم : 4/233، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 9/281، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

تنبیہ:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِحَدِّ الشِّفَارِ، وَأَنْ تُوَارٰى عَنِ الْبَهَائِمِ، وَإِذَا ذَبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجْهِزْ .

''رسول اللہ ﷺ نے چھری کو تیز کرنے کا حکم فرمایا، یہ بھی حکم دیا کہ چھری کو جانوروں سے چھپا کر تیز کیا جائے، نیز حکم فرمایا کہ جانور کو جلدی جلدی ذبح کرنا چاہیے۔''

(مُسند الإمام أحمد : 5864، سنن ابن ماجه : 3172، المُعجم الكبير للطّبراني : 289/12)

سند ضعیف ہے۔

① زہری کا عنعنہ ہے۔

② قرہ بن عبدالرحمٰن حیوئیل کی منکر روایات ہیں۔

قرہ کی متابعت ابراہیم بن سعد زہری نے کی ہے۔

(تاريخ بغداد : 584/8)

مگر یہ متابعت مفید نہیں۔

① حسین بن سیار ضعیف ومتروک ہے۔

② ابوسعد محمد بن یحییٰ رہاوی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❀ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(جزء الألف دينار للقطيعي :281)

سند ضعیف ہے۔نجیح سدوسی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

سوال: بعض نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنی جنس (Gender) تبدیل کرتے ہیں،

اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اسلام دین فطرت ہے اور اس کے تمام احکام فطرت سے مکمل ہم آہنگ ہیں، وہ انسانیت کو حیوانیت کی ناپاکیوں سے نکال کر روحانی نور عطا کرتا ہے، اسلام ہر ہر معاملے میں ایک جانور اور انسان کے بنیادی فرق کو واضح کرتا ہے، اسی طرح جنسیات کے باب میں بھی مکمل آگہی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی احسن انداز اور احسن تقویم میں تخلیق فرمائی ہے اور اسے اپنی اپنی جنس کے ساتھ زینت بخشی ہے، یہ انسان کا فطری حسن ہے۔

مرد ہو یا عورت ہر دو کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں، مرد کا اپنا رتبہ و مقام ہے اور عورت کا اپنا رتبہ اور مقام ہے۔ یہ دونوں معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہیں۔

جنس (Gender) تبدیل کرنا ناجائز اور حرام ہے، فطرت کے خلاف اقدام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے، یہ باعث لعنت کام ہے، انسانی وجود کی بے حرمتی ہے۔ جنس تبدیل کرنا کافر اور ملحد قوموں کی نقالی ہے۔ یہ شیطان لعین کی پیروی ہے اور ذلت و پستی ہے۔ ایک انسان کی جنس کی تبدیلی دیکھ کر کفار کی دلی خواہش پوری ہوتی ہے، کیونکہ کفار مسلمان نوجوانوں کو باوقار اور جواں مرد نہیں دیکھنا چاہتے، یوں انہیں ہیجڑا بنا کر بے وقعت کر دیتے ہیں اور اس کا اسلامی وقار اور تشخص جاتا رہتا ہے۔

اسلام میں مرد کسی عورت کی سی چال ڈھال، وضع قطع، انداز گفتگو اور لباس اختیار نہیں کر سکتا، اسی طرح مرد داڑھی مونڈھ کر عورتوں کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتا، یہ مرد کے لیے حرام ہے، جب ان سب چیزوں کی ممانعت ہے، تو جنس (Gender) تبدیل کرنے کا جواز کیسے؟ خواہ ایک ہی بار کیوں نہ ہو۔ جنس کی تبدیلی میں بہت سارے شرعی احکام کا انہدام ہے، مثلاً جہاد وغیرہ۔ تبدیلی جنس سے ایک انسان کئی کبائر اور جرائم کا ارتکاب کر سکتا

ہے۔اگر کسی نے جنس تبدیل کروائی، تب بھی اس پر اسی جنس کے احکام نافذ ہوں گے، جس جنس میں اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، کیونکہ ظاہری طور پر جنس تبدیل کرنے سے اس کی حقیقت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا، روز قیامت بھی اس سے اسی جنس کے احکام کی بابت سوال ہوں گے، جس جنس میں اسے پیدا کیا گیا تھا۔

مرد وزن کا ظاہری حسن و جمال تطہیر باطن کا سبب ہے۔ یہ قومی زندگی کی علامت ہے اور کسی بھی لالچ یا خواہش کے لیے اسے تبدیل کر دینا اخلاقی موت ہے۔ تمام شریعتوں نے متفقہ طور پر مرد وزن میں تمیز رکھا ہے، ان دونوں کے اپنے اپنے حقوق وفرائض ہیں، نیز تبدیلی جنس سے مردوں اور ہیجڑوں کے درمیان امتیاز مٹ جاتا ہے، مرد وزن کا ظاہری روپ ہی صالحین اور فساق میں فرق کرتا ہے۔ نفسانی خواہشات، رسم ورواج اور ماحول سے مرعوب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زینت کو تبدیل کرنا بزدلی ہے، اس سے انسان فرمان الٰہی: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ (الجاثیہ:۲۳) ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے، جس نے اپنی خواہشات کو اپنا الہ ومعبود بنا لیا؟'' کا مصداق ٹھہرتا ہے، نیز جو لڑکا جنس تبدیل کر کے لڑکی بنتا ہے، وہ جہاں فطرت کو مسخ کرتا ہے، وہاں خود کو اعلیٰ مرتبہ سے نیچے گرا دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اعلیٰ مرتبہ دیا ہے۔ اس مرتبہ کی قدر دانی کرنی چاہیے اور اس کی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے، کیونکہ مرد کی معاشرے اور خاندان پر ذمہ داریاں ہیں، جنس تبدیل کر کے وہ اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو رہا ہوتا ہے، اس سے کئی مقدس رشتے مجروح ہوتے ہیں، اس برے رجحان سے نظام دنیا میں بگاڑ آتا ہے، تبدیلی جنس سے انسان خود کو بے حقیقت بنا کر پیش کرتا ہے، نیز یہ وجود انسانی کا ضیاع اور طبعی ضرر ہے۔ ایسا کرنا اسلام، عقل اور فطرت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ اور مہلک گناہ ہے۔ یہ

مذموم کوشش دراصل انہدام اسلام ہے۔اس سے برے رجحانات پروان چڑھتے ہیں کہ آج کل مرد وزن جانور بننے کی بھی خواہش رکھتے ہیں، بلکہ کتنوں نے جانوروں کا رُوپ دھارلیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو رعب ودبدبہ اور شوکت وسطوت عطا کی ہے، تبدیلی جنس سے ایک نوجوان کا اسلامی وقار مجروح ہو جاتا ہے۔ معاشرہ میں اس کا رعب ودبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ جنس تبدیل کروانے کے خواہاں ہیں، وہ زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر اعتراض کر رہے ہوتے ہیں۔ جنس تبدیل کرنا حسن کو قبح میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ وجود انسانی کے ساتھ غرر، دھوکہ اور خیانت ہے، جو کہ جائز نہیں۔ تبدیلی جنس میں اتنی قباحتیں، شناعتیں اور تباہ کاریاں ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی مرد یا عورت کو اپنے وجود میں تغیر لانے کی اجازت نہیں، انسانی وجود پر اسلام نے جو احکام ومسائل نافذ کیے ہیں، ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں، مثلاً انسان اپنے بالوں اور ناخنوں پر بھی اختیار نہیں رکھتا، پھر اپنی مرضی سے جنس کیسے تبدیل کر سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ تبدیلی جنس غیر فطری اور غیر طبعی اقدام ہے، جس میں اسلام میں قطعی طور پر کوئی گنجائش نہیں۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اسلاف اُمت کی عملی زندگی سے انحراف اور سرکشی ہے۔ یاد رکھیں کہ دنیا وآخرت میں حقیقی کامیابی اسلام کی پیروی میں ہے۔